

نام کتاب ------------- مسائل زکوٰۃ

مصنف ------------- مولانا محمد رفعت قاسمی

باہتمام ------------- عبدالقدیر

تعداد ------------- 1100

قیمت ------------- 140 روپے



الناشر

مکتبۃ الحسن

33۔حق سٹریٹ اردو بازار۔لاہور

فون 042-7241355 موبائل: 0300-4339699

042-7018002 فیکس 042-7241355

مکمل مدلل

مسائل زکوٰۃ

قرآن وسنت کی روشنی میں

حضرات مفتیان کرام دارالعلوم دیوبند کی تصدیق وتائید کے ساتھ

مؤلف

مولانا محمد رفعت قاسمی

مدرس دارالعلوم دیوبند

الناشر

مکتبۃ الحسن

33۔ حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

فون 042-7241355 موبائل: 0300-4339699

042-7018002 فیکس: 042-7241355

فہرست عنوانات مکمل ومدلل مسائل زکوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنتساب

راہِ خدا میں اپنے گھر کا تمام اسباب
پیش کرنے والے یارِ غار خلیفۂ اول سیدنا حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس شمشیرِ بے نیام
کے نام جس کی چمک نے سرکارِ دوعالم محبوبِ الٰہی
صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد مانعینِ
زکوٰۃ کی آنکھوں کو خیرہ کردیا اور ان کی گردنیں
احکامِ خداوندی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کے آگے جھکنے پر مجبور ہوگئیں ::

محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ

مدرس دارالعلوم دیوبند (انڈیا)

۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۲ء ::

عرضِ مؤلف

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

احقر کا دل حمد و شکر سے لبریز ہے کہ جس دینی خدمت کا آغاز کیا گیا تھا وہ بتدریج انجام پا رہی ہے اور ملتِ اسلامیہ اس سے برابر مستفید ہو رہی ہے اور مقبولیت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے سب رب العزت کی توفیق اور اساتذہ و مفتیانِ کرام دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی توجہ کا ثمرہ ہے۔ اس بے بضاعت کو اس حقیقت کا اقرار و اعتراف کرنے میں کوئی تأمل و حجاب نہیں کہ دریائے علم کا جو قطرہ اس تہی مایہ کے حصے میں آیا ہے وہ کسی تشنہ لب کو تو کیا سیراب کرتا خود اس کی تشنگی رفع کرنے کے لیے بھی کافی نہیں، لیکن بخاری شریف کی حدیث "بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَة" کے تحت یہ نویں کتاب "مکمل و مدلل مسائلِ زکوٰۃ" (تقریباً نو سو مسائل کا مجموعہ) ہدیۂ ناظرین ہے جس میں زکوٰۃ کے مسائل کہ زکوٰۃ کن کن اموال اور کن کن لوگوں پر واجب ہے۔

نیز شیئرز، فکسڈ ڈپازٹ، سیونگ سرٹیفکیٹ، انشورنس، فنڈ، بینک میں جمع شدہ رقومات، تجارتی اموال و مواشی، جائداد و زرعی پیداوار و معدنیات وغیرہ کے احکامات اور زکوٰۃ وصول کنندہ کے لیے شرعی اصول و احکام اور اس کا مصرف قابلِ ذکر ہیں۔

احقر کی استدعا ہے کہ اس کتاب سے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات مجھ کو دعا میں یاد رکھیں اور خاص طور سے میرے شیخ و مُربّی سیدی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہ العالی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی صحت کے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوت و صحت کلی عطا فرمائے اور تادیر صحت و عافیت کے ساتھ ہم خوردوں پر موصوف کا سایہ عاطفت قائم رکھے (آمین یارب العالمین)۔

طالبِ دعا: محمد رفعت قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند یوپی (انڈیا)

۱۳؍ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۵؍ جولائی ۱۹۹۲ء

تصدیق

جامع شریعت وطریقت فقیہہ الامّت سیدی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہ چشتی، قادری، سہروردی نقشبندی مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

زیرِ نظر کتاب ''مسائلِ زکوٰۃ'' اسم بامسمّٰی ہے۔ عزیز محترم قاری محمد رفعت صاحب نے بہت محنت سے بہت سی کتابوں سے تتبع کر کے مسائلِ زکوٰۃ کو جمع کیا ہے، اور کوشش یہ کی ہے کہ اختلافی مسائل میں قولِ راجح ومفتٰی بہ کو اختیار کریں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور ان کی محنت کو قبول فرمائے، مخلوق کو نفع دے (آمین)

اس سے قبل بھی مؤلف زید مجدہم نے متعدد کتابیں تالیف فرمائی ہیں اور مخلوق کو ان سے نفع پہنچا ہے، دعا ہے ؎

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

العبد محمود عفی عنہ
چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند
۷ر شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

ارشادِ گرامی

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہٗ

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہٗ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ امابعد

مجموعہ مسائلِ زکوٰۃ۔ مرتبہ جناب مولانا قاری رفعت صاحب سلمہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند نظرنواز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو مدلل وراجح مسائل کے استقصار وانتخاب میں بے نظیر ملکہ عطا فرمایا ہے، چنانچہ موصوف کی اس شان کی یہ نویں کوشش ہے ۔ اس کے قبل کی شائع شدہ کوششیں عوام وخواص سب کے نزدیک مقبول ہوچکی ہیں اور خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔

مثلِ سابق یہ پیشِ نظر تالیف (مسائلِ زکوٰۃ) بھی ہے اور زکوٰۃ کے سیکڑوں جزئیات پر مشتمل ہے، خصوصاً زمانۂ حاضر کے پیچیدہ پیدا شدہ نئے مسائل کا بہترین مجموعہ ہے یہ بھی بڑی محنت ومشقت کا نتیجہ ہے۔ اور بہت زیادہ کاوش اور عرق ریزی کا پتہ دیتا ہے، ہر مسئلہ کے اخیر میں مستند ومقبول فتاویٰ کے حوالوں سے بھی مزین ہے جس سے اس کی نافعیت اور زیادہ ہے۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور مرتب کے درجات دنیا وعقبیٰ میں بلند فرمائیں اور اسی طرح کی مزید کوششیں کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین

کتبہ العبد المسکین المدعو بمحمد نظام الدین الاعظمی
غفر اللہ لہ ولسائر مشائخہ واساتذتہ واحبابہ اجمعین

۷؍۱؍۱۴۲۴ھ ۳۰؍۳؍۲۰۰۳ء

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب زید مجدہم مفتی دار العلوم دیوبند

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

آج کی دنیا سہولت پسند ہوگئی ہے، اور ساتھ ہی ان میں عجلت بھی آگئی ہے، الحمد للہ علماء اسلام کی حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر ہے اور موجودہ حالات کے مطابق مسلمانوں کو سہولت پہونچانے کی جد وجہد میں مصروف ہیں، تاکہ آسانی کے ساتھ وہ دینی احکام ومسائل سے بآسانی استفادہ کرسکیں اور انھیں کچھ زیادہ کد وکاوش کی ضرورت نہ پڑے، اس سلسلہ میں ہمارے یہاں مولانا قاری محمد رفعت صاحب استاذ دار العلوم بہت زیادہ مستعد پائے گئے، اور وہ کئی سال سے ہر عنوان پر مسائل جمع کرکے شائع کر رہے ہیں، ان کی محنت اور جد وجہد ہم سب کے لیے باعثِ رشک ہے، اللہ تعالیٰ ان کی ہمت کی بلندی اور ترتیب وتزئین اور جمع کی مشقت قائم رکھے، ان کی متعدد کتابیں شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں۔ اس وقت "مسائل زکوٰۃ مدلل مکمل" میرے سامنے ہے، فتاویٰ کی چوالیس مستند کتابوں سے انہوں نے زکوٰۃ کے مسائل کو یکجا کیا ہے، ان میں ترتیب قائم کی۔ اور جہاں سے جو مسئلہ ملا، اس کے حوالوں کے ساتھ جمع کیا اور بڑی جانفشانی سے کام لیا، مولانا موصوف کی یہ جفاکشی لائقِ صد مبارکباد ہے۔ اور اردو داں طبقہ پر ان کا یہ بڑا احسان ہے کہ زکوٰۃ سے متعلق جتنی چیزیں قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں بکھری ہوئی تھیں سب کو یکجا کردیا تاکہ اس کتاب کو پڑھ آدمی اور بہت ساری کتابوں سے بے نیاز ہوجائے، اور ذہنِ انسانی میں جس قدر مسائل کی صورتیں آسکتی ہیں وہ سب سوال وجواب کی شکل میں اس مجموعہ میں فراہم ہوگئی ہیں۔

دعا ہے کہ رب العالمین مؤلف موصوف کی اس گراں خدمت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے۔ آمین۔

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ مفتی دار العلوم دیوبند
۲۵ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ یوم شنبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ

اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ

اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا

بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ

ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی

وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ

کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ یہ وہ ہے جس کو تم نے

لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵

اپنے واسطے جمع کر کرکے رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

خلاصہ تفسیر | ”یعنی جو لوگ سونے چاندی کو جمع کرتے رہتے ہیں اور

اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجئے''۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا کے لفظوں سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ جو لوگ بقدر ضروری اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو باقی ماندہ جمع کیا ہوا مال ان کے حق میں مضر نہیں،

حدیث میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے وہ كَنَزْتُمْ میں داخل نہیں (ابو داؤد، احمد وغیرہ)

جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں، جمہور فقہاء وائمہ کا یہی مسلک ہے۔

آیت میں اس عذاب الیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے:۔ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ط یعنی زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو یہ عذاب الیم اس دن ہو گا جب کہ ان کے جمع کیے ہوئے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں پر داغ دیئے جائیں گے، اور ان سے زبانی سزا کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، سو اپنے جمع کیے ہوئے سرمایہ کو چکھو، اس سے معلوم ہوا کہ جزاء عمل عین عمل ہے، جو سرمایہ ناجائز طور پر جمع کیا تھا، یا اصل سرمایہ تو جائز تھا مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خود وہ سرمایہ ہی ان لوگوں کا عذاب بن گیا۔

اس آیت میں داغ لگانے کے لیے پیشانیوں، پہلوؤں، پشتوں کا ذکر کیا گیا ہے، یا تو اس سے مراد پورا بدن ہے، اور یا پھر ان تین چیزوں کی تخصیص اس بناء پر ہے کہ بخیل آدمی جو اپنا سرمایہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا نہیں چاہتا، جب کوئی سائل یا زکوٰۃ کا طلب گار اس کے سامنے آتا ہے تو اس کو دیکھ کر سب سے پہلے اس کی پیشانی پر بل آتے ہیں، پھر اس سے نظر بچانے کے لیے یہ داہنے بائیں مڑنا چاہتا ہے، اور اس سے بھی سائل نہ چھوڑے تو اس کی طرف پشت کر لیتا ہے، اس لیے پیشانی، پہلو، پشت اس عذاب کے لیے

مخصوص کیے گئے۔ (معارف القرآن ص ۳۹۳ جلد ۴)۔

زکوٰۃ کی وجہ تسمیہ

زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ ہیں "طہارت و برکت اور بڑھنا"۔ اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ کہتے ہیں اپنے مال کی مقدار معیّن کے اس حصہ کو جو کہ شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو مالک بنا دینا۔ زکوٰۃ کے لغوی و اصطلاحی معنی دونوں کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ لیجئے کہ یہ فعل (کہ اپنے مال کی مقدار معیّن کے ایک حصہ کا کسی مستحق کو مالک بنا دینا) مال کے باقی ماندہ حصے کو پاک کر دیتا ہے، اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے برکت عنایت فرمائی جاتی ہے اور اس کا وہ مال نہ صرف یہ کہ دنیا میں بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے بلکہ اخروی طور پر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے مالک کو گناہوں سے اور دیگر بری خصلتوں مثلاً بخل وغیرہ سے پاک وصاف کر دیتا ہے، اس لیے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

"زکوٰۃ" کو صدقہ بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فعل اپنے مال کا ایک حصہ نکالنے والے کے ایمانی دعویٰ کی صحت اور صداقت پر دلیل ہوتا ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۴۸۳ ج ۲ وکتاب الفقہ باب الزکوٰۃ ص ۹۵۸ ج ۱)۔

زکوٰۃ کی تعریف وتفسیر

اپنے مال (کی ایک خاص مقدار) کا کسی ایسے نادار مسلمان کو مالک بنا دینا جو نہ ہاشمی خاندان سے ہو، نہ اس شخص کا (شرعی نقطۂ نظر سے) غلام ہو، اور اس عطیہ کے پیچھے نہ اس شخص کی کوئی دنیاوی منفعت اور کسی عوض کا لالچ بھی نہ ہو، بلکہ محض خدا کی رضا پیشِ نظر ہو، شریعت میں لفظ زکوٰۃ کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے۔ (عالمگیری ص ۳۰ ج ۴ بحوالہ تبیین الحقائق)۔

مسئلہ: مسلمان مستحق کو زکوٰۃ کے مال کا اس طرح مالک بنا دینا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی ہر طرح کی منفعت اس مال سے منقطع ہو جائے۔ لہٰذا زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنی زکوٰۃ نہ اپنے اصل یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی کو دے گا، اور نہ اپنی فروع یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی اور نواسہ نواسی کو دے گا، اس لیے کہ

ان کے دینے میں فی الجملہ اس کی منفعت ہے (یعنی زکوٰۃ کا فائدہ اس کو پہونچ رہا ہے)۔ (درمختار صـ۶ جـ۲)۔

زکوٰۃ اور اس کا ثبوت

مسئلہ:۔ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے اور ہر اس شخص پر فرض عین ہے جو شرائط (آئندہ جو بیان ہوں گی) پورا کرتا ہو۔

زکوٰۃ سـ۲ـہ ہجری میں فرض ہوئی اور دین (اسلام) میں اس کا فرض ہونا بہرحال سب کو معلوم ہے۔

اس کی فرضیت کتاب، سنّت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ" یعنی زکوٰۃ ادا کرو۔

اور حدیث میں زکوٰۃ کے حکم کے متعدد ثبوت ملتے ہیں منجملہ ان کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے۔ آپؐ نے ان پانچ امور میں زکوٰۃ دینے کا ذکر فرمایا ہے اور منجملہ ان کے وہ حدیث بھی ہے جو ترمذی رحمہ نے سلیم بن عامر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ

"ابو امامہؓ سے میں نے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حجۃ الوداع والی تقریر سنی ہے جس میں حضور ؐنے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، اپنی پنجگانہ نمازیں پڑھا کرو اور رمضان آئے تو روزہ رکھو اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو تو جنّت میں جاؤ گے"۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث اس ہی مضمون کی ہیں۔ رہا اجماع سو تمام امت اس امر پر متفق ہے کہ زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے جس کی خاص شرائط ہیں۔ (کتاب الفقہ صـ۶۵۹ جلد ۱)

مسئلہ:۔ درمختار و شامی میں ہے کہ زکوٰۃ کا حکم قرآن کریم میں نماز کے ساتھ ۳۲ جگہ آیا ہے اور نماز کے علاوہ جو ذکر آیا ہے وہ نہیں لکھا۔

(فتاویٰ دار العلوم صـ۱۴۱ جلد ۶)۔

زکوٰۃ کے احکام کا جاننا کب فرض ہے؟

مسئلہ:۔ آدمی جب تک نصاب زکوٰۃ یعنی ساڑھے سات ۷½ تولہ سونا، ۸۷ گرام ۴۷۹ ملی گرام یا ساڑھے باون ۵۲½ تولہ ۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نقدی، سامانِ تجارت وغیرہ کا مالک نہ ہو، اس وقت تک اس کو احکامِ عملیہ زکوٰۃ سیکھنا فرض اور ضروری نہیں گو اعتقادِ فرضیت کا فرض ہے اور جب مال کا مالک ہو اُس وقت احکامِ عملیہ زکوٰۃ کا سیکھنا فرض اور ضروری ہوگیا۔ اس وقت احکام عملیہ کی قید اس لیے لگائی کہ عقیدہ کے درجہ میں تو ہر شخص کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اقرار ضروری ہے۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص۱ بحوالہ تاسیس البیان ص۶۷)۔

زکوٰۃ کب فرض ہوئی؟

احادیث اور آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے اور فرائض خمسہ کی تاریخ تشریع سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ سب سے پہلے پنجگانہ نمازیں شبِ معراج میں مسلمانوں پر فرض ہوئیں، پھر مدینہ طیبہ میں ۲ سنہ ہجری میں روزے فرض ہوئے اور اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ، فطر فرض ہوئی تاکہ روزہ دار لغو اور رفث سے پاک ہوجائے اور عید کے روز مسکینوں کی امداد ہوجائے، بعد ازاں زکوٰۃ مع نصاب اور مقادیر فرض ہوئی، لیکن اس امر پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں یہ تحدیدات (LIMITATIONS) کس سنہ میں مقرر ہوئیں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۱۰۱ جلد اول وفتاوی دارالعلوم دیوبند ص۴۱ ج۶)۔

صدقہ، زکوٰۃ کی فرضیت صحیح یہ ہے کہ اوائل اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہوچکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیرؒ نے سورۂ مزمل کی آیت "وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ یہ سورت بالکل ابتداءِ وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے، اس میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم ہے، البتہ روایاتِ احادیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں زکوٰۃ کے لیے کوئی

خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے بچ رہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا، نصابوں کا تعین اور مقدار زکوٰۃ کا بیان ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوا ہے اور پھر زکوٰۃ و صدقات کی وصول یابی کا نظام محکمانہ انداز کا فتح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے۔ اس آیت میں باجماع صحابہ رض و تابعین رح اسی صدقۂ واجبہ کے مصارف کا بیان ہے جو نماز کی طرح مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ جو مصارف اس آیت میں متعین کیے گئے ہیں وہ صدقات فرض کے مصارف ہیں، نفلی صدقات میں روایات کی تصریحات کی بنا پر بہت وسعت ہے وہ ان آٹھ مصارف میں منحصر نہیں ہیں۔ (معارف القرآن ص ۳۹۴ ج ۴)

زکوٰۃ کا حکم پہلی شریعتوں میں

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم پہلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔ سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم ؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسحٰق ؑ اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب ؑ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَاَوْحَیْنَا اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ (انبیاء) — اور ہم نے ان کو حکم بھیجا نیکیوں کے کرنے کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا

اور سورۂ مریم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:۔

وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ۔ — اور اپنے گھروالوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔

قرآن کریم کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں، ہاں ان کے حدود اور تفصیلی احکام و تعینات میں فرق رہا ہے اور یہ فرق تو خود ہماری شریعت کے بھی ابتدائی اور آخری تکمیلی دور میں رہا ہے مثلاً یہ کہ پہلے ہر فرض نماز صرف دو رکعت پڑھی جاتی تھی، پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں۔

اسی طرح ہجرت سے پہلے مکہ کے زمانۂ قیام میں زکوٰۃ کا حکم تھا چناں چہ سورۂ مؤمن ونمل اور سورۂ لقمان کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہلِ ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا ذکر موجود ہے جبکہ یہ تینوں سورتیں مکی ہیں۔ (معارف الحدیث صـ۲۳ ج ۴)۔

مکی دور میں زکوٰۃ کا مطلب

لیکن مکی دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔

نظامِ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے وہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے۔ پس جن مؤرخین اور مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال میں یا اس کے بعد میں آیا، ان کا مطلب غالباً یہی ہے کہ اس کی حدود وتعینات اور تفصیلی احکام اس وقت آئے، ورنہ زکوٰۃ کا مطلق حکم تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے کافی پہلے آچکا تھا۔ ہاں نظامِ زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل اور حدود وتعینات ہجرت کے بعد آئے اور مرکزی طور پر اس کی تحصیلِ وصول کا نظام تو ۸ھ کے بعد قائم ہوا (معارف الحدیث صفحہ ۲۴۲ جلد ۴)۔

قانونِ اسلامی کی تاریخ میں مشہور بات یہی ہے کہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی ہے، اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات مکی دور کی سورتوں میں کس حد تک ہم آہنگ ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مکی دور کے قرآن میں جس زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے وہ بعینہ وہ زکوٰۃ نہیں ہے جو مدینہ میں فرض ہوئی ہے جس کی مقدار مقرر اور حدود متعین ہیں اور جس کی وصولی کے لیے اور اس کے مصارف میں خرچ کرنے کے لیے کارندے بھیجے گئے اور ریاست نے اس کا انتظام کرنے کی ذمہ داری سنبھالی۔

مکی دور میں جو زکوٰۃ تھی وہ مطلق تھی اور اس میں حدود اور قیود نہیں تھیں

اور اس کا مدار افراد کے ایمان، ان کے شعور اور ان کے احساسِ اخوّت پر تھا۔ اور اس وقت مؤمنین کے ساتھ حُسنِ سلوک میں کبھی کم خرچ کرنا پڑتا اور کبھی زیادہ خرچ کرنا پڑتا تھا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۸۵ ج۱۔ از ڈاکٹر یوسف القرضاوی)۔

مَدَنی دَور میں زکوٰۃ کی نوعیّت

مکّی دور میں مسلمانوں کی دعوتِ اسلام انفرادی تھی اور وہ اس دعوت کی بنا پر معاشرے سے کٹ کر الگ تھلگ ہو گئے تھے جبکہ مسلمان مدینہ منورہ پہنچے تو ایک منظم اجتماعی صورت میں آگئے اور مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست تشکیل پاگئی اور ان کا اقتدار قائم ہو گیا تو پھر اس لیے اسلامی ذمّے داریوں نے بھی اس نئی صورتِ حال میں تعمیم اور اطلاق کی جگہ تحدید اور تخصیص کی صورت اختیار کر لی اور جو پہلے راہ نمائی کرنے والی ہدایات تھیں وہ اب لازمی قوانین کی صورت اختیار کر گئیں اور ان قوانین کے نفاذ کے لیے ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ اقتدار اور قوت سے کام لینا بھی ناگزیر ہو گیا ہے۔ چناں چہ مدینہ منورہ میں آکر زکوٰۃ نے بھی یہی صورت اختیار کی کہ شارع علیہ السلام (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان اموال کی تحدید فرما دی جن میں زکوٰۃ فرض ہے، اور اس کی فرضیت کی شرائط اور اس کی لازمی مقداروں کا تعین فرما دیا، اس کے مصارف مقرر کر دیے اور اس کی تنظیم اور اس کے دائرۂ کار کا ایک لائحۂ عمل مقرر فرما دیا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۸۶ ج۱)۔

زکوٰۃ کے تین پہلو

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ مؤمن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلّل و نیازمندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا، و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو، اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل

کرنے کے لیے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے۔

زکوٰۃ کا شمار "عبادات" میں اسی پہلو سے ہے، دین و شریعت کی خاص اصطلاح میں "عبادات" بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد و موضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم و کرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حُبِّ مال (مال کی محبت) اور دولت پرستی جو ایک ایمان کُش اور نہایت مہلک "روحانی بیماری" ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ (معارف الحدیث صفحہ ۲ ج ۴)۔

زکوٰۃ کا ایک اور مقصد

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری میں آجائے، یا سوسائیٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افرادِ قوم میں پھیلے اور منقسم ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثار کے لیے تقسیم و اسہام کا قانون نافذ کردیا۔ اور اقوامِ عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے۔ جوں ہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں اُس کی دولت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی، اب وارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائے گی اور پھر اُن میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے اور اُسے بانٹتے اور پھیلاتے رہیں گے۔ (حقیقت الزکوٰۃ صفحہ ۲)۔

منکرِ زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ کی اہمیت کے پیشِ نظر فقہائے کرام رحؒ نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ اور اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے اور اسلام سے بالکل خارج ہے۔

اس سلسلے میں امام نووی رحؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا شخص جو حال ہی میں اسلام لایا ہو، یا اسلامی ماحول سے دور کہیں جنگل میں پلا بڑھا ہو اور وہ زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کر کے اسے ادا نہ کرے تو اس کو اولاً فرضیتِ زکوٰۃ کی وجوہ اور اس کی اہمیت بتائی جائے گی، اگر وہ اس کے باوجود بدستور اپنے انکار پر قائم رہے تو اس کے کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلم معاشرے میں رہتا ہو اور اسے زکوٰۃ کی فرضیت کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے۔ یعنی پہلے اسے توبہ کے لیے کہا جائے گا اور توبہ نہ کرنے پر اسے قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت کا علم لازمی ہے اور اس علم کے باوجود اس کا انکار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب ہے۔ (المجموع صـ۳۳۴ ج۵)۔

غرض کہ منکرینِ زکوٰۃ کے بارے میں واضح شرعی حکم موجود ہے اور جس پر اجماع بھی ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ صـ۱۲ ج۱۔ وکتاب الفقہ صـ۹۵۹ ج۱)۔

مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ

اسلام نے صرف اس امر پر اکتفا نہیں کیا کہ زکوٰۃ نادہندگان سے مالی تاوان لے لیا جائے یا انھیں تعزیری سزائیں دے دی جائیں بلکہ اگر صاحبِ قوت گروہ سرکشی اختیار کر کے ادائے زکوٰۃ سے انکار کر دے تو اسلام نے ان سے جنگ کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور اس فرض کی ادائیگی کی خاطر جان سے مار ڈالنے (قتلِ نفس) اور خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا ہے، حالاں کہ اسلام تو آیا ہی اسی لیے ہے کہ انسانوں کو جانی تحفظ فراہم کرے، اس لیے کہ جو خون حق کی خاطر بہے وہ رائیگاں نہیں جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہونے والا اس

کی زمین میں عدل قائم کرنے کی خاطر مرجانے والا کبھی نہیں مرتا۔ اور جو جانیں اللہ اور رسول ؐ کی نافرمانی کی بناء پر اور اس کا حق ادا نہ کرنے اور اس سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری نہ کرنے کی بناء پر تلف ہوں گی وہ بھی اس وجہ سے ہوں گی کہ انہوں نے اپنے طرز عمل اور اپنی بُری رُوِش سے خود ہی تحفظ کو پامال کردیا، جو اسلام نے ان کو عطا کیا تھا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۱۱۱ ج۱)۔

سرکشی اور بغاوت کے طور پر زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے (قتال) جنگ احادیث صحیحہ سے اور اجماع صحابہ رضؓ سے ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ نہ دینے پر اصرار کرنے والے عربوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ موقف اختیار کیا اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضؓ نے اس موقف کی تائید کی اور آپؓ کے ساتھ مانعین زکوٰۃ سے جنگ میں شریک ہوئے، یہاں تک کہ اس جنگ میں ان صحابہ کرام رضؓ نے بھی شرکت فرمائی جو ابتداءً جنگ کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے پوری طرح متفق نہیں تھے۔ (اور اس طرح اسلامی شریعت میں مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنا ایک اجتماعی صورت اختیار کرگیا۔ کیونکہ) جنگ کے موقف کی تائید میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے دلائل دیئے یہاں تک کہ تمام صحابہؓ کرام رضؓ نے آپؓ کی رائے سے اتفاق کرلیا اور اس طرح ان کے موقف پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہوگیا۔ (المجموع ص۳۳۴ ج۵)

حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کیوں کی؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنا غالباً اس لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ انسانی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی حکومت و ریاست معاشرے کے کمزور افراد اور فقراء اور مساکین کے حقوق انھیں دلانے کے لیے آمادہ جنگ ہوگئی، جبکہ تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے کہ سماج کے طاقتور طبقے کمزور طبقوں کو

کھاتے رہے اور حکام اور اُمراء نے کبھی غریبوں اور بے کسوں کی پشت پناہی نہیں کی بلکہ اکثر و بیشتر حکومتِ وقت نے دولت مند طبقہ کی حمایت کی ہے۔ (الا ماشاء اللہ) (فقہ الزکوٰۃ ص۱۱۵ ج۱)۔

اسلام اور مسئلۂ غربت کا حل

اسلام نے مسئلۂ غربت کا جو حل پیش کیا ہے اور جس طرح ضرورت مندوں اور کمزوروں کی کفالت کا نظام قائم کیا، اس کی آسمانی مذاہب میں یا انسانوں کے بنائے ہوئے مروّجہ قوانین میں کوئی نظیر نہیں ملتی اور اسلام نے اس سلسلے میں جو نظام تربیت و راہ نمائی دی ہے اور جو قوانین و تنظیمات فراہم کیئے ہیں اور جو ان قوانین کے نفاذ اور تطبیق (APPLCTIOMS) کے جو قواعد بتائے ہیں ان کی دنیا کے مذاہب و قوانین میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

اسلام نے غربت کے مسئلہ کو حل کرنے کی جانب جس قدر زیادہ توجہ دی اور جتنا زیادہ اس بات کا اہتمام کیا ہے اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ اسلام نے اپنے بالکل ابتدائی دور ہی میں جبکہ مسلمان محض چند گنتی کے مجبور و بے کس افراد تھے اور جو دعوتِ اسلام قبول کرنے کے جرم میں ہر قسم کے ظلم و ستم سہہ رہے تھے اور جن کا کوئی سیاسی وجود نہ تھا اور نہ انھیں کوئی اقتدار حاصل تھا، اسلام نے اس دور میں غریبوں کے مسئلے کی جانب پوری توجّہ کی اور قرآنِ کریم نے اس سلسلے میں بڑی اہم ہدایات دیں۔ کبھی قرآن کریم نے اس مسئلہ کا ذکر

طَعَامُ مِسْكِيْنٍ غریبوں کو کھانا کھلانا

کے الفاظ سے کیا اور اس پر مخاطبین کو آمادہ کیا، اور کبھی اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اُنفاق کی نصیحت کی اور کبھی سائل اور محروم کا حق ادا کرنے کا حکم فرمایا اور کبھی مسکین اور مسافر کا حق ادا کرنے کی تاکید کی اور کبھی "ایتاءِ زکوٰۃ" یعنی زکوٰۃ دینے کا عنوان اختیار کیا۔

غرض اس طرح مکی دور کے آغاز ہی سے قرآنِ کریم نے مسلمانوں کی روح میں یہ حقیقت جاگزیں کردی ہے کہ ہر انسان کے مال پر غریب اور محتاج کا لازمی حق ہے جسے بہر طور ادا کیا جانا چاہیے کیونکہ یہ محض نفلی صدقہ نہیں ہے کہ اگر چاہے ادا کرے اور چاہے نہ ادا کرے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۷۰ ج۱)۔

زکوٰۃ کے فوائد

(۱) آج پوری دنیا میں سوشلزم کی بات ہورہی ہے جس میں غریبوں کی فلاح و بہبود کا نعرہ لگا کر انھیں متموّل (مالدار) طبقہ کے خلاف اکسایا جاتا ہے۔ اس تحریک سے غریبوں کا بھلا کہاں تک ہوتا ہے؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے مگر یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امیر اور غریب کی یہ جنگ صرف اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متمول طبقہ کے ذمّہ پسماندہ طبقہ کے جو حقوق عائد کیے تھے اُن سے انھوں نے پہلوتہی کی، اگر پورے ملک کی دولت کا چالیسواں حصہ ضرورت مندوں میں تقسیم کردیا جائے اور یہ عمل ایک وقتی سی چیز نہ رہے بلکہ ایک مسلسل عمل کی شکل اختیار کرلے اور امیر طبقہ کسی ترغیب و تحریص اور کسی جبر و اکراہ کے بغیر ہمیشہ یہ فریضہ ادا کرتا رہے اور پھر اس رقم کی منصفانہ تقسیم مسلسل ہوتی رہے تو کچھ عرصہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ غربا کو امیروں سے شکایت ہی نہیں رہے گی اور امیر و غریب کی جس جنگ سے دنیا جہنم کدہ بنی ہوئی ہے وہ اس نظام کی بدولت راحت و سکون کی جنت بن جائے گی۔

میں صرف پاکستان کی ملّتِ اسلامیہ سے نہیں بلکہ دنیا بھر کے انسانوں اور معاشروں سے کہتا ہوں کہ وہ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کو نافذ کرکے اس کی برکات کا مشاہدہ کریں اور سرمایہ دار ملکوں کی جتنی دولت کمیونزم کا مقابلہ کرنے پر صرف ہورہی ہے وہ بھی اس مد میں شامل کرلیں۔

(۲) مال و دولت کی حیثیت انسانی معیشت میں وہی ہے جو خون کی بدن میں ہے۔ اگر خون کی گردش میں فتور آجائے تو انسانی زندگی کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے اور بعض اوقات دل کا دورہ پڑنے سے انسان کی اچانک موت واقع ہوجاتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح اگر دولت کی گردش منصفانہ نہ ہو تو معاشرہ کی زندگی خطرہ میں ہوتی ہے اور کسی وقت بھی حرکتِ قلب بند ہو جانے کا خوف طاری رہتا ہے۔

حق تعالیٰ نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور عادلانہ گردش کے لیے جہاں اور بہت سی تدبیریں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے ایک زکوٰۃ و صدقات کا نظام بھی ہے۔ اور جب تک یہ نظام صحیح طور پر نافذ نہ ہوا اور معاشرہ اس نظام کو پورے طور پر ہضم نہ کرلے تب تک نہ دولت کی منصفانہ گردش کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ معاشرہ اختلال زوال سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

(۳) پورے معاشرہ کو ایک اکائی تصور کیجئے، اور معاشرہ کو اس کے اعضائ سمجھیئے آپ جانتے ہیں کہ کسی حادثہ یا صدمہ سے کسی عضو میں خون جمع ہو کر منجمد ہو جائے تو وہ گل سڑ کر پھوڑے پھنسی کی شکل میں پیپ بن کر بہہ نکلتا ہے۔ اسی طرح جب معاشرہ کے اعضاء میں ضرورت سے زیادہ خون جمع ہو جاتا ہے وہ بھی سڑنے لگتا ہے۔ اور پھر کبھی تعیش پسندی اور فضول خرچی کی شکل میں نکلتا ہے، کبھی عدالتوں اور وکیلوں کے چکر میں ضائع ہوتا ہے، کبھی بیماریوں اور ہسپتالوں میں لگتا ہے، کبھی اونچی اونچی بلڈنگوں اور محلات کی تعمیرات میں برباد ہو جاتا ہے۔

قدرت نے زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ ان پھوڑے پھنسیوں کا علاج تجویز کیا ہے جو دولت کے انجماد کی بدولت معاشرے کے جسم پر نکل آتی ہیں۔

(۴) اپنے بنی نوع سے ہمدردی انسانیت کا عمدہ ترین وصف ہے جس شخص کا دل اپنے جیسے انسانوں کی بے چارگی، غربت و افلاس، بھوک، فقر و فاقہ اور تنگ دستی و زبوں حالی دیکھ کر نہیں پسیجتا، وہ انسان نہیں جانور ہے اور چونکہ ایسے موقعوں پر شیطان اور نفس، انسان کو انسانی ہمدردی میں اپنا کردار ادا کرنے سے باز رکھتے ہیں اس لیے بہت کم آدمی اس کا حوصلہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کمزور بندوں کی مدد کے لیے امیر لوگوں کے ذمہ یہ فریضہ عائد کر دیا تاکہ اس فریضہ خداوندی کے سامنے وہ کسی نادان دوست کے مشورے پر عمل نہ کریں۔

(۵) مال جہاں انسانی معیشت کی بنیاد ہے، وہاں انسانی اخلاق کے بنانے اور بگاڑنے میں بھی اس کو گہرا دخل ہے۔ بعض دفعہ مال کا نہ ہونا انسان کو غیر انسانی حرکت پر آمادہ کرتا ہے اور وہ معاشرہ کی ناانصافی کو دیکھ کر معاشرتی سکون کو غارت کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔ بعض اوقات وہ چوری، ڈکیتی، سٹہ اور جوا جیسی قبیح حرکات شروع کر دیتا ہے، کبھی غربت و افلاس کے ہاتھوں تنگ آکر وہ زندگی سے ہاتھ دھو لینے کا فیصلہ کر لیتا ہے، کبھی وہ پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے اپنی عزت و عصمت کو نیلام کرتا ہے اور کبھی فقر و فاقہ کا مداوا ڈھونڈھنے کے لیے اپنے دین و ایمان کا سودا کرتا ہے۔ اسی بنا پر ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ فقر و فاقہ آدمی کو قریب قریب کفر تک پہنچا دیتا ہے۔"

یہ تمام غیر انسانی حرکات معاشرہ میں فقر و فاقہ سے جنم لیتی ہیں اور بعض اوقات گھرانوں کے گھرانوں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ ان کا مداوا (حل) ڈھونڈھنا معاشرہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور صدقات و زکوٰۃ کے ذریعہ خالقِ کائنات نے ان برائیوں کا سدِّ باب بھی فرمایا ہے۔

(۶) اس کے برعکس بعض اخلاقی خرابیاں وہ ہیں جو مال و دولت کے افراط سے جنم لیتی ہیں، امیر زادوں کو جو جو چونچلے سوجھتے ہیں اور جس قسم کی غیر انسانی حرکات ان سے سرزد ہوتی ہیں انھیں بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ صدقات و زکوٰۃ کے ذریعے حق تعالیٰ نے مال و دولت سے پیدا ہونے والی اخلاقی برائیوں کا بھی انسداد فرمایا تاکہ ان لوگوں کو غرباء کی ضروریات کا بھی احساس رہے اور غرباء کی حالت ان کے لیے تازیانۂ عبرت بھی ہے۔

(۷) زکوٰۃ و صدقات کے نظام میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے وہ مصائب و آفات ٹل جاتی ہیں جو انسان پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اسی بناء پر بہت سی احادیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ صدقہ کے ذریعہ بلا دور ہوتی ہے اور انسان کی جان و مال آفات سے محفوظ رہتی ہیں۔

(۸) زکوٰۃ وصدقات کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے مال ودولت میں برکت ہوتی ہے اور زکوٰۃ وصدقات میں بخل کرنا آسمانی برکتوں کے دروازے بند کردیتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جو قوم زکوٰۃ روک لیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر قحط اور خشک سالی مسلّط کردیتا ہے اور آسمان سے بارش بند ہوجاتی ہے، طبرانی۔ حاکم۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل ص۳۳۶ ج ۳)۔

خُدائی فیصلہ انسان کی مادّی ضرورتوں کا اس کائنات کی مادّی چیزوں سے وابستہ ہونا ایک قدرتی چیز ہے اور یہ بھی حکمت خداوندی کا تقاضہ اور عالمِ تکوین کا اٹل فیصلہ ہے کہ مادّی اسباب و وسائل تمام انسانوں کو برابر تقسیم نہ کیے جائیں بلکہ ضروری ہے کہ کچھ لوگوں کو وسائلِ زندگی اور اسبابِ معاش اس قدر فراوانی سے دیے جائیں کہ ان کی ضروریاتِ زندگی سے بہت زیادہ ہوں، اور کچھ لوگوں کو اس میں سے اتنا کم حصّہ ملے کہ وہ اپنی روزانہ ضروریات بھی بآسانی پوری نہ کرسکیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ

(سورہ زخرف آیت ۳۲ پارہ ۲۵)۔

(ترجمہ) کہ ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے اسبابِ معاش ان کے درمیان تقسیم کردیئے ہیں اور بعض کو بعض پر بدرجہا فائق بنایا ہے کہ ان میں کا ایک دوسرے کو اپنا تابعدار بنالیتا ہے‘‘

اور دنیا کا نظم ونسق قائم رکھنے اور توازن برقرار رکھنے کے لیے یہ اونچ نیچ بالکل ضروری اور لابدی چیز ہے۔

لیکن خدا تعالیٰ نے یہ اونچ نیچ مقرر کرکے دونوں فریق کو ان کے حال پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ جہاں ایک طرف ہزاروں ’’تکوینی‘‘ مصلحتوں کے تحت یہ اونچ نیچ رکھی گئی ہے وہیں خدائے قیوم نے ’’تشریعی‘‘ طور پر یہ حکم بھی دیا ہے کہ:۔

فِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ الخ کہ ان کے مالوں میں حصّہ مقرر ہے

مانگنے والوں اور (وسائل معاش سے) محروم لوگوں کے لیے۔ (سورۃ المعارج آیت ۲۴ پارہ ۲۹)۔

یعنی مالداروں کے مالوں میں محروموں اور حاجت مندوں کا حصہ طے شدہ اور متعین ہے جو اُن کا حصہ نہیں دیتا وہ گویا غاصب ہے اور ناجائز طور پر اس پر قبضہ جمائے ہوئے ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف سے اشارۃً یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ جس وقت واجب ہوجاتی ہے، اسی وقت خدائی کھاتے میں خود بخود اس مال کا چالیسواں حصہ علیٰحدہ مستحق کے نام لکھدیا جاتا ہے، اب اس کا ادا نہ کرنا "مال کا نہ نکالنا" نہیں ہے بلکہ اس کے مقررہ حصہ کو اپنے مال میں دوبارہ "شامل کرنا" ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

"مَا خَالَطَتِ الزَّکوٰۃُ مَالاً قَطُّ اِلَّا اَھْلَکَتْہُ"

یعنی زکوٰۃ کا مال جس مال میں بھی شامل ہوگا اس کو ہلاک کرکے چھوڑے گا" (مشکوٰۃ ص ۱۵۷ ج ۱)۔

اور ایک حدیث میں زکوٰۃ کو مال کا میل قرار دیا گیا ہے کہ:۔

اِنَّ ھٰذِہِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا ھِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ"

(مشکوٰۃ ص ۱۶۱ ج ۱)۔

یعنی بلاشبہ یہ زکوٰۃ کا مال لوگوں (کے مال) کے میل کے سوا کچھ نہیں ہے چنانچہ اسی میل سے ان مالوں کو پاک صاف کرنے کے لیے ارشادِ خداوندی ہے کہ:۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا۔ ترجمہ:۔ ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے کر آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مالوں) کو پاک کردیجئے اور انھیں زکوٰۃ کے ذریعہ پاک باطن کردیجئے" (سورۃ توبہ آیت ۱۰۳۔ پارہ ۱۱)۔

ابوداؤد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے (کہ اس کے ذریعہ) تمہارے بقیہ مال کو پاک صاف

کردے۔" (مشکوٰۃ ص۱۵۶ ج۱)۔

زکوٰۃ مال کا میل ہے

جیسے گنّے کے رس کو پکا کر جب اس کا گڑ یا شکر بناتے ہیں تو کچھ دیر پکنے کے بعد اوپر جھاگ کی شکل میں کچھ میل آجاتا ہے جس کا نکالنا ضروری ہوتا ہے، اگر اس کو پورے رس سے علیٰحدہ نہ کیا جائے، پورا مال گندہ، خراب اور بدشکل تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح بقدرِ نصاب مال پر جب ایک سال کی مدت گذر جاتی ہے تو اس کا میل نکل کر اوپر آجاتا ہے جس کی خبر چشمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ کرکے ہمیں دیدی ہے، اگر اس میل کو جو چھٹ کر خود بخود علیٰحدہ ہو چکا ہے، دوبارہ اس میں شامل کردیا جائے تو پورا مال خراب ہوجاتا ہے اور جس طرح صاف اور عمدہ مال کی مارکیٹ میں وہ گندہ اور میلا گڑ شکر نہیں چل سکتا، اسی طرح یہ مال اس صاحب ثروت (مالدار) آدمی کے اچھے کاموں میں خرچ نہ ہوگا بلکہ طرح طرح کی ناگہانی اور غیر متوقع آفتوں میں خرچ ہوکر ضائع وتباہ ہوگا، جس کا اشارہ اوپر والی حدیث میں بھی ہے، اور بھی متعدد احادیث اس ہی قسم کی ہیں۔ (الترغیب والترہیب ص۱۲۵ ج۲۔ کتاب الصدقات)

شریعت کا اگر صرف نظامِ زکوٰۃ ہی مکمل طور پر قائم ہوجائے تو دنیا کی آدھی سے زیادہ مصیبتیں وپریشانیاں خود بخود دور ہوجائیں۔ مالدار جب غریب کے پاس رقم (زکوٰۃ وصدقات وغیرہ) لے کر پہونچتا ہے اور چپکے سے اس کے حوالہ کردیتا ہے تو اس غریب کے دل میں جو اس کے مال سے بغض وحسد کی چنگاری سلگی رہتی ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھ جاتی ہے اور خود یہ مالدار جب غریبوں سے قریب ہوتا ہے اور ان کی پریشانیاں اور مشکلات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کے اندر اپنی خوش حالی پر خدا تعالیٰ کے لیے جذبۂ تشکّر پیدا ہوتا ہے اور وہ مال کی قدر کو پہچانتا ہے۔ (الترغیب ص۱۲۹ ج۲)۔

عالمِ برزخ میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کا انجام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں دیکھا آپؐ

نے فرمایا ایک قوم پر گذر ہوا کہ ان کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ مواشی کی طرح چر رہے تھے اور رقوم اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ (نشر الطیب ص۵۱)۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے جو سزائیں خدا تعالیٰ نے آخرت میں تجویز فرمائی ہیں وہ تو الگ ہیں۔ یہ عذاب تو حشر ہی سے شروع ہو جائے گا جس طرح بعض سنگین مجرموں پر مقدمہ فیصل ہونے سے پہلے ہی کچھ سختیاں حوالات ہی سے ہونے لگتی ہیں اور عدالت میں بھی ان کو ذلّت و رسوائی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خدا کے ان باغی مجرموں کے ساتھ بھی حشر میں ایسا ہی ہو گا (ترغیب ص۱۸۲ ج۲)۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:۔ (۱) اس کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) بیت اللہ کا حج کرنا۔ (۵) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ (بخاری و مسلم ص۳۲ ج۱)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی اس نے اس کے شر کو دُور کر دیا۔ (کنز العمال مجمع الزوائد ص۶۳ ج۳)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تم پر جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی اس سے تم سبک دوش ہو گئے۔ (ترمذی ص۷۸ ج۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ کرو، اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو، اور مصائب کے طوفان کا دعا و تضرّع سے مقابلہ کرو۔ (ابوداؤد)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، قیامت میں اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا اور اس کی گردن سے لپٹ کر گلے کا طوق بن جائے گا۔ (نسائی ص۳۳۳)۔

جس شخص کو اللہ جل شانہٗ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ سانپ بن کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور وہ کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔

سانپ جس گھر میں بھی نکل آتا ہے، دہشت کی وجہ سے اندھیرے میں اس گھر میں جانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کہیں لپٹ نہ جائے، لیکن اللہ پاک کا پاک رسول ﷺ فرماتا ہے کہ یہی مال جس کو آج محفوظ خزانوں میں اور لوہے کی الماریوں میں رکھا جاتا ہے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر کل کو سانپ بن کر تمہیں لپٹا دیا جائے گا۔

گھر کے سانپ کا لپٹنا ضروری نہیں ہوتا، محض احتمال ہے کہ شاید وہ لپٹ جائے اور اس احتمال پر بار بار فکر و خوف ہوتا ہے کہ کہیں ادھر سے نہ نکل آئے اُدھر سے نہ نکل آئے۔ اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر اس کا عذاب یقینی ہے پھر بھی اس کا خوف ہم کو نہیں ہوتا۔ (فضائلِ صدقات ص۲۴ ج ۱)۔

زکوٰۃ نہ دینے پر دنیوی عذاب

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی قوم زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور اپنے اپنے مالوں کی زکوٰۃ دینا چھوڑ دیں گے تو ضرور آسمان سے بارشیں روک دی جائیں گی، حتیٰ کہ اگر چوپائے نہ ہوں تو ایک قطرہ نہ برسے (ترغیب ص۱۹ ج ۲۔ وفقہ الزکوٰۃ ص۱۰۷ ج ۱)۔

قحط کی وبا ہم لوگوں پر ایسی مسلط ہو رہی ہے کہ اس کی حد نہیں ہزاروں تدبیریں اس کے زائل کرنے کے واسطے کی جاتی ہیں لیکن کوئی بھی کارگر نہیں ہو رہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی وبال کسی گناہ پر اتار دیں تو دنیا میں کسی کی کیا

طاقت کہ اس کو ہٹا سکے، وہ تو اس کے ہی ہٹانے سے ہٹ سکتی ہے۔ اس نے مرض بتلا دیا ہے اور اس کا صحیح علاج بتا دیا۔ اگر مرض کو زائل کرنا مقصود ہو تو صحیح علاج (قرآن وحدیث کی روشنی میں) اختیار کیجئے گا۔ (فضائل صدقات ص۲۵۲ ج ۱)۔

"جس مال کی زکوٰۃ باقی رہ جاتی ہے وہ اس مال کو خراب کر دیتی ہے"

حدیث مذکورہ بالا کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ جس مال کی زکوٰۃ اسی مال میں باقی رہ گئی ہو اور ادا نہ ہوئی ہو تو وہ زکوٰۃ اسی مال کے ضیاع اور خرابی کا باعث بن جاتی ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو خود مالدار ہو اگر وہ زکوٰۃ لے لے اور اسے اپنے مال میں شامل کرلے تو اس کا سارا مال ضائع ہو جاتا ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۱۰ ج ۱ بحوالہ نیل الاوطار ص۱۲۶ ج ۴)۔

مسلمان کے لیئے زکوٰۃ انشورنس ہے

زکوٰۃ مسلمانوں کی آپریٹو سوسائٹی ہے، یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے، یہ ان کے لیے بے کاروں کا سرمایۂ اعانت ہے، یہ ان کے معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں کا ذریعۂ پرورش ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ (زکوٰۃ) وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکرِ فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا سیدھا سادا اصول یہ ہے کہ آج تم مالدار ہو تو دوسروں کی مدد کرو، کل تم نادار ہو گئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے۔ تم کو یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا؟ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہوگا؟ کوئی آفاتِ ناگہانی آپڑی، بیمار ہو گئے، گھر میں آگ لگ گئی، سیلاب آگیا، دیوالہ نکل گیا تو ان مصیبتوں سے مخلصی کی کیا سبیل ہو گی؟ سفر میں پیسہ نہ رہا تو کیونکر گذر بسر ہو گی؟ ان سب فکروں سے صرف زکوٰۃ تم کو ہمیشہ کے لیے بے فکر کر دیتی ہے، تمہارا کام بس اتنا ہے کہ اپنی پس انداز کی ہوئی دولت میں سے ڈھائی فی صد دے کر اللہ کی انشورنس کمپنی میں اپنا بیمہ کرالو، اس وقت تم کو اس دولت کی ضرورت نہیں ہے، یہ ان کے کام آئے گی جو اس کے ضرورت مند ہیں. کل

جب تم ضرورت مند ہوگے یا تمہاری اولاد یا بیوی ضرورت مند ہوگی تو نہ صرف تمہارا اپنا دیا ہوا مال بلکہ اس سے بھی زیادہ تم کو واپس مل جائے گا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۱۳۷ ج۲)

سرمایہ داری اور زکوٰۃ

سرمایہ داری اور اسلام کے اصول و نتائج میں کُھلی تضاد نظر آتا ہے کہ سرمایہ داری کا تقاضہ یہ ہے کہ روپیہ جمع کیا جائے اور اس کو بڑھانے کے لیے سُود لیا جائے تاکہ ان نالیوں کے ذریعہ آس پاس کے لوگوں کا روپیہ سمیٹ کر اس جھیل میں جمع کیا جائے۔ اسلام اس کے بالکل خلاف یہ حکم دیتا ہے کہ روپیہ اول تو بالکل جمع ہی نہ ہو، اور اگر جمع ہو بھی جائے تو اس تالاب میں سے زکوٰۃ کی نہریں نکال دی جائیں تاکہ جو کھیت سوکھے ہیں ان کو پانی پہونچے اور گرد و پیش کی ساری زمین شاداب ہو جائے۔ سرمایہ داری کے نظام میں دولت کا مبادلہ مقید ہے اور اسلام میں آزاد، سرمایہ داری کے تالاب سے پانی لینے کے لیے ناگزیر ہے کہ خاص آپ کا پانی پہلے سے وہاں موجود ہو، ورنہ آپ ایک قطرۂ آب (پانی) بھی نہیں لے سکتے۔

اس کے مقابلے میں اسلام کے خزانۂ آب کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی (مال) ہو وہ اس میں لاکر (زکوٰۃ) ڈال دے، اور جس کو پانی (مال) کی ضرورت ہو وہ اس سے لے لے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں طریقے اپنی اصلی طبیعت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی پوری ضد ہیں اور ایک ہی منظم معیشت میں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۱۴۱ ج۲)

کیا زکوٰۃ اسلامی ٹیکس ہے؟

زکوٰۃ ٹیکس نہیں ہے بلکہ ایک اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ بعض لوگوں کے ذہن میں زکوٰۃ کا ایک نہایت گھٹیا تصور ہے کہ وہ اس کو حکومت کا ٹیکس سمجھتے ہیں جس طرح کہ تمام حکومتوں میں مختلف قسم کے ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں، حالانکہ زکوٰۃ کسی حکومت کا عائد کردہ ٹیکس نہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کی ضروریات کے لیے اس کو عائد کیا ہے بلکہ حدیث میں صاف طور پر ارشاد ہے کہ "زکوٰۃ مسلمانوں

کے متموّل (مالدار) طبقہ سے لے کر ان کے تنگدست طبقہ کو لوٹا دی جائے۔

اسی طرح یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ زکوٰۃ دینے والے فقراء و مساکین پر کوئی احسان کرتے ہیں، ہرگز نہیں بلکہ خود فقراء و مساکین کا مالداروں پر احسان ہے کہ ان کے ذریعے سے ان لوگوں کی رقم خدائی بینک میں جمع ہو رہی ہے، اگر آپ کسی کو بینک میں جمع کرانے کے لیے کوئی رقم سپرد کرتے ہیں تو کیا آپ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ اگر یہ احسان نہیں تو فقراء کو زکوٰۃ دینا بھی ان پر احسان نہیں۔

پہلی اُمتوں میں جو مال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانہ کے طور پر پیش کیا جاتا تھا اس کا استعمال کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں تھا بلکہ وہ "سوختنی قربانی کہلاتی تھی" اس کو قربان گاہ میں رکھ دیا جاتا تھا، اب اگر آسمان سے آگ آکر اُسے راکھ کر جاتی تو یہ قربانی کے قبول ہونے کی علامت تھی۔ اور اگر وہ چیز اسی طرح پڑی رہتی تو اس کے مردود ہونے کی علامت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ خاص عنایت فرمائی ہے کہ اُمراء کو حکم دیا گیا کہ وہ جو چیز حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنا چاہیں اس کو ان کے فلاں فلاں بندوں (فقراء و مساکین) کے حوالے کر دیں۔ اس عظیم الشان رحمت کے ذریعے ایک طرف فقراء کی حاجت کا انتظام کر دیا گیا، دوسری طرف اس امتِ مرحومہ کے لوگوں کو رُسوائی اور ذلت سے بچا لیا گیا ہے، اب خدا ہی جانتا ہے کہ کون پاک مال سے صدقہ کرتا ہے اور کون ناپاک مال سے؟ کون ایسا ہے جو محض رضاءِ الٰہی کے لیے دیتا ہے اور کون نام و نمود اور شہرت و ریا کے لیے۔ الغرض زکوٰۃ ٹیکس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے قرضِ حَسَنہ فرمایا ہے:۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ۰ (پارہ ۲ع۳۲ سورہ بقرہ)۔

یہاں صدقات کو قرضِ حسَن سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح قرض واجب الاداء ہے اسی طرح صدقہ کرنے والے کو مطمئن رہنا چاہیے کہ ان کا یہ صدقہ ہزاروں برکتوں اور سعادتوں کے ساتھ انھیں واپس کر دیا جائے گا۔

یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کو کسی چیز کی احتیاج ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صدقہ فقیر کے ہاتھوں میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہونچ جاتا ہے اور فقیر گویا اس دینے والے سے وصول نہیں کر رہا ہے بلکہ یہ اُسی کی طرف سے دیا جا رہا ہے جو سب کا داتا ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۳۸ ج ۳)۔

اسلامی ٹیکس (زکوٰۃ) میں یہ فرق ہے کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں میں خرچ کرتی ہے اور اسلام ٹیکس (زکوٰۃ) کی رقمیں غربار، مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے۔ اسلام نے اس رقم کو خرچ کرنے کے لیے آٹھ حلقے بنائے ہیں (حقیقت الزکوٰۃ ص ۵)۔

زکوٰۃ اور ٹیکس کا بنیادی فرق

مسئلہ:۔ ٹیکس کی ادائیگی کو زکوٰۃ کے لیے کافی سمجھ لینا یا زکوٰۃ کی کچھ رقم کا بطور ٹیکس ادا کر دینا نہ درست ہے اور نہ کافی۔ زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان بڑا بنیادی اور جوہری فرق ہے۔ زکوٰۃ ایک عبادت ہے، اسی لیے اس میں نیت اور ارادہ ضروری ہے۔ اخلاص خداوندی مطلوب ہے۔ اس کے لیے متعین مصارف ہیں، انہی پر اُن کو خرچ کیا جا سکتا ہے۔ غیر مسلموں اور عام رفاہی کاموں میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (زکوٰۃ جن کو دی جائے وہ مستحق بھی ہوں اور مالک بننے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں) اس کی ایک مقدار اور تناسب معین ہے، واجب ہونے کے لیے دولت کی ایک حد مقرر ہے پھر اس کی ادائیگی کے لیے ایک سال کی مدت ہے، بعض خصوصی اموال ہی ہیں جن میں واجب ہوتی ہے، ہر مال پر واجب نہیں ہوتی۔ یہ سارے احکام قرآن وسنت سے ثابت ہیں، اس میں اُدنیٰ تبدیلی اور تغیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے برخلاف ٹیکس عبادت نہیں ہے بلکہ حکومت کی اعانت یا اس سے پہونچنے والے فائدہ کا معاوضہ ہے، نہ اس کے لیے کوئی متعین تناسب اور مقدار ہے نہ کسی مال کی تعیین ہے، نہ اس کے لیے نیت وارادہ کا کوئی سوال ہے، نہ

اس کے مصارف وہ ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور نہ اس کے لیے وہ مناسب حدیں ہیں جو شریعت زکوٰۃ کے لیے متعین کرتی ہے بلکہ بسا اوقات یہ ظلم کی سطح تک پہونچ جاتا ہے۔ (جدید فقہی مسائل ص۱۲۵)

زکوٰۃ کا ایک نمایاں فرق

سب سے پہلا فرق زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان ان کے ناموں سے نمایاں ہے کہ زکوٰۃ کے معنی پاکی، نشوونما اور برکت کے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ نے مال کے اس حصہ کو جو زکوٰۃ دہندہ فقیر کو دیتا ہے زکوٰۃ کہا ہے۔ اس سے زکوٰۃ دہندہ کے نفس میں یہ تأثر پیدا کرتا ہے کہ اس کا یہ عمل سراسر خیر و برکت کا حامل اور اس کے مال کو نشوونما دینے والا اور اس کو پاک کردینے والا ہے۔

جب کہ ٹیکس (ضریبہ) کا لفظ محض جبر و الزام کا مفہوم ادا کرتا ہے یعنی یہ ایک تاوان ہے جو زبردستی اور بالجبر مالدار شخص پر لاد دیا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ لوگ ٹیکس کو ایک بے حد ناگوار بوجھ اور ان کے مال پر پڑ جانے والا ڈنڈ سمجھتے ہیں۔

زکوٰۃ کا لفظ اپنے پاکیزگی، برکت اور نشوونما کے مفاہیم کے ساتھ اس امر کی بھی نشاں دہی کرتا ہے کہ صاحب مال جس مال کو اللہ کا حق ادا کیے بغیر جمع کرتا ہے وہ ناپاک و نجس رہتا ہے اور زکوٰۃ ہی ہے جو اس مال کو پاک کرتی ہے اور صاحب مال کو بخل اور حرص سے پاک کرتی ہے۔ زکوٰۃ کا لفظ بتلاتا ہے کہ جو مال بظاہر ادلے زکوٰۃ سے کم ہوتا نظر آتا ہے درحقیقت وہ نشوونما پا رہا ہے اور اس میں افزودگی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۂ بقرہ پ۳ میں :۔

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ، (مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو)۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۵۹۹ ج۲)۔

کیا زکوٰۃ کی وصولیابی حکومت پر ہے؟

رہا یہ سوال کہ جب زکوٰۃ ٹیکس نہیں بلکہ خالص عبادت ہے تو حکومت کو اس کا انتظام کیوں سپرد کیا جائے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے

کو اسلام پورے معاشرے کو ایک اکائی قرار دے کر اس کا نظم ونسق اسلامی حکومت کے سپرد کرتا ہے۔ اس لیے وہ فقراء ومساکین جو اسلامی معاشرے کا جزو ہیں، ان کی ضروریات کا تکفل بھی اسلامی معاشرے کی قوتِ مقتدرہ کے سپرد کرتا ہے اور اس کفالت کے لیے اس نے صدقات وزکوٰۃ کا نظام رائج فرمایا ہے جو فقراء ومساکین کی کفالت کی سب سے بڑی ذمہ داری حکومت پر عائد کی گئی ہے۔ اس لیے اس مد کے لیے مخصوص رقم کا بندوبست بھی حکومت کا فریضہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حکومت کی جانب سے صدقات کی وصولی وانتظام پر مقرر ہوں، حدیث شریف میں ان کو "غازی فی سبیل اللہ" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) جس میں ایک طرف ان کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور دوسری طرف نازک ذمہ داری کا بھی انھیں احساس دلایا گیا ہے۔ یعنی اگر وہ اس فریضہ کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھ کر اداکریں گے تب اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں گے اور اگر انہوں نے اس مال میں ایک پیسہ کی بھی خیانت روا رکھی تو انھیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خدائی مال میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں جو اُن کے لیے آتشِ دوزخ کا سامان ہے چنانچہ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ "جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا اور اس کے لیے وظیفہ بھی مقرر کردیا، اس کے بعد اگر وہ اس مال سے کچھ لے گا تو وہ غنیمت میں خیانت کرنے والا ہوگا۔" (ابوداؤد)۔ (آپ کے مسائل ص۳۳۹ ج۳)

کیا سرکاری ٹیکس زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتا ہے؟

سوال: سرکار تجارت کے منافع اور مکانات کے کرایہ پر ٹیکس لیتی ہے۔ کیا یہ زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتا ہے؟

جواب: ٹیکس میں جو روپیہ دیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا، زکوٰۃ علیحدہ اداکرنی چاہیے (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۷ ج۶۔ بحوالہ شامی باب الزکوٰۃ الغنم ص۳۶ ج۲)

کیا انکم ٹیکس اداکرنے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

مسئلہ: انکم ٹیکس ملک کی ضروریات

کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے۔ جبکہ زکوٰۃ ایک مسلمان کے لیے فریضۂ خداوندی اور عبادت ہے۔ انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بلکہ زکوٰۃ الگ ادا کرنا فرض ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۷ ج۳)۔

حاکمِ وقت اور زکوٰۃ

مسئلہ:- اگر حاکمِ وقت کوئی مسلمان عادل ہے تو اس کو ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ لینے کا حق حاصل ہے وہ تمام لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین پر صرف کرے گا۔

مسئلہ:- اگر حاکمِ وقت کوئی ظالم یا غیر مسلم ہو تو اس کو زکوٰۃ لینے کا کچھ حق نہیں ہے اور اگر وہ جبراً لے لے تو دیکھنا چاہیے کہ اس نے اس مال کو مستحقین پر خرچ کیا یا نہیں؟ اگر مستحقین پر صرف کیا ہے تو خیر، ورنہ ان لوگوں کو چاہیے کہ پھر دوبارہ زکوٰۃ نکالیں اور بطورِ خود مستحقین پر تقسیم کریں۔

مسئلہ:- اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو حاکمِ وقت کو چاہیے کہ اس کو قید کر دے اور اس سے زکوٰۃ طلب کرے، جبراً اس کے مال کو قرق نہ کرنا چاہیے، کیونکہ زکوٰۃ کے صحیح ہونے میں نیت شرط ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب اس کا مال جبراً لیا جائے گا تو وہ نیتِ زکوٰۃ نہ کرے گا۔ (علم الفقہ ص۳۱ ج۴)۔

اَموالِ ظاہرہ و باطنہ کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:- حکومت صرف اَموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرے گی۔ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ ہر شخص اپنی صوابدید کے مطابق ادا کر سکتا ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۱ ج۳)

(کارخانوں اور ملوں میں تیار ہونے والا مال، تجارت کا مال اور بینک میں جمع شدہ سرمایہ اَموالِ ظاہرہ ہیں اور جو سونا چاندی، نقدی گھروں میں رہتی ہے ان کو اَموالِ باطنہ کہا جاتا ہے (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:- اب وہ زمانہ ہے کہ مسلمان کو خود اس کا انتظام کرنا چاہیے کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ خود قواعدِ شرعیہ کے لحاظ سے نکالے اور خود اپنے طور پر مستحقین پر صرف کرے اور خود ہی اپنے صندوقچہ (صیف وغیرہ) کو زکوٰۃ کا بیت المال بنائے یعنی زکوٰۃ کا سال جس وقت ختم ہو

یا عشر جس وقت واجب ہو تو فوراً اگر مستحقین دستیاب ہو جائیں تو اسی وقت تقسیم کردے ورنہ اس کو صندوقچہ میں علٰحدہ جمع رکھے جس وقت مستحقین ملتے جائیں اس مال کو صرف کرتا رہے، اس زمانہ میں جو لوگ مستعدی سے قواعدِ شریعت تا دستہ پر عمل کرتے ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں بصراحت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے (آمین) (علم الفقہ صـ۴۱ ج ۴)۔

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطیں

(۱) مسلمان ہونا، کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں (خواہ وہ پہلے سے مسلمان ہو یا مرتد ہونے کے بعد اسلام لایا ہو۔ اگر مرتد (اسلام سے نکلا ہوا) مسلمان ہو جائے تو اس پر ارتداد کے زمانے کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ مسلمان ہونا جس طرح زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرط ہے اسی طرح صحتِ ادائیگی کی بھی شرط ہے، کیونکہ زکوٰۃ بغیر نیت کے درست نہیں اور کافر کا نیت کرنا ہی درست نہیں ہے)۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ صـ۹۶ ج۱)

(۲) بالغ ہونا، نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۳) عاقل ہونا، مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ نہ اس شخص پر جس کے دماغ میں کوئی مرض پیدا ہو گیا ہو اور اس سبب سے اس کی عقل میں فتور آ گیا ہو۔ ہاں اس قدر تفصیل ہے کہ جنون غیر اصلی (جنون اگر بالغ ہونے سے پہلے عارض ہوا ہو تو اصلی ہے ورنہ غیر اصلی) اور یہ نقصانِ عقل اگر پورے سال بھر رہے گا تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ اور اگر پورے سال بھر نہ رہے تو لغو سمجھا جائے گا اور زکوٰۃ فرض ہوگی۔ البتہ اگر جنون اصلی ہے تو اس کا ہر حال میں اعتبار ہوگا، سال بھر نہ رہے تب بھی زکوٰۃ فرض نہ ہوگی مثلاً کسی کو سال بھر میں دو ایک مرتبہ جنون ہو جائے تو اس سال کی زکوٰۃ اس پر فرض نہ ہوگی بلکہ جس وقت سے اس کا جنون زائل ہوا ہے اسی وقت سے اس کے سال کی ابتدار سمجھی جائے گی۔ (ردالمحتار)

(۴) زکوٰۃ کی فرضیت سے واقف ہونا یا دارالاسلام میں ہونا، جو شخص زکوٰۃ کی فرضیت سے ناواقف ہو اور دارالاسلام میں بھی نہ رہتا ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۵) آزاد ہونا، غلام پر گو وہ مکاتب (یعنی وہ غلام جس کو اس کے آقا نے اس شرط پر آزاد کر دیا ہو کہ وہ اس قدر روپیہ کما کر اس کو دے دے جب تک وہ روپیہ اس قدر کما کر نہ دے، غلام رہتا ہے اور دینے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے) یا ماذون ہو زکوٰۃ فرض نہیں۔ ماذون وہ غلام جس کو اس کے آقا نے اجازت دی ہو کہ وہ کمائی کرے اور اپنے آقا مالک کو لا کر دے)۔ (علم الفقہ صلا۱۶ ج ۴)۔

(۶) ایسی چیز کے نصاب کا مالک ہونا جو ایک سال تک قائم رہتی ہو، جو چیز ایک سال تک قائم (باقی) نہ رہتی ہو جیسے ککڑی، کھیرا، خربوزہ، تربوز، اور باقی ترکاریاں وغیرہ ان پر زکوٰۃ فرض نہیں (بلکہ عشر ہے)

(۷) اس مال پر ایک سال کامل کا گذر جانا، بغیر ایک سال کے گذرے ہوئے زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۸) سال کے شروع اور آخر میں نصاب کا پورا ہونا چاہیئے، چاہے سال کے درمیان میں کم ہو جائے، ہاں اگر سال کے شروع یا آخر میں نصاب کم ہو جائے تو پھر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی

(۹) اس مال کا ایسے قرض سے محفوظ ہونا جس کا مطالبہ بندوں کی طرف ہو سکتا ہے خواہ وہ اللہ جل شانہٗ کا قرض ہو جیسے زکوٰۃ، عشر، خراج (گذشتہ سالوں کی) وغیرہ کہ حق اللہ تو ہیں مگر ان کا مطالبہ امام وقت کی طرف سے ہو سکتا ہے، یا وہ قرض بندوں کا ہو، بیوی کا مہر بھی اسی قرض میں داخل ہے اگرچہ مہر مؤجل ہو، (وہ مہر جو فوری طور پر واجب الادا نہیں ہوتا)۔ جو مال اس قسم کے قرض میں مستغرق ہو یا اس قدر قرض ہو کہ اس کے ادا کرنے کے بعد نصاب پورا نہ رہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، ہاں اگر ایسا قرض ہو کہ جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہیں ہو سکتا مثلاً کسی پر کفّارہ (رمضان المبارک کے روزہ کو جان بوجھ کر توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے) واجب ہو یا حج، تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، سال کے درمیان میں اگر قرض ہو جائے تو سمجھا جائے گا کہ وہ مال فنا ہو گیا، یہاں تک کہ اگر قرض خواہ اس قرض کو معاف کر دے تب بھی زکوٰۃ نہ دینا پڑے گی، بلکہ جس وقت اس نے معاف کیا ہے اس وقت سے اس مال کے سال کی ابتدا رکھی جائے گی۔

اگر کسی کے پاس کئی قسم کے مالوں کا نصاب ہو، اور اس پر قرض ہو تو اس کو چاہیے کہ قرض کو ایسی چیز کی طرف راجع کرے جس کی زکوٰۃ کم ہو اور اس کی زکوٰۃ نہ دے مثلاً کسی کے پاس چاندی کا ایک نصاب ہو اور بکری کا بھی ایک ہو تو اس کو چاہیے کہ قرض کو چاندی کے نصاب کی طرف راجع کرے۔ کیونکہ چاندی کے ایک نصاب کی زکوٰۃ بہ سبب اس کے کہ چاندی کے ایک نصاب کی زکوٰۃ ہے، بکری کے ایک نصاب کی زکوٰۃ سے بہت کم ہوتی ہے ہاں اگر وہ قرض اس قدر زیادہ ہو کہ ایک چیز کا نصاب اس کے لیے کافی نہ ہو تو پھر جتنے نصابوں میں اس کی ادائیگی ممکن ہو اسی قدر نصابوں کی طرف راجع کیا جائیگا اور ان کی زکوٰۃ نہ دی جائے گی۔ (علم الفقہ ص۱۸ ج۴)

(۱۰) وہ مال اپنی اصلی ضرورتوں سے زائد ہو جو مال اپنی اصلی ضرورتوں کے لیے ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، پس پہننے کے کپڑوں اور رہنے کے گھر پر اور خدمت کے غلاموں پر، اور سواری کے گھوڑوں پر اور خانہ داری کے اسباب پر زکوٰۃ فرض نہیں اور اسی طرح ان کتابوں پر جو تجارت کی نہ ہوں، خواہ کسی اہل علم کے پاس ہوں یا کسی جاہل کے پاس ہوں۔ اور اسی طرح پیشہ وروں کے اوزار اسباب پر زکوٰۃ فرض نہیں، خواہ وہ اوزار اس قسم کے ہوں کہ ان سے نفع لیا جائے اور باقی رہیں جیسے کلہاڑی، بسولی وغیرہ۔ اور اسی طرح وہ روپیہ جو اپنی اصلی ضرورتوں کے لیے رکھا ہو، اس پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں، بشرطیکہ وہ ضرورت اسی سال میں درپیش ہو اور اگر وہ ضرورت سالِ آئندہ میں پیش آنے والی ہو بالفعل نہ ہو (فی الحال سال کے اندر نہ ہو) تو پھر اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی (ردالمحتار)

(۱۱) مال کا اپنے یا اپنے وکیل کے قبضے میں ہونا، جو مال ملک اور قبضے میں نہ ہو یا ملک میں ہو قبضے میں نہ ہو، یا قبضے ہو، ملک میں نہ ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ پس مکاتب کے کمائے ہوئے مال میں زکوٰۃ نہیں، نہ اس پر نہ اس کے مولیٰ پر اس لیے کہ وہ مال مکاتب کی ملک میں نہیں گو قبضے میں ہے اور مولیٰ کے قبضے میں نہیں گو ملک میں ہے اور اسی طرح ماذون کی کمائی میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں۔ اور رہن کی ہوئی چیز پر بھی زکوٰۃ

فرض نہیں، نہ رہن رکھنے والے پر اور نہ رہن کرنے والے پر؛ اس لیے کہ رہن رکھنے والا اس کا مالک نہیں، گو اس پر قابض ہے۔ اور رہن کرنے والا اس پر قابض نہیں گو اس کا مالک ہے۔

اسی طرح جو مال ایک مدت تک کھویا رہا، بعد اس کے مل گیا تو جس زمانہ تک کھویا رہا اس زمانہ کی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اس وقت تک قبضے میں نہ تھا، اسی طرح جو مال دریا میں گر جائے اور کچھ زمانہ کے بعد نکل آئے یعنی مل جائے تو جس زمانہ تک گرا رہا، اس زمانہ کی زکوٰۃ فرض نہیں، اسی طرح جو مال کسی جنگل میں دفن کر دیا گیا ہو اور اس کا مقام یاد نہ ہو اور کچھ زمانہ کے بعد یاد آ جائے تو جتنے زمانہ تک بھولا رہا اس کی زکوٰۃ فرض نہیں، ہاں اگر کسی مکان میں دفن کیا گیا ہو اور اس کا مقام یاد نہ رہے اور پھر یاد آ جائے تو جس زمانہ میں بھولا رہا اس کی زکوٰۃ فرض ہوگی کیونکہ وہ قبضے سے باہر نہیں ہوا۔ اسی طرح جو مال کسی کے پاس امانت رکھا گیا ہو اور بھول جائے کہ کس کے پاس رکھا تھا اور پھر یاد آ جائے تو جس زمانہ تک بھولا رہا اس کی زکوٰۃ فرض نہ ہوگی، بشرطیکہ وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی اجنبی ہو، اگر کسی جانے ہوئے آدمی کے پاس امانت رکھی جائے اور یاد نہ رہے تو اس بھولے ہوئے زمانہ کی زکوٰۃ بھی فرض ہوگی، اسی طرح اگر کسی کو کچھ قرض دیا جائے اور قرض دار انکار کر جائے اور کوئی تحریر یا گواہی اس کی نہ ہو خواہ قرض دار مالدار ہو یا مفلس، پھر چند روز کے بعد وہ لوگوں کے سامنے یا قاضی کے روبرو اقرار کرلے تو اس انکار کے زمانہ کی زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

اسی طرح جو مال کسی سے ظلماً چھین لیا جائے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ اس کو مل جائے تو جس زمانہ تک وہ اس کو نہیں ملا، اس زمانہ کی زکوٰۃ اس پر فرض نہیں ہوگی حاصل یہ کہ جب مال قبضہ یا مِلک سے نکل جائے تو زکوٰۃ فرض نہ رہے گی۔ زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے قبضہ اور مِلک دونوں کا ہونا شرط ہے۔

(۱۲) مال میں ان تین وصفوں میں سے ایک وصف کا پایا جانا (۱) نقدیت (۲) سوم (چرنے والی)۔ (۳) نیتِ تجارت۔ سونے اور چاندی میں نقدیت پائی جاتی ہے، لہٰذا ان میں بہر حال زکوٰۃ فرض ہوگی، خواہ نیت تجارت کی ہو یا نہ ہو اور خواہ سونا چاندی

مسکوک ہو یا غیر مسکوک، خواہ اس کے زیور یا برتن بنائے گئے ہوں، مال میں اگر تجارت کی نیت کی جائے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں، خواہ مال کتنا ہی قیمتی ہو اور از قسم جواہر ہی کیوں نہ ہو۔ تجارت کی نیت مال کے خریدتے وقت ہونا چاہیے۔ اگر بعد خریدنے کے نیت کی جائے وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے تاوقتیکہ اس کی تجارت شروع نہ کردی جائے اگر کوئی مال تجارت کے لیے خریدا گیا ہو اور خریدنے کے بعد یہ نیت نہ رہے تو وہ مال تجارتی نہ رہے گا اور اس پر زکوٰۃ فرض نہ رہے گی پھر اس کے بعد اگر نیت کی جائے تو وہ قابلِ اعتبار نہ ہوگی جب تک کہ اس کی تجارت نہ کردی جائے۔

(۱۳) اس مال میں کوئی دوسرا حق مثلاً عشر یا خراج کے واجب نہ ہو۔ اگر عشر یا خراج اس مال پر ہوگا تو پھر اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی، کیونکہ دو حق ایک مال پر فرض نہیں ہوتے (علم الفقہ صـ۲۱ ج ۴)۔

ادائیگی زکوٰۃ کی شرطیں

(۱) مسلمان ہونا۔ کافر کا زکوٰۃ دینا صحیح نہیں، اگر کوئی کافر اپنے مال کی کئی سال پیشگی زکوٰۃ دیدے اور اس کے بعد مسلمان ہوجائے تو وہ زکوٰۃ دینا اس کے لیے کافی نہ ہوگا بلکہ اس کو پھر زکوٰۃ دینا ہوگی۔

(۲) عاقل ہونا، مجنون اور ناقص العقل کی زکوٰۃ صحیح نہیں۔

(۳) بالغ ہونا، نابالغ کی زکوٰۃ صحیح نہیں۔

(۴) زکوٰۃ کا مال فقیر کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا، یعنی دل میں یہ ارادہ کرنا کہ میرے اوپر جس قدر مال کا دینا فرض تھا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دیتا ہوں۔ اگر کوئی زکوٰۃ دینے کے بعد نیت کرے اور مال فقیر یعنی جس کو زکوٰۃ کا مال دیا ہے ابھی تک اس کے پاس موجود ہے تو یہ نیت صحیح ہوجائے گی۔ اور اگر مالِ زکوٰۃ فقیر کے پاس خرچ ہوچکا ہے تو نیت صحیح نہ ہوگی اور پھر اس کو دوبارہ زکوٰۃ دینا ہوگی، اگر کوئی شخص اپنے وکیل (منیجر، منیم، منشی، معتمد) کو زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے لیے دے اور دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرلے تو درست ہے خواہ وکیل فقیروں کو دیتے وقت نیت کرے یا نہ کرے (کوئی حرج نہیں)۔ اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ کا مال علٰحدہ کرلے، علٰحدہ کرتے وقت

زکوٰۃ کی نیت دل میں ہو تو یہ نیت کافی ہے، گو فقیر.ں کو دیتے وقت نیت نہ بھی کرے۔

(۵) زکوٰۃ کے مال کا جس شخص کو دیا جائے اس کو مالک اور قابض بنا دینا، اگر کوئی شخص کچھ کھانا پکوا کر فقیروں کو اپنے گھر میں جمع کر کے کھلا دے اور نیت زکوٰۃ کی کرے تو صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر وہ کھانا فقیروں کو دیدے اور انھیں اختیار دے کہ اس کو جو چاہیں کریں، جہاں چاہیں کھائیں تو پھر درست ہے۔

(۶) زکوٰۃ کا مال ایسے شخص کو دینا جو اس کا مستحق ہو۔ (علم الفقہ صـ۲۱ـ ج ۴)۔

مال کے ضائع ہونے پر زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ واجب ہو جانے کے بعد اگر مال ہلاک (ضائع) ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی خواہ زکوٰۃ کے دینے کا وقت آگیا ہو، اور حاکم وقت کی طرف سے اس کا مطالبہ بھی کیا گیا ہو، اور اس نے کسی وجہ سے زکوٰۃ نہ دی ہو۔ ہاں اگر خود ہلاک کردے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا ضروری ہوگی۔ مثلاً جانوروں کو چارہ (گھانس) پانی نہ دے اور وہ مرجائیں۔ یا کسی مال کو قصداً ضائع کردے، کسی کو قرض یا عاریت دینے کے بعد اگر مال تلف ہو جائے تو اس کا شمار ہلاک کرنے میں نہ ہوگا اور اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

تجارتی مال کو تجارتی مال سے بدل لینے کے بعد مال خود ہلاک ہو جائے تو اس بدل لینے میں زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ تجارتی مال کو غیر تجارتی مال سے بدل لینا، اسی طرح سائمہ جانور کو دوسرے سائمہ جانور سے بدل لینا ہلاک کر لینا ہے۔ اور اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ (علم الفقہ صـ۲۹ـ ج ۴۔ و عالمگیری صـ۱۴ـ ج ۲)۔

مدہوش پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ جو شخص بے ہوش ہے خواہ اس پر مسلسل سال بھر تک بے ہوشی طاری رہے، زکوٰۃ واجب ہوگی (جبکہ صاحب نصاب ہو)۔ (فتاوٰے عالمگیری صـ۶ـ ج ۴)۔

بچے اور پاگل پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ نابالغ شرعی کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور نصوص سے بچے کا غیر مکلف ہونا اور مرفوع القلم ہونا ثابت ہے۔ اور واجب نہ ہونا نماز و روزہ و حج اور جملہ عبادات وغیرہ کا

نابالغ پر، یہ بھی دلیل عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کی ہے۔ (فتاوٰی دارالعلوم ص۴۳ ج۶)۔

مسئلہ:۔ حنفیہ رحمہ کے نزدیک نابالغ بچے اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے لہٰذا ان کے ولیوں سے اس کے ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ محض عبادت ہے، بچے اور مجنون اس حکم کے مخاطب نہیں ہیں۔ البتہ ان کے مال سے قرض اور نفقہ (ضروری خرچہ کا) ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بندوں کے حقوق ہیں۔ البتہ زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ اور صدقۂ فطر واجب ہے کیونکہ یہ گذارہ دینے کی مانند ہے، لہٰذا اس کو حقوق العباد میں شامل کیا گیا ہے۔ اور فاتر العقل (پاگل) کے مال کا وہی حکم ہے جو بچے کے مال کا ہے۔ اس کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۹۶ ج۱ و فقہ الزکوٰۃ ص۱۴۲ ج۱)۔

مسئلہ:۔ نابالغین کا حصہ جو بطورِ امانت ان کے سرپرستوں کے پاس ہو اس میں زکوٰۃ لازم نہیں۔ (فتاوٰی دارالعلوم ص۷۶ ج۶ بحوالہ طحطاوی ص۳۸۹ ج۱ و احسن الفتاوٰی ص۲۶۸ ج۴)۔

مسئلہ:۔ جب بچہ بالغ ہو تو وقتِ بلوغ سے ابتداء شروع ہو جائے گی (عالمگیری ص۶ ج۴)۔

مسئلہ:۔ حکومت اگر نابالغ بچے کے مال (جمع شدہ) سے زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۵ ج۳)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ بالغ پر واجب ہے، اور بلوغ کی خاص علامتیں مشہور ہیں۔ اگر لڑکا یا لڑکی پندرہ سال کے ہو جائیں مگر کوئی علامت بلوغ کی ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال کی عمر ہونے پر وہ بالغ تصور کیے جائیں گے۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۴ ج۳)۔

زکوٰۃ ہجری سال سے ہے یا عیسوی سے؟

مسئلہ:۔ ایک سال کی پوری مدت گذر جانے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت تک واجب الادا نہیں ہوتی جب تک کسی شخص کو اس مال کا مالک بنے رہنے کی مدت ایک سال نہ ہو جائے۔ اور سال سے مراد قمری (چاند) کے

حساب کا سال ہے، شمسی (انگریزی) حساب کا سال نہیں۔ (کیونکہ) قمری حساب سے ایک سال تین سو چوّن ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے۔ اور شمسی سال کبھی تین سو پینسٹھ ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ایک دن اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ (کتاب الفقہ ص۹۶۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے ادا کرنے میں قمری سال کا اعتبار ہے، شمسی سال کا اعتبار نہیں۔ اب یا تو قمری سال کے اعتبار سے ادا کرنا چاہیئے اور اگر شمسی سال کے اعتبار سے کرنا ہی ناگزیر ہو تو دس دن کی زکوٰۃ مزید ادا کرنی چاہیئے۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۲ ج۳۔ وفتاویٰ عالمگیری ص۱۳۱ ج ۴ و درمختار ص۵۰ ج ۲ وکفایت المفتی ص۱۴۵ ج ۴)۔

زکوٰۃ میں مہینہ کا اعتبار ہے یا تاریخ کا؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے حساب کے لیے تاریخ کا اعتبار ہے، جس تاریخ کو سال پورا ہو جائے اسی تاریخ میں زکوٰۃ واجب ہوگی، جس وقت بھی زکوٰۃ ادا کرے گا اعتبار اسی تاریخ وجوب کا رہے گا۔ اگلے سال اسی تاریخ میں زکوٰۃ واجب ہو جائیگی جس تاریخ پر پچھلے سال واجب ہوئی تھی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۵۷ ج ۶ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۱۵۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ اصل حکم تو یہ ہے کہ جس تاریخ سے آپ صاحبِ نصاب ہوئے، ایک سال کے بعد اسی تاریخ کو آپ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، تاہم زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس میں تاخیر کی بھی گنجائش ہے، اس لیے کوئی تاریخ مقرر کرلی جائے۔ اگر کچھ آگے یا پیچھے ہو جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۸ ج ۳ و عالمگیری ص۵ ج۴)

زکوٰۃ کا سال شمار کرنے کا اصول

مسئلہ:۔ جس تاریخ کو کسی شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال آجائے اسی تاریخ سے چاند کے حساب سے پورا سال گذرنے پر جتنی رقم اس کی ملکیت ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۷ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ سال کے کسی مہینے میں بھی جس تاریخ کو کوئی شخص نصاب کا مالک ہوا ہو، ایک سال گذرنے کے بعد اسی تاریخ کو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائیگی

خواہ محرم کا مہینہ ہو یا کوئی اور مہینہ ہو۔ اور اس شخص کو سال پورا ہونے کے بعد اس پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۸ ج۳)

صاحب نصاب کو اگر تاریخ یاد نہ ہو

آپ قمری ماہ کی جس تاریخ کو صاحب نصاب ہوئے تھے ہمیشہ وہی تاریخ آپ کی زکوٰۃ کے حساب کے لیے متعین رہے گی، اس تاریخ میں آپ کے پاس سونا، چاندی، مالِ تجارت اور نقدی جو کچھ بھی ہو خواہ ایک روز قبل ملا ہو سب پر زکوٰۃ فرض ہوگی، زکوٰۃ کا حساب ہمیشہ اسی تاریخ میں ہوگا، ادا جب چاہیں کریں (جلدی ادا کرنا بہتر ہے، موت کا اطمینان نہیں) اگر درمیان سال میں بقدرِ نصاب مال نہیں رہا مگر متعین تاریخ میں نصاب پورا ہوگیا تو بھی زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر درمیان میں مال بالکل نہ رہا تو اب پھر جس تاریخ میں صاحب نصاب ہوں گے وہ متعین ہوگی، اگر صاحب نصاب بننے کی قمری تاریخ یاد نہ ہو تو غور و فکر کے بعد جس تاریخ کا ظن غالب ہو وہ متعین ہوگی، اگر کسی تاریخ کا بھی ظنِ غالب نہ ہو تو خود کوئی قمری تاریخ متعین کرلیں (احسن الفتاوی صفحہ ۲۵۵ جلد ۴)۔

اختتام سال کا اعتبار ہے

مسئلہ:۔ قمری سال کے ختم ہونے پر جس کے پاس جتنا مال ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ مثلاً کسی کا سالِ زکوٰۃ یکم محرم سے شروع ہوتا ہے، تو اگلے سال یکم محرم کو اس کے پاس جتنا مال ہو، اس پر زکوٰۃ ادا کرے، خواہ اس میں کچھ حصہ دو مہینے پہلے ملا ہو یا دو دن پہلے۔ الغرض سال کے دوران جو مال آتا رہے اس پر سال گذرنے کا حساب الگ سے نہیں لگایا جائے گا بلکہ جب اصل نصاب پر سال پورا ہوگا، تو سال کے اختتام پر جس قدر بھی سرمایہ ہو، اس پورے سرمایہ پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی خواہ اس کے کچھ حصوں پر سال پورا نہ ہوا ہو۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۴ ج۳)۔

زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر اگلے سال کا شمار کب سے ہے؟

سوال:۔ گذشتہ سال زکوٰۃ ادا نہیں کی جاسکی، دوسرا سال شروع

ہوگیا تو نئے سال کا حساب کس طرح کیا جائے ؟

جواب :- جس تاریخ کو پہلا سال ختم ہوا، اس دن جتنی مالیت تھی، اس پر پہلے سال کی زکوٰۃ فرض ہو گی۔ اگلے دن سے دوسرا سال شروع سمجھا جائے گا۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۸ ج۳)

کیا رمضان میں ہی زکوٰۃ دینا چاہیے؟

مسئلہ :- رمضان شریف کے علاوہ اور مہینوں اور دنوں میں زکوٰۃ دینا درست ہے، رمضان شریف کی اس میں کچھ تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ جس وقت بھی مال پر سال پورا ہوا اسی وقت زکوٰۃ دینا بہتر ہے۔

البتہ جن کا سال زکوٰۃ کا رمضان المبارک میں پورا ہو وہ رمضان میں زکوٰۃ دیدے یہ ضرور ہے کہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ دینے میں ثواب ستر گنا زیادہ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۰۱ ج۶)۔

مسئلہ :- ادائے زکوٰۃ کے لیے شرعاً کوئی مہینہ یا کوئی دن مقرر نہیں، البتہ بعض مہینوں اور دنوں کی فضیلت کو اس میں دخل ضرور ہے، یعنی جو مہینہ فی نفسہٖ متبرک ہے جیسے رمضان المبارک کہ اس میں صدقات وغیرہ کی ادائیگی بھی افضل ہے ہاں ضرورت اس کی ہے کہ جس مہینہ میں ادائے زکوٰۃ واجب ہے اس مہینہ میں ادا کرے اور پھر اس مہینہ کو مقرر کرلے (فتاویٰ دارالعلوم ص۴۲ ج۶۔ بحوالہ شامی ص۱۵ ج۲)۔

زکوٰۃ کو رمضان تک روکنا کیسا ہے؟

مسئلہ :- زکوٰۃ کے ادا کرنے میں ایک مثال حساب کے غلط ہونے کی بہت باریک ہے وہ یہ کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر ہے اس لیے رمضان المبارک میں زکوٰۃ نکالتے ہیں اور پھر رمضان ہی سے سلسلہ حساب کا رکھتے ہیں۔ پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نصاب کے مالک ہونے کی تاریخ سے جو سال شروع ہوا ہے وہ رمضان سے تین چار ماہ پہلے مثلاً ختم ہوگیا تھا تو اس شخص نے رمضان شریف سے حساب رکھنے کے لیے ان تین چار ماہ کی زکوٰۃ بھی دے دی پھر آئندہ کے لیے رمضان سے رمضان تک حساب جاری رکھا۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رمضان سے تین چار ماہ بعد سال ختم ہوتا ہے، تو یہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کرکے اپنے کو جلدی سبکدوش سمجھ لیتا ہے مگر غلطی اس میں یہ ہوتی ہے کہ جب رمضان میں یہ شخص زکوٰۃ نکالتا ہے تو جتنا مال رمضان شریف میں اس کی ملک میں ہے یہ اسی کی زکوٰۃ نکالتا ہے، حالاں کہ احتمال ہے کہ جو ختم سال اس کا واقعی ہے اس میں نصاب اس وقت سے زیادہ ہوا اور زکوٰۃ واقع میں اسی زیادہ حساب سے واجب ہوگی تو اس طور پر حساب سے کچھ زیادہ زکوٰۃ اس کے ذمہ رہ جائے گی۔ اور اس طرح سے یہ حساب غلط ہو جائے گا مثلاً اس کا سال رجب میں ختم ہوتا تھا اور اس وقت اس کے پاس ایک ہزار روپے تھا، جس کی زکوٰۃ پچیس روپیہ ہوتی ہے اور اور رمضان شریف میں اس کے پاس آٹھ سو روپے رہ گئے جس کی زکوٰۃ بیس روپے ہوتی ہے، تو اب اگر اس شخص نے اسی وقت کا نصاب دیکھ کر بیس روپے ادا کیے، تو پانچ روپیہ اس کے ذمہ رہ گئے، اسی طرح اگر اس کا سال ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے اور رمضان میں اس کے پاس آٹھ سو روپے تھے مگر ذی الحجہ میں ہزار ہوگئے تب بھی بعینہ یہی غلطی ہوئی، اسی طرح ہر ختم سال پر یہی احتمال ہے۔

سو فرض کیجئے اگر اتفاق سے پانچ سال تک یہی قصہ رہا کہ ختم سال پر تو ہزار روپے ہوتے ہیں اور رمضان میں آٹھ سو روپے تو پانچ روپیہ سال میں جمع ہو کر پانچ سال میں پچیس روپے اس کے ذمے واجب الادا رہے، تو یہ ایسا ہوگیا جیسے پانچ سال میں چار سال کی زکوٰۃ دی اور ایک سال میں نہ دی، اس لیے یہ ضرور ہے کہ ختم سال پر کے نصاب کو ضرور دیکھا جائے اور اس کی زکوٰۃ کی مقدار کو یاد رکھے، پھر اگر سال رمضان سے پہلے ختم ہوا ہے تو رمضان شریف میں اس مقدار کی برابر خیال کرکے زکوٰۃ دے اور اگر رمضان کے بعد سال ختم ہوتا ہے تو رمضان میں جتنا اندازے سے دیا ہے اس کو یاد رکھیں پھر ختم سال پر جتنی مقدار زکوٰۃ کی ہے اس ادا کی ہوئی کو اس سے ملا دے، اگر کچھ ادا کرنے سے رہ گیا ہو تو پورا کرے، اور اگر زیادہ دے دیا ہو تو اگلے سال میں لگا لینا جائز ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ از ۳۴ تا ۳۶)۔

زکوٰۃ کا نصاب قدیم وجدید اوزان سے

مسئلہ:- چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی بقدر ۵۲ ½ ساڑھے باون تولہ ہے، اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے۔ اور اگر زیور دونوں طرح کا ہو تو سونے کی قیمت کرکے چاندی میں شامل کرکے زکوٰۃ ادا کی جائیگی اور زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ دینا واجب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۳ ج۶ بحوالہ ہدایہ باب زکوٰۃ المال ص۱۷۶ ج۱)۔

مسئلہ:- سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ۷ ½ اور موجودہ اوزان سے ستاسی گرام، چارسو اناسی ملی گرام (۸۷ گرام ۴۷۹ ملی گرام) اس شخص کے لیے جس کے پاس صرف سونا ہو، چاندی، مالِ تجارت اور نقدی میں سے کچھ بھی نہ ہو، اسی طرح چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور موجودہ وزن سے چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام (۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام) اس صورت میں ہے کہ صرف چاندی ہو، سونا، مالِ تجارت اور نقدی (یعنی کیش) بالکل نہ ہو، اگر سونے یا چاندی کے ساتھ کوئی دوسرا مالِ زکوٰۃ بھی ہے تو سب کی قیمت لگائی جائے گی، اگر سب کی مالیت ستاسی، ۸۷ گرام چارسو اناسی ۴۷۹ ملی گرام سونے یا چھ سو بارہ ۶۱۲ گرام پینتیس ۳۵ ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ فرض ہے۔

خلاصۂ نصاب زکوٰۃ کے نصاب کا خلاصہ یہ ہے کہ سونا ساڑھے سات ۷ ½ تولہ ستاسی ۸۷ گرام چارسو اناسی ۴۷۹ ملی گرام یا چاندی ساڑھے باون تولہ ۵۲ ½، چھ سو بارہ ۶۱۲ گرام پینتیس ۳۵ ملی گرام، یا مالِ تجارت یا نقدی یا ان چاروں چیزوں (سونا، چاندی، مالِ تجارت، نقدی) میں سے بعض کا مجموعہ سونے یا چاندی کے وزنِ مذکور کی قیمت کے برابر ہو۔ (احسن الفتاوی ص۲۵۴ ج۴۔ و فقہ الزکوٰۃ ص۲۰۱ ج۱)۔

زکوٰۃ کا نصاب کونسا معتبر ہے؟

مسئلہ:- نصاب چاندی (جس مقدار پر زکوٰۃ ہے) ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام) ہوتا ہے، کیونکہ شریعت میں دراہم کے اندر وزن سبعہ معتبر

ہے اور اس کی تصریح فقہاء کی کتابوں میں ہے اور وزن سبعہ یہ ہے کہ دس درہم برابر سات مثقال کے ہوں، اس حساب سے دو سو درہم برابر ایک سو چالیس ۱۴۰ مثقال کے ہوگئے اور مثقال وزن مشہور ساڑھے چار ماشہ ہے۔

چنانچہ اس کی تصریح بہت جگہ موجود ہے اور علمائے کبار نے اس کو اختیار کیا ہے۔ پس دو سو درہم برابر چھ سو تیس ۶۳۰ ماشہ کے ہوئے اور اس کو بارہ پر تقسیم کرنے سے ساڑھے باون تولہ خارج قسمت نکلا، یہی نصاب فقہ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۹۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۳۸ ج۲)۔

نصاب کے کیا معنیٰ ہیں؟

نصاب مال کی وہ خاص مقدار ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ فرض کی ہے۔ مثلاً اونٹ کے لیے پانچ اور پچیس وغیرہ کے اعداد اور بکری کے لیے چالیس اور ایک سو اکیس وغیرہ کا عدد، اور چاندی کے لیے دو سو درم اور سونے کے لیے بیس مثقال (عالمگیری ص۷ ج۴)۔

چاندی کے نصاب کو معیار بنانے کی وجہ

سوال:- عام طور پر زکوٰۃ کے لیے شرط نصاب جو سننے میں آتا ہے وہ ہے ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا ان کی مالیت معلوم یہ کرنا ہے کہ ایک شخص کے پاس نہ سونا ہے نہ چاندی بلکہ پانچ ہزار روپے نقد ہیں۔ اسے کس نصاب پر عمل کرنا چاہیے، سونے پر یا چاندی پر؟

جواب:- آپ کے سوال کے سلسلہ میں چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہیں۔ اول کس مال میں کتنی مقدار واجب الادا ہے؟ کس مال میں کتنے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ یہ بات محض عقل و قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لیے ہمیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مال کا جو نصاب مقرر فرمایا ہے اس کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ اور اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ نماز کی رکعت میں رد و بدل کی گنجائش نہیں۔

دوم۔ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کا نصاب دو سو درہم (یعنی ساڑھے

باون تولے تقریباً چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام۔ اور سونے کا نصاب مثقال (ساڑھے سات تولے یعنی تقریباً چار سو اناسی گرام، ۸ ملی گرام مقرر فرمایا۔ اب خواہ سونے چاندی کی قیمتوں کے درمیان وہ تناسب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا قائم رہے یا نہ رہے سونے چاندی کے ان نصابوں میں تبدیلی کرنے کا ہمیں حق نہیں۔ جس طرح فجر کی نماز میں دو کے بجائے چار رکعتیں اور مغرب کی نماز میں تین کے بجائے دو یا چار رکعتیں پڑھنے کا کوئی اختیار نہیں۔

سوم: جس کے پاس نقد روپیہ پیسہ ہو یا مالِ تجارت ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے سونے چاندی میں سے کسی ایک نصاب کو معیار بنانا ہوگا۔ رہا یہ کہ چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے یا سونے کے نصاب کو؟ اس کے لیے فقہائے اُمت نے جو درحقیقت حکمائے اُمت ہیں یہ فیصلہ دیا ہے کہ ان دونوں میں سے جس کے ساتھ بھی نصاب پورا ہو جائے اسی کو معیار بنایا جائے گا۔ مثلاً چاندی کی قیمت سے نصاب پورا نہیں ہوتا (اور یہی آپ کے سوال کا بنیادی نکتہ ہے) تو چاندی کی قیمت سے حساب لگایا جائے گا۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ فقراء کے نفع کے لیے ہے، اور اس میں فقراء کا نفع زیادہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں احتیاط بھی زیادہ ہے کہ جب کہ نقدی (کیش) چاندی کے نصاب کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے اور دوسرے سونے کے ساتھ نصاب پورا نہیں ہوتا تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہوگا کہ جس نصاب کے ساتھ (سونے یا چاندی کے) پورا ہو جاتا ہے۔ اسی کا اعتبار کیا جائے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۵۶ ج ۳)۔

جب یہ پتہ نہ ہو کہ کب سے صاحبِ نصاب ہوا ہے؟

مسئلہ: گمان غالب کے موافق جس وقت سے وہ نصاب والا ہو گیا ہے، اسی وقت زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دی جائے اور گمان غالب سے سوچ لیا جائے یا قرائن سے اندازہ لگایا جائے اور احتیاطاً کچھ زیادہ ہی مدت لگائی جائے۔ مثلاً اگر ڈھائی سال کا گمان ہو تو تین سال کی زکوٰۃ دی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس

کچھ زیادہ ہو جائے تو بہتر ہے، ثواب زیادہ ہے، اور کم ہونے کی صورت میں عتاب کا خوف ہے۔ (فتاوٰی دارالعلوم صـ۴۴ ج ۶ بحوالہ درمختار کتاب ۱۱۰ صـ۶ ج ۲)۔

زکوٰۃ غفلت کی وجہ سے نہ دی تو کیا حکم۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی صاحب نصاب ایک سال زکوٰۃ دینے سے غفلت کی وجہ سے قاصر رہا تو دوسرے سال اس کو موجودہ اور پچھلے سال کی زکوٰۃ دینی چاہیے اور حساب یہ ہے کہ پچھلے سال کے ختم پر جس قدر مال وروپیہ وغیرہ ہو، اس کی زکوٰۃ دے دے۔ اور اس سال جس قدر روپیہ وغیرہ ہے اس کی زکوٰۃ دیدے۔ (فتاوٰی دارالعلوم صـ۶۵ ج ۶۔ بحوالہ درمختار صـ۹ ج ۲)۔

صاحب نصاب کو جو مال دوران سال حاصل ہوا

سوال:۔ میرے پاس سال بھر سے کچھ رقم تھی جو خرچ ہوتی رہی، شوال کے مہینے سے ماہ رجب تک میرے پاس دس ہزار روپے بچے اور رجب میں ہی ۳۵ ہزار روپے کی آمدنی ہوئی۔ کیا رمضان المبارک میں صرف دس ہزار کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا ۳۵ ہزار بھی اس میں شامل کیے جائیں گے؟ جبکہ ۳۵ ہزار کو صرف تین ماہ کا عرصہ گذرا ہے؟

جواب:۔ جو آدمی ایک بار نصاب کا مالک ہو جائے تو جب اس نصاب پر ایک سال گذرے گا تو سال کے دوران حاصل ہونے والے کل سرمایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہر رقم پر الگ الگ سال گزرنا شرط نہیں، اس لیے رمضان المبارک میں آپ پر کل رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی جو اس وقت آپ کے پاس ہو۔ (آپ کے مسائل صـ۳۵۶ ج ۳۔ وعلم الفقہ صـ۳۰ ج ۴)۔

زکوٰۃ کا نصاب نقد میں کتنا ہے؟

سوال:۔ کسی شخص کے پاس سونے و چاندی کا مقرر کردہ نصاب نہیں ہے تو فی زمانا کتنے روپے نقد ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی؟

جواب:۔ جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جا سکے، اتنے روپے کے

مالک کو صاحب نصاب (نصاب والا شخص) قرار دیا جائے گا۔ اور زکوٰۃ مال کا چالیسواں حصہ نکالنا ہوگی (بہشتی زیور ص۲۳ ج۳ بحوالہ در مختار ص۱۳۴ ج۱۔ وفتاوی رحیمیہ ص۲۱۳ ج۳ وفتاوی محمودیہ ص۵ ج۳)۔

نقد کے ساتھ نصاب سے کم سونے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کے پاس اڑسٹھ ہزار ۶۸ ہزار روپیہ اور چھ تولہ سونا ہے تو اس سونے پر بھی زکوٰۃ دی جائے یا صرف نقد روپے کی؟

جواب:۔ اس صورت میں زکوٰۃ سونے پر بھی واجب ہے۔ سال پورا ہونے کے دن جو قیمت ہو اس کے حساب سے چھ تولے سونے کی مالیت کو بھی رقم میں شامل کرکے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۶ ج۳)۔

نصاب سے کم سونے کا حکم

مسئلہ:۔ اگر کسی کے پاس صرف (نصاب) سے کم سونا ہو، اس کے ساتھ چاندی یا نقد روپیہ (کیش) اور دیگر قابلِ زکوٰۃ چیزیں نہ ہوں تو ۷ ½ تولہ (۸۷ گرام ۴۷۹ ملی گرام) سے کم سونے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۹ ج۳)۔

نصاب سے کم سونے و چاندی کا حکم

سوال:۔ ایک عورت کے پاس کچھ زیور چاندی کا ہے اور کچھ سونے کا۔ مگر دونوں نصاب سے کم ہیں تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اس صورت میں قیمت کا حساب لگا کر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً سونے کو چاندی کی قیمت میں کرکے کل مجموعہ کو دیکھا جائے گا۔ اگر نصاب چاندی کا پورا ہوگیا تو زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (فتاوی دارالعلوم ص۱۲۳ ج۶ بحوالہ البحر الرائق ص۲۲۳ ج۲)۔

(یعنی سونے کی قیمت کو دیکھا جائے گا کہ اس قیمت سے کیا باون تولہ چاندی آسکتی ہے، اگر آجائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

قیمت بڑھ کر نصاب کو پہونچ جانے کا حکم

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کے پاس کوئی تجارتی مال ہو

مگر اس کی قیمت نصاب سے کم ہو تو پھر چند روز کے بعد اس چیز کے گراں (مہنگی) ہو جانے کے سبب اس کی قیمت بڑھ کر بقدر نصاب کے ہو جائے تو جس وقت سے قیمت بڑھی ہے اسی وقت سے اس کے سال کی ابتدار سمجھی جائے گی۔

مسئلہ:۔ ہر چیز کا نفع جو سال کے اندر حاصل ہوا ہو، اس کی اصل کے ساتھ ملا لیا جائے گا اور آخیر سال میں جب اس کی اصل کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی تو اس کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی، گو اس پر سال پورا نہیں گذرا۔ (علم الفقہ ص۳۰ ج ۴)

دو نصابوں کا حکم

اگر کسی شخص کے پاس ایک مال کے دو نصاب ایسے ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملایا نہیں جا سکتا مثلاً زکوٰۃ دیئے ہوئے جانوروں کی قیمت کا کچھ روپیہ ہو اور کچھ روپیہ اس کے علاوہ ہو، پھر اس کو کہیں سے کچھ روپیہ اور مل جائے تو یہ روپیہ اس روپے کے ساتھ ملا لیا جائے گا جس کا سال ختم ہوتا ہو، یعنی اگر بکریوں کی قیمت کے روپے کا سال پہلے ختم ہوتا ہو تو یہ روپیہ اس کے ساتھ ملا لیا جائے گا اور اگر دوسرے روپے کا سال پہلے ختم ہوتا ہو تو یہ روپیہ اس کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ (علم الفقہ ص۳۱ ج ۴)

صاحب نصاب کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ لینا؟

مسئلہ:۔ ایک شخص پر زکوٰۃ واجب ہے مگر وہ ادا نہیں کرتا، تو کسی محتاج کو یہ اجازت نہیں کہ بغیر اس صاحب مال کی اطلاع کے اس کے مال میں سے زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم لے لے، اگر کسی ضرورت مند اور محتاج نے ایسی حرکت کی اور اس طرح، مال لے لیا تو مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اس سے وہ مال واپس لے لے، اگر فی الوقت اس محتاج کے پاس موجود رہے، اور اگر موجود نہیں، ختم ہو گیا تو وہ فقیر (زبردستی یا بغیر اجازت لینے والا) اس کا ضامن ہو گا۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲۸ ج ۴)۔

صاحب نصاب سے زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ اور چرم قربانی و صدقۂ فطر کا روپیہ برادری کے

چودھر (بڑے افراد) اگر جبراً وصول کریں تو یہ جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۸۶ ج۶ بحوالہ درمختار ص۴۶ ج۲ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۴۵ ج۱۱)

(بعض جگہ یہ دستور اور آپسی قانون پنچایت کا ہے کہ کمیٹی والے یا گاؤں کا چودھری و پردھان وغیرہ زکوٰۃ وغیرہ صاحبِ نصاب سے زبردستی وصول کرکے تقسیم کرتے ہیں جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں نیت شرط ہے وہ یہاں پائی نہیں جائے گی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

ضرورتِ اصلیہ کیا ہے؟

مسئلہ: جو مال آدمی کے پاس موجود ہو وہ اس کی حاجتِ اصلی یعنی اس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے علاوہ ہو، جیسے رہائشی مکانات، بدن کے کپڑے، گھریلو سامان، سواری کے جانور (یا مشین، موٹر سائیکل کار وغیرہ) خدمت گار غلام، اور استعمالی ہتھیاروں پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ایسے ہی خوردنی اشیاء پر اور آرائشی ظروف پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بشرطیکہ وہ سونے چاندی کے نہ ہوں، ایسے ہی جواہرات، موتی، یاقوت اور زمرد وغیرہ اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اخراجات کے لیے کچھ سکے خریدے تو ان پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اہلِ علم کی کتابوں پر (جو ذاتی مطالعہ و استفادہ کے لیے ہوں) اور پیشہ وروں کے آلاتِ کارکردگی پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (یہ سب ضرورتِ اصلیہ میں داخل ہوں گی)۔ (فتاویٰ عالمگیری اُردو ص۷ ج۲ و علم الفقہ ص۱۴ ج۴)۔

کیا اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں داخل ہے؟

مسئلہ: حامداً و مصلیاً اولاد اگر بالغ ہے تو اس کا نکاح باپ کے ذمہ فرض نہیں، بلکہ نکاح کی ذمہ داری شرعاً اولاد (لڑکوں) پر خود ہے اگر اولاد نابالغ ہے تو اس کے نکاح کا شرعاً ضروری نہ ہونا ظاہر ہے۔

اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں، صرف عدم بلوغ کی حالت میں باپ کے ذمہ نفقہ (ضروری خرچہ) واجب ہوتا ہے، وہ بھی جب کہ خود اولاد کی ملک میں

اتنا مال نہ ہو کہ جس کے ذریعے سے نفقہ پورا ہو سکے، اگر اولاد کی ملک میں مال ہے تو نفقہ باپ کے ذمہ نہیں بلکہ اس مال سے دیا جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۹۳ ج۳ بحوالہ زیلعی ص۶۲ ج۳)۔

مسئلہ:۔ اولاد نابالغ یا بالغ معذورین کا نفقہ (ضروری خرچہ) تو باپ کے ذمہ ہے اس لیے محض نفقہ حوائج اصلیہ میں داخل ہے، لیکن ان کی شادیوں کے رسمی اخراجات کا تصور حوائج اصلیہ میں داخل نہیں ہے، اور نہ وہ مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۴۴ ج۴)

زکوٰۃ کن چیزوں پر ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ کس کس چیز پر فرض ہے؟۔

جواب:۔ زکوٰۃ مندرجہ ذیل چیزوں پر فرض ہے:۔

(۱) سونا جب کہ ساڑھے سات تولہ (۴۸،۸۷ گرام) یا اس سے زیادہ ہو۔

(۲) چاندی جب کہ ساڑھے باون تولہ (۶۱۲،۳۵ گرام) یا اس سے زیادہ ہو۔

(۳) روپیہ، پیسہ اور مال تجارت، جب کہ اس کی مالیت ساڑھے باون تولہ (۶۱۲،۳۵ گرام) کے برابر ہو۔

نوٹ:۔ اگر کسی کے پاس تھوڑا سا سونا ہے، کچھ چاندی ہے، کچھ نقد روپے ہیں، کچھ مال تجارت ہے، اور ان کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولے (۶۱۲،۳۵ گرام) چاندی کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اسی طرح اگر کچھ سونا ہے، کچھ چاندی ہے، یا کچھ نقد روپیہ ہے یا کچھ چاندی کچھ مال تجارت ہے تب بھی ان کو ملا کر دیکھا جائے گا کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت بنتی ہے یا نہیں؟ اگر بنتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ الغرض سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت میں سے دو چیزوں کی مالیت جب چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴) ان چیزوں کے علاوہ چرنے والے مویشیوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اور بھیڑ بکری گائے، بھینس اور اونٹ کے الگ الگ نصاب ہیں۔

(۵) عشری زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ فرض ہے جس کو عشر کہا جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۴ ج۳ و احسن الفتاویٰ ص۲۸۷ ج۴ و کتاب الفقہ ص۹۶۸ ج۱ و علم الفقہ ص۲۲ ج۴)

کیا زکوٰۃ ہر سال ہے؟

مسئلہ: جس روپیہ اور زیور پر ایک سال زکوٰۃ دی جائے گی، جب دوسرا سال پورا ہوگا پھر زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ ہر سال زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے، خواہ اس روپے سے کچھ نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم صفحہ ۴۷ ج ۶۔ بحوالہ ردالمحتار صفحہ ۱۳ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ وکفایت المفتی صفحہ ۱۴۴ ج ۴)

زکوٰۃ ادا کرنے میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ: جب مال پر پورا سال گذر جائے تو فوراً ادا کر دے، نیک کام میں دیر لگانا اچھا نہیں کہ شاید اچانک موت آجائے اور یہ مؤاخذہ اپنی گردن پر رہ جائے۔ اور اگر سال گزرنے پر زکوٰۃ ادا نہیں کی، یہاں تک کہ دوسرا سال بھی گذر گیا تو گناہ ہوا، اب توبہ کرکے دونوں سالوں کی زکوٰۃ دے دے، باقی نہ رکھے۔

غرض اپنی زندگی میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ جو ادا نہیں کی تھی وہ ضرور ادا کرے۔ (فقہ الزکوٰۃ صفحہ ۳۶۲ ج ۲ بحوالہ فتح القدیر صفحہ ۴۸۲ ج ۱ و امداد مسائل الزکوٰۃ صفحہ ۱۰۱ و درمختار صفحہ ۱۳ ج ۱)

زکوٰۃ میں نیت کا حکم

نیت بہرحال ضروری ہے، نیت ہی کے تحت فعل کے اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں، اس لیے جب زکوٰۃ ادا کی جائے اسی وقت نیت ضروری ہے، یا اپنے مال سے واجب شدہ مقدار کو علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہونی چاہیے، اگر ایسی صورت ہوئی کہ زکوٰۃ کی نیت تو فی نفسہٖ کرلی، مگر اس وقت اس غرض سے کوئی رقم اپنے سرمایہ سے علیحدہ نہیں کی بلکہ اخیر سال تک بتدریج کچھ نہ کچھ زکوٰۃ دیتا رہا اور اس پوری مدت میں کسی وقت بھی زکوٰۃ کی نیت مال نکالتے اور ادا کرتے وقت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ہاں اگر اس طرح زکوٰۃ کا مال دینے کے دوران اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ یہ کیا دے رہے ہو تو وہ بلا تأمل جواب دے کہ زکوٰۃ ہے تو اس کو نیت کہا جائے گا، اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور اگر یہ کہا کہ اخیر سال تک جو کچھ صدقہ کروں گا وہ سب زکوٰۃ ہی کی نیت سے ادا ہوگا تو یہ جائز نہیں۔ (سراجیہ)

مسئلہ: زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو اس کو رقم دیتے وقت نیت کرلینا

کافی ہے، اگر وکیل بنانے کے وقت نیت نہیں کی، البتہ زکوٰۃ کی رقم وکیل کو دیتے وقت نیت کرلی تو یہ صورت بھی درست ہے۔ (جوہرہ نیرہ)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں مؤکل کی نیت معتبر ہوتی ہے نہ کہ وکیل کی۔ (معراج الدرایہ)۔

مسئلہ:۔ کسی ذمّی کو زکوٰۃ کی تقسیم کی ذمہ داری سپرد کی جاسکتی ہے اس لیے کہ جس نے زکوٰۃ دی ہے اس کی نیت کافی ہے۔ (محیط السرخسی)۔

مسئلہ:۔ وکیل کو رقم دینے کے بعد مؤکل کی نیت بدل گئی ہے جبکہ وکیل نے زکوٰۃ تقسیم نہ کی ہو، اب یہ رقم بعد والی نیت کے تحت ادا ہوگی جبکہ وکیل کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کچھ رقم دی، مگر روپیہ تقسیم کرنے سے قبل مؤکل نے یہ رقم اپنی نذر (منّت) میں دینے کی کرلی تو اب یہ رقم نذر کی شمار ہوگی۔ (سراج الوہاج)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نادار شخص کی امانت کسی صاحبِ امانت کے پاس سے ضائع ہوجائے اور رفع نزاع کی خاطر وہ اس امانت کے بقدر رقم زکوٰۃ کی نیت سے اس شخص کو ادا کردے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ قاضی خاں)۔

مسئلہ:۔ کسی محتاج کو نیت کے بغیر کچھ رقم دی اور پھر اس نے زکوٰۃ کی نیت کرلی تو یہ نیت اس وقت صحیح ہوگی جب کہ نیت کے وقت تک اس محتاج شخص نے وہ رقم خرچ نہ کی ہو، اگر خرچ کرلی تو اب زکوٰۃ کی نیت درست نہیں، (اگر زکوٰۃ کی نیت کربھی لی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی)۔ (معراج الدرایہ، بحرالرائق، عینی، ھدایہ، فتاویٰ دارالعلوم ص۷۹ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۳ ج۱)۔

مسئلہ:۔ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کی جانب سے خود اسی کے مال سے اس کی زکوٰۃ ادا کردی، پھر اس شخص نے اس کی اجازت دے دی تو اس وقت تک اگر دی ہوئی رقم اس مستحق کے پاس موجود ہے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، ورنہ ادا نہ ہوگی۔ (سراجیہ)۔

مسئلہ:۔ جس نے اپنا سارا مال خیرات کردیا مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو بطور استحسان اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، یعنی قیاس کا تقاضہ تو یہی تھا کہ نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہو، مگر چونکہ اب اس کے پاس کوئی مالیت باقی نہیں رہی اس لیے اس صورت

کے تحت زکوٰۃ اس کے ذمّے سے ساقط ہو جائے گی۔ (عالمگیری ص۵ ج ۴)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی مقدار کو باقی مال سے جدا کرتے وقت کی نیت بھی کافی ہے، اگرچہ یہ خلافِ اصول ہے، کیونکہ مستحقین کو دیتے وقت نیت علٰحدہ علٰحدہ ہوگی اور ہر مرتبہ نیت کرنے میں دشواری ہوگی، اس لیے زکوٰۃ کی رقم علٰحدہ کرتے وقت کی نیت کافی ہوگی۔ لیکن محض جدا کرنے سے عہدہ برا نہیں ہوگا بلکہ فقراء کو دے کر عہدہ برار ہوگا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۳۳۱ ج ۱)

بلا نیت زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ جو رقم بلا نیت زکوٰۃ خیرات کی گئی، وہ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوگی اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (فتاوی دار العلوم ص۲۳۶ ج ۶ و در مختار ص۱۳ ج ۱)۔

(اور اگر کسی نے سارا مال ہی خیرات کر دیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، کیونکہ مال ہی ختم ہو گیا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

کیا گھر والے زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم دے سکتے ہیں؟

سوال:۔ جس شخص کو زکوٰۃ دینی ہو، اگر اس کے گھر کے افراد زکوٰۃ کی نیت سے کسی کو کچھ دیدیں اور مالک کو اطلاع کر دیں تو کیا حکم ہے؟۔

جواب:۔ اگر مالک (صاحب نصاب) نے پہلے سے اپنے گھر کے آدمیوں کو اجازت دے رکھی ہے، زکوٰۃ ادا کرنے کی، تب تو جس وقت اس کے گھر کے افراد نے بہ نیتِ زکوٰۃ کسی کو کچھ دیا، زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر مالک کی اجازت دینے تک اگر وہ روپیہ زکوٰۃ کا اس کے پاس موجود ہے جس کو دیا گیا تو نیتِ زکوٰۃ صحیح ہوگی اور زکوٰۃ ادا ہو گئی، اور اگر خرچ ہو گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاوی دار العلوم ص۱۰۱ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۴ ج ۲)۔

کیا زکوٰۃ و صدقہ کا ثواب سب گھر والوں کو ملے گا؟

سوال:۔ اگر کسی گھر میں نو یا دس افراد ہیں اور ایک شخص کا اختیار تمام چیزوں پر ہے اور مختار سب کی خوشی سے بنایا گیا ہے، اگر وہ صدقہ دے گا تو اسی کو ثواب ملے گا یا سب گھر والوں کو؟

جواب:۔ جب کہ صدقہ خیرات سب کے مالِ مشترکہ سے ان کی اجازت سے ہے،

توسب کو ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم صہ ۳۴ ج ۶)۔

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ ادا کی جائے اور کسی شرعی وجہ سے وہ ادا نہ ہو تو ثواب ملے گا۔
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (القرآن)۔ (فتاویٰ دارالعلوم صہ ۲۳۳ ج ۶)۔

زکوٰۃ ادا کیے بغیر مرجائے تو کیا حکم ہے؟

سُوال:۔ ایک صاحب نصاب کے ذمہ مال کی زکوٰۃ واجب الادا تھی، مگر وہ زکوٰۃ ادا کیے بغیر ایک نابالغ لڑکا چھوڑ کر فوت ہوگیا، تو کیا بیوہ اس مال میں سے زکوٰۃ نکالے؟

جواب:۔ بغیر وصیت کے مرنے والے کے مالِ متروکہ مشترکہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جاسکتی کیونکہ وارث نابالغ لڑکا بھی ہے۔ اس کے حصہ میں بلا وصیت کے یہ تصرف نہیں ہوسکتا (فتاویٰ دارالعلوم صہ ۳۳ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار صہ ۹۵ ج ۲ باب صدقۃ الفطر)۔

مرحوم شوہر کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ مرحوم شوہر کی زکوٰۃ بیوہ کے ذمہ فرض نہیں ہے، اس کے مرحوم شوہر کے ذمہ ہے وہی گنہگار ہوگا، اس کی طرف سے اگر وارث ادا کردیں تو اچھا ہے۔ (آپ کے مسائل صہ ۲۴۷ ج ۳ وفقہ الزکوٰۃ صہ ۳۸ ج ۲)۔

زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد انتقال ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ واجب ہوجانے کے بعد مرجائے تو اس کے مال کی زکوٰۃ نہ لی جائے گی۔ ہاں اگر وہ وصیت کرگیا ہو تو اس کا تہائی مال زکوٰۃ میں لے لیا جائے گا۔ گو یہ تہائی پوری زکوٰۃ کو کفایت نہ کرے اور اگر اس کے وارث تہائی سے زیادہ دینے پر تیار نہ ہوں تو جس قدر وہ اپنی خوشی سے دے دیں لے لیا جائے گا (علم الفقہ صہ ۳۱ ج ۴)

زکوٰۃ کی رقم الگ کر کے فوت ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

سُوال:۔ زکوٰۃ کی نیت سے زکوٰۃ کی رقم الگ کرلی یا وکیل کو دے دی، اس حالت میں ادائیگی سے قبل انتقال ہوگیا تو اس

رقم کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر میّت نے وصیت بھی کی ہو تو یہ رقم زکوٰۃ میں دی جائے گی، بشرطیکہ کل ترکہ کی ایک تہائی سے زائد نہ ہو، اور اگر وصیت نہیں کی تو ترکہ میں شمار کر کے وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ وکیل مزکی (مرنے والے نے اپنی زکوٰۃ کا وکیل بنایا تھا) اختیار دیا تھا) فقیر کے قائم مقام نہیں، اور جس پر کہ زکوٰۃ واجب ہوئی تھی، اس کی موت سے یہ معزول ہوگیا ہے، اس لیے اس کو یہ رقم زکوٰۃ میں صرف کرنے کا اختیار نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۶۵ ج۴)۔

کیا میّت کے مال سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی؟

مسئلہ: میّت کے مال سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی کیونکہ زکوٰۃ کے لیے نیت شرط ہے۔ وہ اس صورت میں پائی نہیں گئی، اور اگر مرنے والے نے زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیت کی تھی تو زکوٰۃ کا اس کے تہائی مال سے لینا معتبر ہوگا۔ کل مال سے لینا معتبر نہیں ہے، کیونکہ وصیت تہائی مال میں جاری ہوتی ہے، البتہ اگر وُرثا کل مال سے دینا چاہیں تو کل مال سے لینا درست ہوگا۔

(در مختار ص۴۹ ج۲ و عالمگیری ص۴۶ ج۴)۔

کیا کاغذ کے نوٹ مال کے حکم میں ہیں؟

سونے اور چاندی کو خصوصیت قانونِ شرعی میں صرف اس لیے دی گئی کہ پوری دنیا میں وہی معیارِ زر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں کھایا نہیں جا سکتا، اوڑھا نہیں جا سکتا، بچھایا نہیں جا سکتا، ان کی اہمیت فقط یہ ہے کہ ان کے بدلے دوسری ضروریات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ایک گرام سونا دے کر آپ اپنی ضروریاتِ زندگی فراہم کر سکتے ہیں اور یہ کاغذ کا نوٹ ہی دے کر آپ چاندی اور سونا بھی خرید سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کاغذ کے نوٹ کی قانونی حیثیت جو بھی ہو، وہ مسلّمہ طور پر مال اور دولت ہے محض ظاہری شکل و ہیئت نے اس کی افادیت میں کوئی فرق واقع نہیں کیا۔

قرآن شریف میں دسیوں جگہ پر اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذکر فرمایا ہے:۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ   اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے

(۲) يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ وہ تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے۔

ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ ایسی تمام آیات میں رزق سے مراد محض پکا ہوا کھانا، یا اُناج (جنس) یا چاندی سونا یا جائداد نہیں بلکہ وہ چیز ہے جسے محاورے میں "مال و منال" کہا جاتا ہے۔ کسی شخص کے پاس سونا چاندی نہ ہو مگر ایک کروڑ روپے کاغذی نوٹوں کی شکل میں جمع ہوں تو اسے مفلس و غریب نہیں بلکہ مالدار کہیں گے۔ ان نوٹوں پر "رزق" کا اطلاق ہوگا کیونکہ یہ کاغذی بے فائدہ رسیدیں نہیں بلکہ اپنی پشت پر حکومتِ وقت کی ضمانت لیے ہوئے سکے ہیں جن سے ہر چیز پلک جھپکتے ہی خریدی جا سکتی ہے اور آج تو عرفِ عام میں سونا اور چاندی بھی ان کی کنیز و غلام ہیں۔ کیونکہ زندگی گذارنے کا ہر سامان یہ چٹکی بجاتے ہی مہیا کر سکتے ہیں۔

مزید دیکھئے گا، سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے:-

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً الخ — جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال دن رات، چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے اللہ کے پاس ان کا اجر ہے۔ (پارہ ۳، البقرہ)

کیا آدمی دن رات غربا کو سونا و چاندی بانٹے گا؟ کیا اس آیت میں مال کا اطلاق سوائے ان سکوں کے بھی کسی اور چیز پر ہوتا ہے جن سے ہر چیز خریدی جاتی ہے۔

قرآن بار بار لفظ "اموال" بھی استعمال کرتا ہے، اموال مال ہی کی جمع ہے۔ مال ہر وہ شے ہے جس کے بدلے آپ کوئی ضرورتِ زندگی حاصل کر سکیں، اس کاغذ کے نوٹ سے بڑھ کر مال اور کیا ہوگا جسے کسی بھی ملک میں اس سرے سے لے کر اس سرے تک ہر فرد بلا تامل قبول کر کے بدلے میں مطلوبہ چیز دیتا ہے، ہندوستان کا نوٹ پاکستان میں یا پاکستان کا نوٹ امریکہ میں نہ چلے بغیر تبدیلی کرنسی کے تو اس سے اس کی حیثیت پر کیا اثر پڑا، جو زکوٰۃ کا بنیادی موجب ہے، یعنی اہلِ حاجت کی حاجت براری آپ یہ کاغذی نوٹ ہندوستان میں بیٹھ کر کسی امریکی غریب کو تو دے نہیں رہے ہیں جو اس کو

امریکہ لے جاکر غلّہ وغیرہ خریدنے کی کوشش کرے گا۔ آپ اپنے ہی ملک کے ان غرباء کو دے رہے ہیں جو اسی ملک میں اس سے اپنی ضروریات حاصل کریں گے۔ پھر بتایئے کیا وجہ ہو کہ اس کاغذی نوٹ پر زکوٰۃ عائد نہ ہو جو تمام ضروریات کی شاہ کلید ہے۔

(یعنی اس کاغذ کے نوٹ ہی سے تمام چیزیں خریدی جاسکتی ہیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

سونے وچاندی کی اہمیت کیوں ہے؟

سونا اور چاندی دونوں ایسی قیمتی نادر اور نفیس اشیاء ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ان دونوں اشیاء کو بنی نوع انسان کے لیے اس قدر مفید بنایا ہے کہ انسانیت کے آغاز آفرینش سے یہ دونوں چیزیں انسانی معاشرے میں زرِ نقد اور قیمتِ اشیاء کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ اسی لیے شریعت نے ان دونوں معدنی اشیاء کو فطری طور پر افزائش پذیر دولت (مالِ نامی یعنی بڑھنے والی) قرار دیا ہے اور ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، خواہ یہ زرِ نقد کی صورت میں ہوں یا ان کے پترے اور تختیاں ڈھال لی گئی ہوں یا ان کے برتن، مجسمے، آرائشی اشیاء اور زیورات وغیرہ بنالیے گئے ہوں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۳۲۱ ج اول)۔

انسان جہاں بھی رہا ہے اس نے سونے، چاندی کی دریافت کے بعد انھیں مالی معاملات اور کاروباری لین دین کے لیے معیار اور پیمانہ قرار دیا ہے۔ دنیا کی تمام مادّی چیزوں کی قدر و قیمت اسی کے تحت قائم کی جاتی ہے اور تبادلۂ اجناس میں بھی اس کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ دینِ الٰہی نے بھی اپنی تشریح و تفصیل میں انسانی زندگی کے ہر اتار چڑھاؤ کو ملحوظ رکھا ہے، چونکہ انسانی آبادیوں میں سونے اور چاندی کو ایک بنیادی پیمانے کی حیثیت دائمی طور پر حاصل ہوگئی ہے، اس لیے اسلام نے بھی اس پیمانے کو برقرار رکھا ہے (عالمگیری ص۲۰ ج۴)۔

سونے، چاندی کے نصاب میں اس قدر تفاوت کیوں؟

سوال:- زکوٰۃ ان لوگوں پر واجب ہے جن کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا سال بھر تک رہا ہو

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ باون تولہ چاندی کو ساڑھے سات تولہ سونے سے کیا نسبت ہے، مثلاً چاندی کا بھاؤ (ریٹ) اگر روپیہ تولہ ہے تو اس کی قیمت باون روپیہ آٹھ آنے ہوتی ہے اور اگر سونے کا ریٹ تیس روپیہ تولہ ہو تو اس کی قیمت دو سو پچیس روپے ہوجاتے ہیں

کیا پہلے زمانہ میں مذکورہ بالا وزن سونے اور چاندی کی قیمت برابر ہوا کرتی تھی؟۔

جواب:۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی ایک زمانہ تک چاندی اور سونے کی قیمت میں تقریباً اسی قدر تفاوت تھا جس قدر ان کے نصاب میں تفاوت ہے۔ اس زمانہ میں ایک دینار سونے کا دس درہم نقرہ (چاندی) کی قیمت کے برابر تھا۔ اس حساب سے سونا تقریباً دس روپے تولہ ہوتا تھا۔ (فتاوی دارالعلوم ص۱۰۱ ج بحوالہ ردالمحتار ص۴۲ ج۲ باب المال)۔

سونے وچاندی پر زکوٰۃ کیوں ہے؟

سوال:۔ یہ عذر کہ اگر ہر سال زکوٰۃ دیتے رہیں تو بعضے مال تو تقریباً ختم ہوجائینگے مثلاً جس روپے سے ہم تجارت نہیں کرتے ویسے ہی رکھا ہے، یا زیور کہ تجارت کے کام ہی کا نہیں تو نشو ونما کچھ ہوگا نہیں، اور ہر سال ایک جزو زکوٰۃ کا نکلا کرے گا تو یوں ہی فنا (ختم) ہوجائے گا؟

جواب:۔ اس کا یہ ہے کہ روپیہ سے تجارت کرنے کو کس نے منع کیا ہے۔ اب اگر خود نہ کرو تو شریعت اس کی ذمہ دار نہیں۔

اسی طرح چاندی، سونا، زیور کے لیے اصل خلقت میں وہ "ثمن" ہے (یعنی روپیہ سکہ رائج الوقت) جو تجارت کے لیے پیدا ہوا ہے، سو زیور تم نے خود اپنی خوشی سے بنایا ہے شریعت اس کی ذمہ دار نہیں ہے، جب تم چاہو اس سے سکہ (روپے) بدل کر تجارت کر سکتے ہو اور جس سے وہ اپنی زکوٰۃ کا خود کفیل ومتحمل ہوسکتا ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۴۰ ج)۔

مسئلہ:۔ شریعت اسلامیہ نے مقدار پر زکوٰۃ فرض کرکے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ اس سرمایہ کو بے کار نہ پڑا رہنے دے بلکہ اسے افزائش بخش کاموں (تجارتوں)

میں لگائیں، خود فائدہ اٹھائے اور معاشرے کو اور سماجی اقتصادیات کو فائدہ پہونچائے (فقہ الزکوٰۃ ص۱ ج۱)۔

مسئلہ:- جب تک بقدرِ نصاب روپیہ (وزیور) موجود ہے تو زکوٰۃ واجب ہونا خلافِ عقل نہیں ہے کیونکہ جو شخص مالکِ نصاب ہے وہ شرعاً اور عرفاً غنی (مالدار) کہلاتا ہے اور مالدار کو محتاجوں کی خبر گیری اور ان کو اپنے پاس سے کچھ دینا مروّت اور عقل کا مقتضیٰ ہے (فتاویٰ دار العلوم ص۵۳ ج۶)

(اسلام کے اس قانونِ زکوٰۃ کا منشاء یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ روپے جمع کرکے بے کار نہ رکھ چھوڑیں بلکہ اسے کاروبار میں یا زمین وجائداد میں لگائیں تاکہ ملک اور قوم کو اس سے فائدہ ہو اور زکوٰۃ بار نہ گذرے، نقد جمع رکھنے سے ملک اور قوم کا کھلا نقصان ہے، کیونکہ جب اس روپے میں یا سونے چاندی میں نمو اور بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے، اب کوئی اسے روک کر رکھے خرچ نہ کرے اور جو کام اس سے لینا ہے نہ لے، تو یہ روکنے یعنی جمع کرنے والے کا قصور ہے، زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب زیادتی نہیں، اس مالیت میں خود صلاحیت موجود ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

زکوٰۃ کے ڈر سے مسلم کو غیر مسلم لکھوانا کیسا ہے؟ ایک صاحب نے ایک عورت کو مشورہ دیا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو غیر مسلم لکھوا دیں تو زکوٰۃ نہیں کٹے گی (سرکاری طور پر) کیا ایسا کرنے سے ایمان پر اثر نہیں پڑے گا؟

جواب:- کسی شخص کا اپنے آپ کو غیر مسلم لکھوانا کفر ہے۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کرنا ڈبل کفر ہے، اور کسی کو کفر کا مشورہ دینا بھی کفر ہے۔ پس جس شخص نے غیر مسلم لکھوانے کا مشورہ دیا اس کو اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرنی چاہیے۔ اور اگر بیوہ عورت نے اس کے کفریہ مشورہ پر عمل کرلیا ہو تو اس کو بھی از سرِ نو ایمان کی تجدید کرنی چاہیے۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۳ ج۳)۔

زکوٰۃ کے بچنے کے لیے مال کا ہبہ کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص اپنا مال کسی کو ہبہ (بغیر پیسوں کے) کردے اور ایک سال کے بعد رجوع کرے یعنی وہ ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے لے تو اس کی زکوٰۃ واہب (ہبہ کرنے والے) پر ہوگی نہ کہ موہوب (جس کو دیا) پر۔ اور ہبہ کرنے سے پہلے جتنے زمانہ تک وہ مال واہب کے قبضہ میں رہا تھا وہ زمانہ کالعدم سمجھا جائے گا، اس کا حساب نہ کیا جائے گا، مثلاً کسی نے زکوٰتی مال (جس مال پر زکوٰۃ واجب ہوئی تھی) دس مہینے تک اپنے پاس رکھ کر کسی کو ہبہ کردیا اور پھر چند روز کے بعد اس سے واپس لے لیا تو اب وہ زمانہ محسوب کرکے دو مہینے کے بعد اس پر زکوٰۃ دینے کا حکم نہ دیا جائے گا بلکہ از سرِ نو پورا سال گذر جائے گا، تب زکوٰۃ واجب ہوگی، جب اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

اور اگر کوئی شخص خاص کر زکوٰۃ کے ساقط (ختم) کرنے کی نیت سے یہ حیلہ کرے کہ زکوٰۃ کا مال جب ختم ہونے کے قریب آئے تو وہ مال کسی کو ہبہ کردے، پھر واپس لے لے تو اگرچہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی مگر یہ فعل اس کا مکروہ تحریمی ہوگا، کیونکہ اس میں فقیروں کا نقصان اور ان کے حق کا باطل کرنا اور زکوٰۃ کے دروازہ کا بند کرنا ہے (علم الفقہ ص ۳۴ ج ۴)

صاحب نصاب دیوالیہ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا، لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں نکالی تھی کہ سارا مال چوری ہوگیا، یا اور کسی طرح سے جاتا رہا تو زکوٰۃ بھی معاف ہوگئی۔ اگر خود اپنا مال کسی کو دے دیا، یا اور کسی طرح اپنے اختیار سے ہلاک کر ڈالا تو جتنی زکوٰۃ واجب ہوئی تھی وہ معاف نہیں ہوئی، بلکہ دینا پڑے گی (بہشتی زیور ص ۲۷ ج ۳ بحوالہ ھدایہ ص ۱۷۳ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ سال پورا ہونے کے بعد کسی نے اپنا سارا مال خیرات کردیا تب بھی زکوٰۃ معاف ہوگئی۔ (بہشتی زیور ص ۲۷ ج ۳ بحوالہ ہدایہ ص ۱۶۸ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ کسی کے پاس دو سو روپے تھے، ایک سال کے بعد اس میں سے ایک سو روپے چوری ہوگئے یا ایک سو روپے خیرات کردیئے تو ایک سو روپے باقی ماندہ کی زکوٰۃ

دینا پڑے گی اور ایک سو کی زکوٰۃ معاف ہوگی (بہشتی زیور ص۲۷ ج ۳ بحوالہ مشکوٰۃ ص۱۵۹ ج ۱)۔

سونے و چاندی کا چالیسواں حصہ اگر پیسوں سے نکالا تو آئندہ زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میرے پاس نصاب کا سونا آٹھ تولہ ہے۔ میں نے آٹھ تولے کی زکوٰۃ ادا کی پیسوں سے (آئندہ سال تک میں نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا اور پچھلے سال کی زکوٰۃ نکال کر یہ سونا نصاب سے کم ہے یعنی موجود تو آٹھ تولے ہی ہے، لیکن چونکہ میں آٹھ تولے کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ادا کر چکا ہوں تو وہ چالیسواں حصہ نکال کر پھر حساب بنے گا یا ہر سال آٹھ تولے پر ہی زکوٰۃ دینا ہوگی؟

جواب:۔ پہلے سال آپ کے پاس آٹھ تولے سونا تھا، آپ نے اس کی زکوٰۃ اپنے پاس سے پیسوں سے ادا کردی اور وہ سونا جوں کا توں آٹھ تولے محفوظ رہا تو آئندہ سال بھی اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں! اگر آپ نے سونا ہی زکوٰۃ میں دیدیا ہوتا اور سونے کی مقدار ساڑھے سات تولے سے کم ہوگئی ہوتی اور آپ کے پاس کوئی اور اثاثہ (سامان وغیرہ) بھی نہ ہوتا جس پر زکوٰۃ آتی ہو تو اس صورت میں آپ پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۶ ج۳)

مسئلہ:۔ لیکن سونے کی یہ مقدار تو آپ کے پاس محفوظ ہے اور سال پورا ہونے تک محفوظ رہے گی۔ اس لیے آئندہ سال بھی اس پوری مالیت پر زکوٰۃ لازم ہوگی، البتہ اگر سونے ہی کا کچھ حصہ زکوٰۃ میں ادا کردیتیں اور باقیماندہ سونا بقدرِ نصاب نہ رہتا تو اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس سونے کے علاوہ تو آپ کے پاس کوئی ایسی چیز تو نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہے مثلاً نقد روپیہ یا تجارتی مال یا کسی کمپنی کے حصص (شیئرز) وغیرہ، بس اگر سونے کے علاوہ کوئی اور چیز بھی موجود ہو جس پر زکوٰۃ آتی ہے اور وہ سونے کے ساتھ مل کر نصاب کی مقدار کو پہونچ جاتی ہے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۵ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ جس روپے کی زکوٰۃ ایک سال ادا کردی گئی ہے تو اگر وہ روپے (نصاب کے برابر) آئندہ سال تک محفوظ رہے اور بقدرِ نصاب ہوں تو پھر اس میں آئندہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور جب نصاب سے کم ہوجائیں تو زکوٰۃ نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۵۴ ج۴)

کیا کاغذ کے نوٹوں پر زکوٰۃ ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں درہم (چاندی کے سکے) ہی وہ بنیادی اکائی تھی جس پر سارے لین دین چالو ہوتے تھے، اس کے بعد سونے کے دینار (سکے) کو یہ درجہ حاصل تھا، لیکن زیادہ تر کاروبار درہموں ہی پر ہوتا تھا، اس وقت باہر کی ترقی یافتہ دنیا بھی ان ہی پیمانوں سے آشنا تھی، اس لیے اس وقت شریعت نے مالی اعتبار سے لین دین، زکوٰۃ، صدقات وخیرات وغیرہ کی جتنی تفصیلات بیان کی ہیں وہ زیادہ تر درہم کو سامنے رکھ کر بیان کی ہیں، اس میں وزن کا بھی لحاظ کیا گیا ہے اور درہم کی عددی حیثیت کو بھی زکوٰۃ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

اس وقت دنیا درہم کے چلن سے خالی ہو چکی ہے مگر درہم کی مالیت کا بدل رائج الوقت سکوں کو قرار دے کر زکوٰۃ کا تعلق ان سے قائم کر کے کیا جائے گا خواہ کسی جگہ روپیہ وقت کا سکہ ہو، یا شلنگ یا پونڈ ہو، ڈالر یا روبل ہو، لیرہ یا دینار ہو، دو سو درہم کی مالیت (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت) کے بقدر موجودہ سکوں کی مالیت قائم کر کے ان سکوں کو درہم کا قائم مقام قرار دیا جائے گا، اس طرح ہر ملک میں، ہر وقت زکوٰۃ کا یہ نصاب چالو و نافذ ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲ ج۴)۔

مسئلہ:۔ نوٹ (کاغذ کے) جب کہ بقدر نصاب ہوں زکوٰۃ واجب ہے اور زکوٰۃ روپیہ سے ادا ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۳۰ ج۲)

مسئلہ:۔ کاغذ کے نوٹوں پر حولانِ حول یعنی سال گذرنے پر زکوٰۃ لازم ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۶۳ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۳ ج۲)۔

مسئلہ:۔ جمہور فقہاء کے نزدیک کاغذ کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ عام کاروبار میں سونے چاندی کی جگہ ان سے کام لیا جاتا ہے اور ان کا لین دین چاندی کے بجائے بغیر کسی دشواری کے ممکن ہے۔ (کتاب الفقہ ص۹۸۴ ج۱ و فقہ الزکوٰۃ ص۳۶۵ ج۱)۔

(۱) ہر قانون کے کچھ مصالح اور مفادات ہوا کرتے ہیں، زکوٰۃ کی یہ مصلحت کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ضرورت سے

زائد رزق دیا ہے وہ اپنے رزق کا کچھ حصہ ان بندگانِ خدا کی طرف منتقل کریں جنھیں رزق کم ملا ہے اور مزید رزق کے محتاج ہیں۔

نوٹ کی قیمت آئینی حیثیت خواہ کچھ ہو، دیکھنا یہ ہے کہ اس پر مال و دولت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔ آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے یہ اصطلاح زبان زدِ خاص و عام ہے کہ فلاں شخص مالدار ہے، اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہوئے یہ تشویش کسی کے ذہن میں نہیں ہوتا کہ اس شخص کے پاس لازماً سونا چاندی جمع ہے بلکہ صرف یہ بات ذہن میں ہوتی ہے کہ یہ شخص پیسے والا ہے۔ اور آپ بھی لکھ پتی، کروڑ پتی اسے ہی کہتے ہیں جس کے پاس لاکھ، کروڑ روپے جمع ہوں، خواہ کاغذی نوٹوں کی شکل میں، خواہ چاندی یا سونے کے سکوں کی شکل میں۔

آج کل تو کم سے کم ہمارے ملک میں چاندی یا سونے کے سکوں کا سوال ہی نہیں۔ ناپید ہیں۔ دولت یا تو جائداد کی شکل میں ہوتی ہے یا کاغذی نوٹوں کی شکل میں۔ یہ کاغذ کا نوٹ ہی وہ چیز ہے جس سے آپ بازار کی ہر چیز خریدتے ہیں، خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان یہ بحث نہیں اُٹھتی کہ یہ اصل دولت ہے یا اس کی رسید۔ سونے و چاندی سے بڑھ کر ان کاغذوں میں تاثیر ہے کہ مثلاً ایک ماشہ چاندی یا سونا لے کر آپ سبزی فروش کی دوکان پر چلے جائیں کہ لاؤ دو کلو گوبھی اور ایک کلو آلو دے دو اور باقی پیسے لوٹا دو تو وہ آپ کی صورت دیکھ کر رہ جائے گا اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہوں گی لیکن یہ کاغذ کا نوٹ لے کر آپ جائیں تو کسی بحث اور تاخیر کے بغیر آپ کو ترکاری وغیرہ اور بقیہ ریزگاری وغیرہ مل جائے گی، اسی کا نام ہے دولت۔ یہی ہے وہ چیز جس کی غریب کو حاجت ہے۔ فاقہ کش کے لیے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے آپ کا دیا ہوا یہ کاغذ کا نوٹ ہی کافی ہو جاتا ہے اور نان بائی، ہوٹل والا اس سے یہ بحث نہیں کرتا کہ تم دولت

نہیں بلکہ صرف رسید لیے پھر رہے ہو، خلاصہ یہ کہ کاغذ کے نوٹوں پر نصاب کے برابر ہو جائیں تو زکوٰۃ ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

جمع شدہ نوٹوں پر زکوٰۃ کیوں ہے؟

مسئلہ:۔ روپیہ حقیقۃً رکھنے (جمع کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ کام (تجارت) بڑھانے کے لیے ہے، اس کو بے کار و محفوظ رکھنا اصل کے خلاف ہے۔ اس لیے اس کے رہنے اور رکھنے میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۴۵ ج۴)۔

نوٹ بھنانے پر بٹّہ لینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ ضرورت کے وقت نوٹ بھنانے میں بٹّہ دینا جب کہ کوئی صورت پورا روپیہ ملنے کی نہ ہو درست ہے، اگرچہ اصل قاعدہ سے بٹّہ (کٹوتی) دینا نوٹ پر درست نہیں، لیکن بضرورت مجبوری بٹّہ دینا درست ہے اور لینا درست نہیں ہے۔ (فتاوے دارالعلوم ص۱۶۳ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۳ ج۲)۔

کیا سرکاری ٹکٹوں پر زکوٰۃ ہے؟

(پوسٹ کے ٹکٹوں کا بھی یہی معاملہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دولت ان ٹکٹوں میں منتقل کر کے نہیں رکھتا، اگر یہ ٹکٹ رائج الوقت ہیں تو لوگ انھیں خرچ کے مطابق ہی خریدتے ہیں، خرید کر استعمال کر ڈالتے ہیں۔ ان پر سال گذرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر سال گذر بھی جائے تو یہ ضروریات میں شامل ہیں۔ انھیں اگر کاروباری مراسلت میں صرف کیا جاتا ہے تو ان کی زکوٰۃ فی الحقیقت اس زکوٰۃ میں شامل ہے جو کاروبار پر قواعد کے مطابق واجب ہوگی، اور اگر وہ ذاتی مراسلت کے لیے ہیں تو ان کا "ضروریات" میں شامل ہونا ظاہر ہی ہے، آخر غیر تجارتی کتابوں اور ذاتی رہائش کے مکانوں اور مصنوعات نکالنے والی مشینوں پر بھی تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

رہے وہ پرانے ٹکٹ جنھیں بعض لوگ جمع کرتے ہیں تو اگر محض شوقیہ جمع کیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بے قیمت شئے ہیں اور اگر فروخت کی نیت سے کیا ہے تو ان کی قیمت ہی متعین نہیں محض اتفاق (چانس) پر منحصر ہے کہ دو پیسے والا ٹکٹ دو ہزار کا بک جائے یا دو روپے میں

بھی نہ بکے۔ لہٰذا ان پر فی الحال زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی کہ یہ مال ہی نہیں ہیں۔ ہاں جب فروخت ہوجائیں گے تو حاصل شدہ رقم پر سال بھر بعد اسی قاعدے سے زکوٰۃ واجب ہوگی جس قاعدے سے روپے پیسے پر ہوتی ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

ضروریات کے لیے جو رقم ہے اس کا حکم

سوال:- ایک شخص کے پاس کئی ہزار روپے جمع ہیں، اس پر سال بھی گذر چکا ہے، مگر اس کے پاس نہ مکان ہے اور نہ ہی گھریلو سامان، ابھی شادی بھی نہیں کی، انہی ضروریات کے لیے روپیہ جمع کر رکھا ہے، اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟۔

جواب:- اس پر زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر سال پورا ہونے سے قبل تعمیر مکان کا سامان یا گھریلو استعمال کی اشیاء وغیرہ خرید لے تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۱ ج۴ بحوالہ ردالمحتار ص۸ ج۲)۔

مسئلہ:- اگر نصاب کے بقدر رقم کسی خاص مقصد مثلاً بہن وغیرہ کی شادی کے لیے جمع کر رکھی ہو تب بھی اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۳ ج۳)۔

مسئلہ:- اپنی کسی خاص ضرورت کے لیے جو روپیہ جمع کیا ہے تو اس پر بھی ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۴ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۳ ج۲)۔

(یعنی سال کے اندر اندر اگر ختم ہوجائے تو زکوٰۃ نہیں ہے اور باقی نصاب کے برابر ہے تو زکوٰۃ ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

کیا گھر کے تمام افراد کے مال کی زکوٰۃ گھر کے سربراہ پر ہے؟

سوال:- میں گھر کا سربراہ ہوں، میرے دونوں لڑکے صاحب روزگار ہیں، اور میرے لڑکوں کی بیویوں کے پاس کم سے کم بارہ بارہ تولہ فی کس زیورات ہیں اور میری اہلیہ کے پاس پانچ تولہ کے زیور اور کنواری لڑکی کی شادی کے لیے تین تولہ کے زیورات ہیں جس کو ایک سال سے خرید کر رکھا ہوں، نیز آج کل مشترکہ خاندان میں بھی زیور پر متعلقہ عورت کی ذاتی ملکیت ہی شمار ہوتا ہے۔ ایک عورت کا زیور دوسری عورت مستقل طور پر نہیں لے سکتی۔ یہاں تک کہ

ساس اپنی بہو کا زیور اپنی لڑکی کو نہیں دے سکتی۔ کیا ایسی صورت میں مجھے گھر کے تمام زیور کی مالیت کے مطابق زکوٰۃ نکالنا چاہیئے؟ یا فرداً فرداً کے حساب سے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے میں ہر شخص کی انفرادی ملکیت کا اعتبار ہے۔ آپ کی بہوؤں کے پاس جو زیور ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس کا مالک کون ہے؟ آپ کی بہوؤں کا زیور اگر ان کی ملکیت ہے تو زکوٰۃ ان کے ذمہ واجب ہے اور اگر کچھ زیور بہوؤں کی ملکیت ہے۔ مثلاً جو زیور ان کے میکے سے ملا ہے اور کچھ لڑکوں کی ملکیت، تو اگر ہر ایک کی ملکیت نصاب کو پہنچتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح آپ کی اہلیہ کے پاس جو سونا ہے وہ اگر اس کی مالک ہیں اور اس کے علاوہ ان کی ملکیت میں کوئی روپیہ پیسہ نہیں تو ان کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہے (کیونکہ صرف پانچ تولہ پر زکوٰۃ نہیں ہوتی) اور اگر وہ سونا آپ کی ملکیت ہے تو دوسرے اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ اس زیور کی زکوٰۃ بھی آپ کے ذمہ ہوگی۔ آپ نے لڑکی کے لیے جو سونا خرید رکھا ہے، اس کے بارے میں بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ نے وہ سونا لڑکی کی ملکیت کردیا ہے یا نہیں؟ اگر لڑکی کی ملکیت نہیں ہے تو اس کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ ہے۔ اور اگر لڑکی کی ملکیت ہے اور اس کے پاس کوئی نقد روپیہ پیسہ نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور اگر کچھ روپیہ بھی اس کے پاس ہے تو زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۵ ج۳)۔

انفرادی ملکیت پر زکوٰۃ ہے

سوال:۔ کسی گھر میں تین بھائی اکٹھے رہتے ہوں ایک ہی جگہ کھاتے ہوں، لیکن کمائی الگ ہوں۔ ہر ایک کی بیوی کے پاس ڈھائی یا تین تولہ سونا ہو اور سب کا ملا کر تقریباً ساڑھے آٹھ تولہ سونا بنتا ہو تو کیا ان کو اس زیور کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

جواب:۔ اگر ان کے پاس اور کوئی مال نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ نصاب کی حد کو پہنچتا ہو تو ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ کیونکہ نصابِ زکوٰۃ میں انفرادی ملکیت کا اعتبار ہے اور یہاں کسی کی انفرادی ملکیت بقدرِ نصاب نہیں۔

(آپ کے مسائل ص۳۴۵ ج۳)۔

مشترکہ گھرداری میں زکوٰۃ کا حکم

سوال :- ہمارے گھر میں یہ طریقہ ہے کہ سب بھائی تنخواہ لاکر والدہ کو دیتے ہیں جو گھر کا خرچ چلاتی ہیں، جب کہ زیور اور کچھ بچت کی رقم ہمارے پاس ہوتی ہے تو کیا زکوٰۃ دینی ہمارے ذمہ ہے یا والدہ صاحبہ کے؟

جواب :- اگر وہ سونا اور بچت کی رقم اتنی ہو کہ اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو سب بھائی صاحب نصاب ہو سکتے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۹ ج۳ و درمختار ص۵۸ ج ۲)۔

مسئلہ :- اگر کچھ مال چند لوگوں کی شرکت میں ہو تو ہر ایک کا حصہ علیٰحدہ کر کے اگر نصاب پورا ہوتا ہو تو زکوٰۃ اس پر فرض ہوگی ورنہ نہیں۔ (علم الفقہ ص۲۸ ج ۴)۔

جو رقم والدین کو دی جائے اس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

زید نے جو روپیہ ماہواری خرچ کے طور سے اپنے باپ عمر کو دیا اور ان کے پاس بھیجا، عمر (باپ) اس کا مالک ہو گیا۔ پھر جو کچھ روپیہ عمر نے بچایا (اگرچہ اس خیال سے بچایا ہو کہ یہ روپیہ بیٹے زید کے کام آئے گا) اس کا مالک عمر ہے اور بقدرِ نصاب ہو جانے پر سال بھر کے بعد اس کی زکوٰۃ عمر پر واجب ہے، لیکن اگر زید عمر کی طرف سے عمر کی اجازت سے زکوٰۃ گذشتہ زمانہ کی اور آئندہ کی ادا کرے تو درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ زید کو چاہیے کہ عمر کو اطلاع کر دے کہ میں زکوٰۃ اس روپے کی گذشتہ زمانہ کی ادا کرتا ہوں اور آئندہ بھی ادا کرتا رہوں گا، آپ مجھ کو اجازت دے دیجئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۳۸ ج۶ بحوالہ شامی ص۱۴ ج ۲)۔

جو مال کسی دوسرے کے قبضہ میں رہے اس کا حکم

سوال :- زید کا مال اس کے والدین اور بھائی کے قبضہ میں رہا، سن بلوغ سے اس وقت تک کہ اب زید کی عمر بائیس سال ہے، اب زید اپنے کل مال پر قادر و قابض ہوا ہے تو زکوٰۃ کیسے اور کب سے ادا کرنا چاہیے؟

جواب :- آئندہ کو جب سے اس کے قبضے میں مال آیا ہے ایک سال گذرنے پر زکوٰۃ

ادا کرے، گذشتہ زمانے کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۵۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۴۲ ج۲ باب زکوٰۃ المال)۔

جو مال باپ اور بیٹے نے کمایا، اُس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال (۱) زید نے اپنا کمایا ہوا مال والدین کے پاس رکھ دیا اور والد کو اختیار تام حاصل ہے تو زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟ (۲) اور ایک مال والد اور لڑکے دونوں نے کمایا، والد کے قبضہ میں ہے اور وہی متصرف ہے، زکوٰۃ کس پر ہے؟

جواب:۔ (۱) جو مالک ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے یعنی لڑکے پر۔ (۲) اور اس صورت میں چوں کہ والد کو تمام تصرفات اور انتظامات کے متعلق اختیار تام حاصل ہے تو پھر زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی انہی کے ذمہ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۶۰ ج۲ بحوالہ ھدایہ ص۱۶۵ ج۱ کتاب الزکوٰۃ)۔

مسافر پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ مسافر پر بھی (جب کہ وہ صاحب نصاب ہو) اپنے مال کی زکوٰۃ اس لیے واجب ہے کہ وہ اپنے نائب کے ذریعہ سے اپنے مال میں تصرف کی قدرت رکھتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲ ج۱)

کیا استعمال والے زیور پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ زیورات جو عورت کے استعمال میں رہتے ہیں، کیا ان پر زکوٰۃ ہے؟ کیونکہ استعمال میں رہنے والی اشیاء پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور بعض عرب لوگ ایسے زیور کی زکوٰۃ نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ روزمرہ استعمال کی چیز ہے؟

جواب:۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ایسے زیورات پر بھی زکوٰۃ ہے جو استعمال میں رہتے ہوں۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۴ ج۳)۔

مسئلہ:۔ زیور سونے و چاندی کا جب بمقدارِ نصاب ہو، اس میں زکوٰۃ واجب ہے استعمال کرے یا نہ کرے۔ (ہدایہ ص۱۷۷ ج۱)۔

مسئلہ:۔ نقد روپیہ اور زیور، غرض سونے و چاندی کی ہر چیز اور سکہ پر زکوٰۃ ایک

سال گذرنے کے بعد لازم وفرض ہے اگرچہ وہ (زیور روپیہ، پیسہ بغرض حفاظت) دفن ہو یا استعمال میں نہ آتا ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۱۷ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۴۲ ج۲)۔

مسئلہ:۔ حنفیہ رح کے نزدیک زیورات پر بہرحال زکوٰۃ واجب ہے، خواہ وہ مردوں کے ہوں یا عورتوں کے، تراش کر بنے ہوں یا پگھلاکر، برتن ہوں یا کچھ اور، (استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں)۔ یعنی اگر نصاب کے برابر ہوں گے تو زکوٰۃ ہے۔ (کتاب الفقہ ص۹۷۵ ج۱)۔

کھوئے ہوئے زیور کی زکوٰۃ

سوال:۔ اگر کوئی زیور کھویا جائے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر وہ زیور (مال) خود خرچ کردیا تب تو سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ واجب رہے گی۔ اور اگر خود گم ہوگیا تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ اور اگر گم ہونے کے بعد مل گیا تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر اس سال زکوٰۃ پورا ہونے کے بعد ملا، تو ان ایام گم گشتگی کی زکوٰۃ لازم نہ آئے گی، رہا آئندہ کے لیے زکوٰۃ کا آنا، اس کا یہ حکم ہے کہ اگر سوائے اس کے اس شخص کے پاس پہلے سے اس قسم کا نصاب ہے تو اس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی۔ اور اگر نصاب سے کم ہے تب پانے کے وقت سے سال کامل گزرنا شرط ہوگا۔ اور اگر سال کے اندر مل گیا تب بھی دیکھنا چاہیئے کہ اُس کے پاس سوائے اس کے اور مال بھی اس قسم کا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو وقت پانے سے جب ایک سال گذر جائے تب زکوٰۃ لازم آئے گی۔ اور اگر مال بھی ہے کہ دونوں مل کر نصاب زکوٰۃ یا زائد ہوجائے تو اس کی زکوٰۃ مال باقی کے ساتھ دی جائے گی۔ (امداد الفتاویٰ ص۲۳ ج۲)۔

زیور کی زکوٰۃ سے متعلق چند سوالات

سوال (۱) مختلف اوقات میں مختلف زیور خریدے گئے، ان پر زکوٰۃ کب فرض ہوگی؟۔ (۲) زیورات کی خرید کی قیمت پر زکوٰۃ ہے یا کہ موجودہ قیمت پر؟ (۳) زیورات کی قیمت میں موتیوں اور نگینوں کی قیمت اور بنائی کی بھی اجرت لگائی جائے گی یا کہ صرف سونے کی قیمت لگائیں گے؟۔ (۴) زیور میں سونے کے علاوہ ملاوٹ بھی ہوتی

ہے، کیا اس کی زکوٰۃ بھی فرض ہے؟

جواب:۔ آپ کے پاس جس روز اتنا مال ہوگیا کہ سونا، چاندی، مالِ تجارت اور نقدی، ان چاروں یا بعض کا مجموعہ یا ان میں سے کوئی ایک چیز ۶۱۲ر۳۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوگی، اس روز آپ صاحب نصاب ہوگئے، اُس دن کی قمری تاریخ یاد رکھیں ایک سال کے بعد پھر جب یہی قمری تاریخ آئے گی، اس میں آپ کے پاس مذکورہ چاروں چیزوں میں سے جو مقدار موجود ہوگی اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اگرچہ کوئی چیز تاریخ مذکور سے صرف ایک ہی روز پہلے آپ کی ملک میں آئی ہو، بشرطیکہ اس تاریخ میں نصاب پورا ہو، یعنی چاروں چیزوں کا مجموعہ ۶۱۲ر۳۵ گرام چاندی کی قیمت سے کم نہ ہو۔

(۲) جس قمری تاریخ میں سال پورا ہوا اس میں جو نرخ ہوا ہوگا وہ لگایا جائے گا۔

(۳) صرف سونے کی قیمت پر زکوٰۃ ہے، موتیوں اور نگینوں کی قیمت اور زیور بنوانے کی اجرت نہیں لگائی جائے گی۔

(۴) زیور بنانے میں جس حساب سے ملاوٹ شامل کی گئی، اس قسم کے مخلوط قیراطی سونے کی قیمت لگائی جائے گی۔ (احسن الفتاوی ص ۲۷۰ ج ۴)۔

بیوی کے صاحبِ نصاب ہونے سے شوہر کا حکم

مسئلہ:۔ بیوی اگر صاحب نصاب ہو تو اس کی وجہ سے شوہر صاحب نصاب نہیں ہوتا۔ اور قربانی و زکوٰۃ وغیرہ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم ص ۵۰ ج ۶ بحوالہ ہدایہ ص ۱۶۷ ج ۱، کتاب الزکوٰۃ)۔

بیوی کا زیور اور قرض مرد پر

مسئلہ:۔ زیور بیوی کا ہے اور قرض مرد کے ذمہ ہے، اس لیے زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس قرض کو منہا (وضع) نہیں کیا جائے گا، بلکہ بیوی پورے زیور کی زکوٰۃ ادا کرے گی، البتہ اگر بیوی کے ذمہ قرض ہو تو وہ منہا کیا جائے گا۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۷ ج ۳)۔

کیا زکوٰۃ میں شوہر کی اجازت ضروری ہے؟

مسئلہ:۔ اگر وہ زیور شوہر کا دیا ہوا اور بنوایا

ہوا ہے اور اس نے بیوی کی ملک نہیں کیا جیسا کہ (بعض جگہ کا) عرف ہے تو اس کی زکوٰۃ شوہر کے ذمہ ہے عورت پر اس کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔ اگر شوہر اس کی زکوٰۃ نہ دے گا تو وہ گنہگار ہوگا، عورت گنہگار نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ زیور عورت کے جہیز میں اس کے والدین کی طرف سے آیا ہوا ہے تو وہ اس کی ملک ہے، اسی میں سے کچھ حصہ (یا) فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کرے، اور شوہر کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۲۰ ج۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکاۃ ص۱۶۷ ج۱)۔

مسئلہ: جب کہ شوہر نے اس زیور کا مالک بیوی کو بنا دیا تو زکوٰۃ بیوی کے ذمہ ہے اگر شوہر اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے، یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۲۱ ج۶ و ص۴۸ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۵۰۲ ج۲)۔

زیورات کی زکوٰۃ عورت کہاں سے دے؟

سوال: زیورات عورت کی ملکیت ہوتے ہیں، اس کی زکوٰۃ کا بوجھ مرد ہی پر کیوں ڈالا جاتا ہے؟۔ اور اگر عورت خود ادا کرے تو کہاں سے، کیوں کہ اس کے پاس سوائے زیورات کے اور کچھ (نقد) نہیں ہے؟

جواب: جو زیور عورت کا مملوکہ و مقبوضہ ہے اور نصاب کی برابر ہے، اس کی زکوٰۃ اس عورت ہی کے ذمہ واجب ہے، اگر اس کا شوہر تبرعاً بیوی کی طرف سے دیدے یا عورت شوہر سے لے کر دیدے یا جو خرچ اس کا شوہر اس کو دیتا ہے، اس میں سے بچا کر ادا کر دے تو یہ جائز ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہو سکے تو اس عورت کو اسی زیور میں سے زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۸۵ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۴۰ ج۲)

زیور کا کچھ حصہ بقدر زکوٰۃ دے دیا جائے گا کہ یہ فرض اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۰۹ ج۶۔ و آپ کے مسائل ص۳۴۵ ج۳)

کیا بیوی کے زیور کی زکوٰۃ مرد پر ہے؟

سوال: ایک تھوڑی آمدنی والے شخص کی بیوی شادی کے موقع پر دس تولہ سونا زیورات کی شکل میں لاتی ہے، کیا شوہر کے لیے ضروری ہے کہ بہر حال ہی اس کی

زکوٰۃ ادا کرے؟

جواب: چوں کہ یہ زیورات بیگم صاحبہ کی ملکیت میں ہیں اس لیے ان زیورات کی زکوٰۃ بیگم صاحبہ کے ذمہ ہے، غریب شوہر کے ذمہ نہیں۔ عورت کو چاہیئے کہ ان زیورات کا بقدر واجب حصہ زکوٰۃ میں دے دیا کرے، اپنی زکوٰۃ شوہر کے ذمہ نہ ڈالے۔

مسئلہ:۔ زیور اگر بیوی کی ملکیت (بقدر نصاب) ہے تو زکوٰۃ اسی کے ذمہ ہے لیکن اگر بیوی کے کہنے پر اس کی طرف سے مرد زکوٰۃ ادا کر دے تو ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۵ ج ۳)۔

شوہر اور بیوی کی زکوٰۃ کا حساب

سوال:۔ شادی پر لڑکیوں کو جو زیورات ملتے ہیں وہ ان کی ملکیت ہوتے ہیں لیکن وہ زکوٰۃ اپنے شوہروں کی کمائی ہوئی رقم سے ادا کرتی ہیں تو کیا اس صورت میں اگر شوہروں کے پاس بھی کچھ رقم لیکن نصاب سے وہ کم ہو تو کیا اس رقم کو بیویوں کے زیورات کی مالیت میں شامل کر کے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا دونوں کا حساب الگ الگ ہوگا؟۔

جواب:۔ دونوں کا الگ الگ حساب ہوگا۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۶ ج ۳)۔

دلہن کو جو زیور دیا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال:۔ دولہا کا باپ دلہن کو جو زیور چڑھاتا ہے (دیتا ہے) اس کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

جواب:۔ وہ زیور جو دولہا کا (یعنی لڑکے کا) باپ دیتا ہے، وہ زیور ہمارے عرف میں دلہن کی ملک نہیں ہے لہذا اس کی زکوٰۃ دولہا کے باپ کے ذمہ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۴۷ جلد ۶ وکفایت المفتی ص۲۴۶ جلد ۴)

(اور جہاں عرف میں وہ زیور دلہن کی ملک قرار پاتا ہے اس کی زکوٰۃ دلہن پر ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

لڑکی کے لیے زیور بنوا کر رکھا تو اس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال:۔ جو زیور

لڑکیوں کی شادی کے لیے بنوا کر رکھا جاتا ہے تو لڑکی کے ایسے زیور پر زکوٰۃ اس کے والدین پر ہے یا لڑکی پر؟

جواب:- حامدًا و مصلیًا۔ اگر وہ زیور لڑکی کی ملک کر دیا ہے تو اس پر زکوٰۃ بلوغ سے پہلے فرض نہیں ہے نہ لڑکی پر نہ والدین پر۔ بالغ ہونے کے بعد خود لڑکی پر فرض ہوگی، اگر لڑکی کی ملک نہیں کیا تو جس کی ملک ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ ص۱۲۶ ج۱۱)

لڑکی کے والدین نے جو زیور دیا اُس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال:- زید کی بیوی کو جو زیور والدین سے ملا ہے، اس کی زکوٰۃ زید پر ہے یا بیوی مذکورہ پر؟

جواب:- زکوٰۃ زید کی بیوی کے ذمہ ہے (جو زیور ماں کے گھر سے ملا ہے، کیونکہ اس کی لڑکی ہی مالک ہوتی ہے) وہی ادا کرے، زید کے ذمہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے، اور جب زید کو وسعت ہو جائے اور وہ اپنی بیوی کی طرف سے زکوٰۃ دینا چاہے تو وہ بھی دے سکتا ہے۔ اور کئی سال کی زکوٰۃ متفرق طور سے تھوڑی تھوڑی دینا بھی درست ہے۔ (فتاوی دار العلوم ص۶۶ ج۶ بحوالہ رد المحتار کتاب الزکوٰۃ ص۱۶ ج۲)

مہر میں جو زیور دیا گیا اُس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

مسئلہ:- جب وہ زیور عورت کو مہر میں دیا گیا تو وہ مالک ہو گئی زیور کی، پس زکوٰۃ اس زیور کی اُسی کے (عورت کے) ذمہ ہوگی، شوہر کے ذمہ نہ ہوگی۔ (فتاوی دار العلوم ص۵۴ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۳ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

عرف یعنی رواج کا مطلب

(شریعت نے مرد کو آزاد چھوڑا ہے کہ بیوی کے لیے جو زیور مرد بنوائیں اسے اپنی ہی ملکیت میں رکھ کر عاریۃً (ادھار صرف استعمال کرنے کے لیے) اسے استعمال کرائیں یا ملکیت بھی بیوی ہی کی کر دیں۔ شریعت کسی بھی صورت میں آپ پر دباؤ یا پابندی نہیں لگاتی ہے۔

اب رواج کو دیکھئے گا کہ کسی کنبے و خاندان میں زیور کے متعلق جو بھی رواج ہوگا وہ عملی نظائر کی بنا پر ہی تو ہوگا۔ دس، بیس، پچاس، سو واقعات ایسے ضرور پیش آئے ہوں گے

جن سے واضح ہوگیا ہوگا کہ اس کنبے کے مرد اپنی بیویوں کو زیور عاریۃً دیتے ہیں یا تحفۃً۔ اگر تحفۃً دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیوی مالک ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کنبے کا کوئی بھی مرد اگر بیوی کو زیور دے گا اور دیتے وقت یہ صراحت نہ کرے کہ یہ عاریۃً ہے یا تحفۃً تو قدرتی بات ہے کہ بیوی کی ملک ہوجائے گا۔ اور اگر شوہر تحفۃً نہیں دینا چاہتا تھا تو اس پر لازم تھا کہ دیتے وقت وضاحت وصراحت کردیتا کہ میں عاریۃً دے رہا ہوں، تب بے شک عورت مالک نہ بنتی۔ اسی طرح برعکس۔

اگر عملی نظائر کی بنیاد پر کنبے والے یہ جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں جو زیور بیویوں کو دیا جاتا ہے وہ تحفۃً نہیں دیا جاتا بلکہ عاریۃً دیا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کنبے کا جو مرد اپنی بیوی کو کوئی زیور دے گا اور کسی قسم کی وضاحت نہیں کرے گا تو اس کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ کنبے کے معروف رواج کے مطابق اس نے عاریۃً دیا ہے تحفۃً نہیں۔ لہٰذا عورت اس کی مالک نہ بنے گی۔

یہاں اس سے بحث نہیں کہ رواج کیا ہے۔ رواج چاہے زیور عاریۃً دینے کا ہو یا تحفۃً۔ یہ انسانوں کی اپنی اپنی پسند کا معاملہ ہے، اس میں جو بھی صورت خاندان پسند کرتا ہے، شریعت اس کے لیے جواب دِہ نہیں۔ مثلاً جس کنبے کے آپ فرد ہیں فرض کیجئے اس میں رواج یہ ہے کہ زیور عورتوں کو عاریۃً دیا جاتا ہے نہ کہ تحفۃً۔ اب آپ اپنی لڑکی کی شادی اس ہی کنبے کے کسی فرد سے کرنا چاہتے ہیں اور خواہش یہ ہے کہ جو زیور آپ کی بیٹی کو ملے وہ عاریۃً نہ ملے بلکہ تحفۃً ملے، تو بے شک آپ کو یہ خواہش کرنے کا حق ہے۔ شریعت بالکل منع نہیں کرتی، مگر شریعت کا یہ کہنا بھی معقول ہوگا کہ آپ لڑکے کے والدین پر کھل کر اپنی خواہش کا اظہار فرما دیں تاکہ وہ غور کرسکیں کہ یہ بات ہمارے لیے قابل قبول ہے یا نہیں۔ اگر آپ اظہار نہیں فرمائیں گے تو خموشی کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جائے گا کہ جو رواج، طریقہ ان کے کنبے کا ہے اسی کو آپ نے بھی مان لیا ہے۔ پھر یہ کیسے جائز ہوگا کہ بعد میں کسی وقت آپ کی بیٹی یہ دعویٰ کرے کہ شوہر کا دیا ہوا زیور میری ملکیت ہے۔ اس ہی کا نام ہے ''المعروف کالمشروط''، تو

زکوٰۃ بھی اس پر ہی ہے جس کی ملک زیور ہو۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

لڑکیوں کے نام سونا کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میری تین بیٹیاں ہیں، میں نے ان کی شادی کے لیے بیس تولہ سونا لے رکھا ہے اور اس کے علاوہ برتن، کپڑے وغیرہ بھی ہیں، کیا ان چیزوں پر زکوٰۃ دینی پڑے گی؟۔

جواب:۔ اگر آپ نے اس سونے کا مالک اپنی بچیوں کو بنا دیا ہے تو ان کے جوان (بالغ) ہونے تک تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں، جوان ہونے کے بعد ان میں جو صاحب نصاب ہوں ان پر زکوٰۃ ہوگی۔ اور اگر بچیوں کو مالک نہیں بنایا، ملکیت آپ ہی کی ہے تو اس سونے پر زکوٰۃ فرض ہے۔ برتن، کپڑے وغیرہ استعمال کی چیزیں آپ نے ان کے لیے لے رکھی ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۵ ج۳)

مسئلہ:۔ چوں کہ بچیوں کے نام زیور کر دیا گیا ہے، اس لیے وہ اس کی مالک بن گئیں اس لیے اس شخص کے ذمہ یعنی جو پہلے مالک تھا، زکوٰۃ نہیں اور ہر ایک بچی کی ملکیت چوں کہ حد نصاب سے کم ہے اس لیے ان کے ذمہ بھی زکوٰۃ نہیں، البتہ جو لڑکی بالغ ہو اور اس کے پاس اس زیور کے علاوہ بھی کچھ نقد روپیہ پیسہ ہو خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کم ہو، اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس لڑکی پر زکوٰۃ لازم ہوگی کیونکہ جب سونے چاندی کے ساتھ کچھ نقدی مل جائے اور مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ اور جو لڑکی نابالغ ہے اس کی ملکیت پر زکوٰۃ نہیں، جب تک کہ وہ بالغ نہیں ہو جاتی۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۳ ج۳)۔

صرف نام کرنا ہی کافی نہیں ہے

مسئلہ:۔ اگر لڑکی کو زیور کا مالک بنا دیا تو جب تک وہ لڑکی نابالغ ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ صرف یہ زیور یا اس کے ساتھ کچھ نقد روپیہ نصاب کی مقدار کو پہونچ جائے۔ صرف یہ نیت، کرنے سے کہ یہ زیور لڑکی کے جہیز میں دیا جائے گا زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا۔

جب تک کہ لڑکی کو اس کا مالک نہ بنایا جائے۔ اور لڑکی کو مالک بنا دینے کے بعد پھر اس زیور کا (بغیر لڑکی کی اجازت کے) خود پہننا جائز نہیں ہوگا۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۸ ج۳)

مسئلہ:۔ لیکن اولاد کو ہبہ کرنے کے بعد اس زیور پر آپ کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۶ ج۳)۔

کیا مہر کے وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ عورت کا مہر جو کہ شوہر نے ادا نہیں کیا تو اس صورت میں عورت کے ذمہ مہر کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ اس پر وصول ہونے سے پہلے واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۵۷ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۳ ج۲، وفتاویٰ محمودیہ ص۸۷ ج۳)۔

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک پورے طور پر مالک ہونے کے یہ معنی ہیں کہ مال قبضے میں ہو۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز کا مالک قرار پایا جو ابھی تک اس کے قبضے میں نہ آئی ہو، تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، جیسے عورت کا مالِ مہر کہ جب تک اس کے قبضہ میں نہیں آیا اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس طرح اس مال پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس پر کوئی شخص قابض ہو لیکن اس کا مالک نہ ہو، جیسے مقروض کہ مال تو اس کے قبضہ میں ہوتا ہے لیکن مالک اس کا دوسرا شخص ہوتا ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۹۶۱ ج۱)

(مہر وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں، وصول ہونے کے بعد اس روپے پر پورا ایک سال بھی گذر جائے جب ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی، اور جو روپیہ سال کے اندر خرچ ہوگیا ہے اس پر نہیں ہے صرف بچت پر ہے اور گذشتہ سالوں کی بھی نہیں ہے۔ محمد رفعت قاسمی)

مہر والی عورت کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ ایک عورت کا مہر تین ہزار روپے ہے لیکن اس کا شوہر بہت غریب ہے کہ ادا نہیں کرسکتا، تو ایسی عورت کو بھی زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے اور اگر اس کا شوہر امیر ہے لیکن مہر نہیں دیتا، یا اس عورت نے اپنا مہر معاف کر دیا

تو بھی اس عورت کو زکوٰۃ دینا درست ہے، لیکن جس عورت کو یہ امید ہو کہ جب اپنے شوہر سے مہر مانگوں گی وہ ادا کر دے گا، تو ایسی عورت کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں ہے۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص۲۷)

کیا بیوی کا مہر زکوٰۃ کے واجب ہونے میں مانع ہے؟

مسئلہ:۔ بقدر نصاب کا مالک ہونے کے بعد زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوتی ہے جب آدمی پر اتنا زیادہ قرض نہ ہو کہ اس کے ادا کرنے میں نصاب زکوٰۃ باقی نہ رہ سکے۔ اس قرض سے حقوق اللہ مستثنیٰ ہیں یعنی بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو قرض ہیں مثلاً کفارے، صدقہ فطر، سفر حج وغیرہ ان کے اخراجات منہا (وضع) کرنے کے بعد اگر مال اتنا نہ رہتا ہو کہ زکوٰۃ واجب ہو سکے تو بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ حقوق اللہ زکوٰۃ کے واجب ہونے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ (خلاصۃ الفتاوٰے ص۲۴ ج۱)۔

البتہ بندوں کے جو حقوق ہوں ان کی ادائیگی کے بعد اگر نصاب باقی نہ رہتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس کا تقاضہ ہے کہ بیوی کے مہر کی رقم وضع کرنے کے بعد اگر نصاب باقی نہ رہ پاتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ مگر عملاً چونکہ اس زمانہ میں لوگ مہر کی طرف سے بہت غافل ہو چکے ہیں اور بیویاں عموماً اسے معاف کر دیتی ہیں اس لیے اس قرض کی وجہ سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور زکوٰۃ واجب ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر مرد کے ذمہ مہر مؤجل ہو اور اس کی ادائیگی کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو یہ قرض وجوب زکوٰۃ کے لیے رکاوٹ نہیں ہوگا۔ (فتاوی عالمگیری ص۸۹ ج۱ وجدید فقہی مسائل ص۱۲۴)

مسئلہ:۔ مہر مؤجل (جو فوری طور پر واجب الادا نہیں) جیسا کہ عموماً ہوتا ہے مانع زکوٰۃ سے نہیں ہے یعنی یہ قرض (عورت کا مہر مؤجل روپیہ سے وضع نہ کیا جائے گا بلکہ تمام روپیہ موجودہ کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔

مثلاً اگر کسی کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہے اور پانچ ہزار کا قرض مہر مؤجل بیوی کا

اس کے ذمہ ہے تو وہ شخص پورے دس ہزار روپے کی زکوٰۃ ڈھائی سو روپے ادا کرے گا (فتاوی دار العلوم ص۲۴۶ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص۶ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ شوہر کے ذمہ دینِ مہر واجب ہے اگر وہ معجّل ہے یعنی جس وقت بھی بیوی طلب کرے اس کا ادا کرنا ضروری ہے یا مہر موجّل (فوری نہیں) ہے لیکن شوہر خود ہی اس کو ادا کرنے کی فکر اور سعی میں لگا ہوا ہے اور جمع کر رہا ہے تاکہ ادا کرے تو ایسا دین (قرض) مانع عن وجوب زکوٰۃ ہے۔ اس مقدارِ دین کے علاوہ اس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہوگا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ اور اگر شوہر ادا کرنے کی فکر و سعی میں لگا ہوا نہیں ہے بلکہ اس کو اطمینان ہے کہ ادا نہیں کرنا، تو ایسا دین مانع عن وجوب زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ ص۱۰۲ ج ۱۳)۔

عورت کو مہر مل جانے پر زکوٰۃ کا حکم

اگر کسی عورت کو نکاح کے بعد پورا مہر مل جائے اور ایک سال تک اس کے قبضے میں رہے اور اس کے بعد اس کا شوہر خلوتِ صحیحہ سے قبل اس عورت کو طلاق دے دے اور دیئے ہوئے مہر میں سے نصف واپس کرلے تو اگر وہ مہر نقد یعنی سونے، چاندی کی قسم سے ہے تو اس عورت کو پورے مہر کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور اگر وہ نقد کی قسم سے نہیں ہے تو پھر پورے مہر کی زکوٰۃ اس کے ذمہ نہ ہوگی بلکہ نصف کی ہوگی۔ (علم الفقہ ص۳۳ ج ۴)۔

مہر میں ملی ہوئی زمین کا حکم

سوال:۔ ایک زمین جو میں نے تجارت کی نیت سے لی تھی، وہ یا اس کا ایک حصہ میں اپنی اہلیہ کو اس کے مہر کی رقم کے بدلے میں دینا چاہتا ہوں، کیا میری اہلیہ کو اس زمین کے حصہ پر زکوٰۃ دینی ہوگی؟ اگر وہ اس کو گھر بنانے کی نیت سے رکھنا چاہے؟

جواب:۔ آپ کی اہلیہ پر اس زمین کی زکوٰۃ فرض نہیں، خواہ اس میں تجارت کی نیت کرے یا تعمیر کی، البتہ مہر کی رقم کے عوض میں آپ سے خریدتے وقت اگر اس کی تجارت کی نیت ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (احسن الفتاوی ص۲۵۶ ج ۴)۔

مسئلہ:۔ عورت کا مہر مثلاً دس کوئنٹل گیہوں تھا، اس نے وصول کرتے وقت اس میں

تجارت کی نیت کی کہ اس میں تجارت کروں گی اور کھاؤں گی نہیں تو صرف نیت تجارت سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جب تک عمل تجارت نہ کرے۔ (احسن الفتاوی ص ۲۹۵ ج ۴۔ بحوالہ رد المحتار ص ۱۵ ج ۲)۔

کیا استعمال والے زیورات پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ زیور سونے وچاندی کا جب بمقدار نصاب ہو، اس میں زکوٰۃ واجب ہے، استعمال کرے یا نہ کرے۔ (ہدایہ ص ۱۷۷ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ سونے وچاندی کی ہر چیز اور سکہ پر زکوٰۃ ایک سال گذرنے پر ہے، اگرچہ وہ دفن ہو یا استعمال میں نہ آتا ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۱۷ ج ۶)۔

اشرفی پر زکوٰۃ

سوال:۔ کیا زکوٰۃ دونوں اقسام کے سونے، چاندی پر ہے یا صرف اشرفی کی شکل کے سونے پر، اور چاندی پر؟

جواب:۔ زکوٰۃ دونوں پر واجب ہے، یعنی زیورات اور اشرفی دونوں پر۔ جب کہ نصاب کو پہونچ جائے)۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۵ ج ۳)۔

زیور کے نگ اور کھوٹ کا حکم

مسئلہ:۔ سونے کے زیور میں جو نگ وغیرہ لگاتے ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں، کیونکہ ان کو الگ کیا جا سکتا ہے، البتہ جو کھوٹ ملا دیتے ہیں وہ سونے کے وزن میں شمار ہوگا۔ اس کھوٹ ملے سونے کی بازار میں جو قیمت ہوگی، اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۵ ج ۳)۔

جڑاؤ زیورات کی زکوٰۃ کس طرح دے؟

سوال:۔ کسی زیور میں چیڑا بھرا ہوا ہے اور بعض میں نگ جڑے ہوئے ہیں، اگر یہ نکال دیئے جائیں تو زیور خراب ہو جائے گا، اگر اندازہ کرایا جائے تو پوری طرح پتہ نہیں چل سکتا ہے۔ اگر سونا نصاب سے کم ہے تو اس کی زکوٰۃ بشمول چاندی کے دی جائے گی یا سونے کی زکوٰۃ علیحدہ دی جائے گی اور سونے وچاندی کی زکوٰۃ ایک چیز سے نکالی جائے گی یا سونے کی زکوٰۃ سونے سے اور چاندی کی زکوٰۃ چاندی سے دی

جائے گی۔ اور اگر زکوٰۃ میں کوئی زیور نکالا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟

جواب:۔ اندازہ صحیح کرا کے زیور سونے و چاندی کی زکوٰۃ دینی چاہیے، یہ درست ہے مگر اندازہ کرنے والے سے کہہ دیا جائے کہ جہاں تک ہو احتیاط کو مدِ نظر رکھے، مثلاً زیادہ سے زیادہ جس قدر چاندی و سونا اس میں معلوم ہو اس کا لیا جائے اور سونے کو ایسی صورت میں قیمت کر کے چاندی کو شامل کر کے چاندی سے زکوٰۃ دی جائے خواہ دونوں کی زکوٰۃ سونے سے دی جائے۔ الغرض ایک چیز سے زکوٰۃ دینا درست ہے ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے، اور زکوٰۃ میں اگر زیور ہی دیدیا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۱۹ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۴۵ ج۲ باب زکوٰۃ المال وہدایہ ص۱۷۶ جلد اول)۔

جس زیور میں جواہرات جڑے ہوں اُس کا حکم

مسئلہ:۔ زیور جو چاندی اور سونے کا ہو (جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہوں) اس میں بقدر چاندی و سونے کے زکوٰۃ فرض ہے۔ یعنی اگر اس میں جواہرات ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے صرف چاندی سونے کی مالیت پر زکوٰۃ ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۲۹ ج۴ وفتاویٰ دار العلوم ص۱۳۰ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۴۲ ج۲)۔

خالص جواہرات کے زیورات کا حکم

مسئلہ:۔ جواہرات مثلاً ہیرا، زمرد، لعل، یاقوت وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے مگر جب کہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۳۳ ج۶)۔

مسئلہ:۔ جو زیور خالص جواہرات کے ہوں، ان کا حکم یہ ہے کہ زیورات جواہرات کے اگر تجارت کے لیے نہیں ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۳۰ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۵ ج۲ وفتاویٰ محمودیہ ص۱۷ جلد ۳)

مسئلہ:۔ سچے موتیوں کے ہار وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، مگر مالِ تجارت پر ہے۔ (بہشتی زیور صفحہ ۲۵ جلد ۳ ورد المحتار ص۱۳۱ جلد ۲)۔

مسئلہ:۔ سونے چاندی کے علاوہ دیگر اشیاء کے زیورات مثلاً جواہرات، مرجان،

زبرجد اور الماس کے بنے ہوئے (بغیر سونے وچاندی کے) زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ یہ پتھر افزائش پذیر نہیں ہیں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۲۷۷ ج۲)۔

جن زیورات میں غش ملا ہوا ہو ان کا حکم

سوال:۔ ہمارے یہاں جو زیور سونے کا بنتا ہے اس میں تیسرا حصہ غش (کھوٹ) کا ملایا جاتا ہے۔ ایسے زیور کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائیگی؟

جواب:۔ جس میں غالب سونا ہو، یعنی نصف سے زائد سونا ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہے اور مثل خالص سونے کے اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۱۵ ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۴۲ ج۲)۔

مسئلہ:۔ فیروزہ، یاقوت وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں، ان کے وزن کو محسوب کر کے سونے چاندی کے زیور کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی (فتاویٰ محمودیہ ص۱۱۳ ج۱۳)۔

(نوٹ:۔ اگر کسی شخص نے ہیرے وجواہرات کو شوقیہ جمع کر کے رکھا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اگر صرف زکوٰۃ سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کیا تو شرعی اعتبار سے حنفیہ رح کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں، لیکن چونکہ غرباء کا حق مارا جاتا ہے تو نیت کے پیش نظر عنداللہ مؤاخذہ کا خوف ہے (رفعت)

ملاوٹی اشیاء پر زکوٰۃ کا حکم کیا ہے؟

مسئلہ:۔ حنفیہ رح کے نزدیک ملاوٹی اشیاء میں اس دھات کا اعتبار کیا جائے گا جس کی مقدار زیادہ ہو، خواہ وہ سونا ہو یا چاندی یا کوئی اور دھات لہٰذا سونے کے ساتھ چاندی ملی ہوئی اشیاء میں اگر سونا زیادہ ہے تو سونے کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور اس پوری چیز کو سونا تصور کیا جائے گا۔ اور اگر چاندی کی مقدار زیادہ ہے تو چاندی تصور کیا جائے گا۔ پس اگر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ نہیں۔ (کتاب الفقہ ص۹۹۶ ج۱، ودرمختار ص۵۴ ج۲؛ وفتاویٰ محمودیہ ص۱۷ ج۳)۔

سچے گوٹہ اور کامدار کپڑے پر زکوٰۃ

سوال:۔ عورتوں کے قیمتی کپڑے جس میں چاندی کے تار ہوتے ہیں، ایسے کپڑوں کی زکوٰۃ

کس طرح مشخص کی جائے کیونکہ اس میں یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ چاندی کتنی ہے ؟

جواب :- جو تارزری کے بنارسی کپڑوں وغیرہ میں ہیں ان کا اندازہ خود کرکے یا جاننے والوں سے کرا کر زکوٰۃ دینی چاہیئے اور (سچّے چاندی وغیرہ کے) گوٹے ٹھپّے کا بھی اندازہ کرالینا چاہیے۔ اس کا اندازہ آسان ہے کہ مثلاً ٹھپّہ کا ویسا ہی تھان تول کر دیکھ لیا جائے کہ کس قدر وزن کا ہے۔ الغرض ایسے مواقع میں اندازہ کافی ہے۔ اندازہ (تخمینہ) حتی الوسع ایسا کیا جائے کہ کمی نہ رہے، چاہے کچھ زیادتی ہو جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۲۱ ج۶ بحوالہ ہدایہ باب زکوٰۃ المال ص۱۷۷ ج۱)۔

مسئلہ :- گوٹہ جب کہ بقدر نصاب ہو جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے، یا اگر نصاب چاندی وغیرہ کا موجود ہو تب بھی گوٹے کا اندازہ کرکے اس میں شامل کرکے زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۳۳ ج۶ بحوالہ ردالمحتار باب الزکوٰۃ المال ص۴۱ ج۲)۔

مسئلہ :- استعمالی برتن اور کپڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں ان کپڑوں میں اگر سچا کام ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تجارتی سامان اور تجارتی کپڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۳ ج۵ بحوالہ درمختار مع الشامی ص۱ ج۲ وامداد الفتاویٰ ص۶ ج۲)۔

مسئلہ :- کپڑوں پر چاہے جتنے قیمتی ہوں زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن ان میں سچا کام اتنا ہے کہ اگر چاندی چھوڑائی جائے تو ساڑھے باون تولہ بیٹھے تو اس چاندی پر زکوٰۃ ہے اور اگر کم ہو تو زکوٰۃ نہیں ہے (بہشتی زیور بحوالہ جوہرہ نیرہ ص۱۱۷ وکفایت المفتی ص۱۵۳ ج۴)

جو رقم وُرثاء کے لیے جمع کی، کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

سُوال :- ایک شخص نے اپنی جائداد اپنی زندگی میں فروخت کر دی اور وہ رقم اپنے وُرثاء کے لیے رکھی ہے تو اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب :- فی الحال وہ شخص اس رقم کا مالک ہے، اس لیے اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۲ جلد۵)

ترکہ ملنے پر زکوٰۃ کا حکم

سُوال :- ایک بیوہ جس کے اولاد بھی ہے شوہر کے

ترکہ میں تقریباً چالیس ہزار روپیہ ملا ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب:۔ اس رقم کو شرعی حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ ہر ایک کے حصے میں جو رقم آئے، اگر وہ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت) کو پہونچی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، نابالغ بچوں کے حصے پر نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۶ ج۳)۔

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ جو ادا نہیں ہوئی، اس کی ادائیگی کی اب اس کے سوائے اور کچھ صورت نہیں ہو سکتی کہ اپنے خیال میں ان برسوں کا اندازہ کیا جائے کہ ہر سال میں کتنا کتنا روپیہ تخمیناً موجود تھا اور اس اندازہ سے جس قدر روپیہ ہر سال میں موجود ہونا خیال میں آئے، اس کی زکوٰۃ کا حساب کرا کر اس کو ادا کیا جائے اور حتی الوسع تخمینہ ایسا کیا جائے کہ اپنے خیال کے موافق اس میں کمی نہ رہے، کچھ زیادہ ہی ہو جائے کہ احتیاط اسی میں ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص۳۳۷ ج۶)۔

سابقہ زمانہ کی زکوٰۃ معلوم نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال:۔ زکوٰۃ کے واجب الادا ہونے کی مدت کا شمار جب کہ زکوٰۃ کی رقم کا ٹھیک ٹھیک حساب کرنا دشوار ہے، کیونکہ سونے کا بھاؤ (ریٹ) حاصل کرنا مشکل ہے تو پھر زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟۔

جواب:۔ اس صورت میں تخمینہ اور اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے کہ قریباً اتنی رقم واجب الادا ہوگی، احتیاطاً اندازہ سے زیادہ دیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۷ ج۳)۔

شادی کے بعد سے زکوٰۃ ہی نہ دی تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ شادی کو نو۹ سال ہو گئے ہیں، بیگم صاحبہ کے پاس جب سے اب تک اسی۸۰ تولہ سونا ہے۔ ہم نے ابھی تک زکوٰۃ ادا نہیں کی، کیونکہ میری آمدنی اتنی نہیں ہے کہ کچھ بچ جائے، اب زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟۔

جواب:۔ اس اسی۸۰ تولہ سونے کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ نہیں، بلکہ آپ کی بیوی کے ذمہ ہے۔ اگر زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے پیسے نہ ہوں تو اتنا حصہ زیور کا دے دیا جائے۔ بہر حال

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ آپ کی بیوی کے ذمہ لازم ہے۔ ہر سال کا حساب کرکے جتنی زکوٰۃ بنتی ہے ادا کی جائے۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۸ ج۳)۔

زکوٰۃ خرید کردہ قیمت پر ہوگی یا موجودہ قیمت پر؟

سوال:۔ زکوٰۃ مال کی خرید کردہ قیمت پر ہوگی یا موجودہ قیمت پر؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے ادا کرتے وقت جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا، اور زکوٰۃ کا حساب یہ ہے کہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا (یا اس کی قیمت) لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۶۱ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۳۰ ج۲ زکوٰۃ الغنم)۔

مسئلہ:۔ ادائیگی زکوٰۃ میں مالِ زکوٰۃ کی قیمت جہاں مزکّی (زکوٰۃ دینے والا) ہے وہاں کی معتبر نہ ہوگی بلکہ جہاں مال موجود ہو، وہاں کی قیمت معتبر ہوگی، اور حَولانِ حَول بھی وہاں کا معتبر ہوگا جہاں مال موجود ہو۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۶۸ ج۴)۔

سونے وچاندی کی زکوٰۃ کس ریٹ پر دی جائے؟

سوال:۔ سونے کا ریٹ (بھاؤ) ڈلی کا تو اور ہے اور بنے ہوئے زیور کا الگ ہے، کس نرخ (ریٹ) پر زکوٰۃ دی جائے، کیونکہ بازار والوں کا دینے کا نرخ اور ہے اور لینے کا الگ ہے۔ اگر فقرا کو سونا زکوٰۃ میں دیا جائے تو ان کا نقصان ہوتا ہے کیونکہ بازار والے ان سے کم قیمت سے خریدتے ہیں۔

جواب:۔ جو نرخ (ریٹ) بازار میں ایسے سونے کا ہے یعنی جس قیمت کو دوکاندار فروخت کرتے ہیں، وہ قیمت لگا کر زکوٰۃ دے۔ اور اگر سونا ہی زکوٰۃ میں دینا ہو تو موجودہ سونے کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدے، یہ بھی درست ہے اور زکوٰۃ اَدا ہوجائے گی، اگرچہ فقرا کسی قیمت کو فروخت کردیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۲۴ ج۶، بحوالہ رد المحتار زکوٰۃ الغنم ص۳۰ ج۲)۔

(سونے وچاندی کی قیمت لگا کر اگر زکوٰۃ دینا ہو تو جو قیمت زکوٰۃ نکالنے کے

وقت چاندی سونے کی وہاں کے بازار میں ہو، اسی حساب سے ادا کرے کیونکہ خرید کے دن کے حساب کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور قیمت بھی فروخت ہونے کی وہ لگائی جائے گی جس قیمت پر وہ سونا چاندی اس دن فروخت ہوسکتا ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ سونے، چاندی کی زکوٰۃ اور عشر میں وقتِ وجوب کی قیمت معتبر ہے، البتہ زکوٰۃ سوائم میں وقت ادا، کی قیمت کا اعتبار ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۶۸ ج ۴)۔

ریٹ معلوم نہ ہوتو کیا کیا جائے؟

سُوال:۔ اگر قیمت سونے وچاندی کی صحیح معلوم نہ ہو تو اندازہ کرکے دو چار ماہ پیشتر کے ریٹ ذہن میں رکھ کر زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اصل تو یہی ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے وقت جو قیمت ہو اُس کی تفتیش کرکے اسی کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے۔ مگر چونکہ دو چار ماہ میں کوئی مزید فرق نہیں ہوتا اس وجہ سے اگر جانب احتیاط کو پیشِ نظر رکھ کر اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۱ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص ۳۰ ج ۲ باب الغنم)۔

قرضِ حَسَنہ کی زکوٰۃ

سُوال:۔ جو روپیہ کسی کو قرضِ حَسَنہ دیا، اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ وصول ہونے کے بعد اس روپیہ کی زکوٰۃ دی جائے گی، اگر وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ دے دے تو یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۵ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص ۱۲ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ قرض جو دیا گیا ہے اگر وہ تنہا یا دوسرے روپے موجود کے ساتھ مل کر بقدرِ نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن ادا کرنا بعد وصول قرض کے لازم ہوتا ہے، اگر قبل از وصول بھی زکوٰۃ دے دی جائے گی تو ادا ہوجائے گی۔ اور وہ قرض جس کے عوض (بدلہ) کچھ زیور رہن رکھا ہو اور وہ قرض جس کے عوض کچھ رہن نہ رکھا ہو، زکوٰۃ کے حکم میں دونوں برابر ہیں، دونوں کی زکوٰۃ بعد وصول ہی کے

لازم ہوتی ہے۔ اور وہ شبہ (کہ ہمیشہ زکوٰۃ دیتے دیتے نصاب نہ رہے ،جب کہ تجارت میں نہ لگا ہو) اس کا جواب یہ ہے کہ روپیہ جمع شدہ زکوٰۃ دیتے دیتے جب نصاب سے کم ہوجائے گا اس وقت زکوٰۃ آئندہ کو ساقط ہوجائے گی، اور جب تک بقدرِ نصاب روپیہ موجود ہے تو زکوٰۃ واجب ہونا خلافِ عقل نہیں ہے ،کیونکہ جو شخص مالکِ نصاب ہے وہ شرعًا اور عرفًا غنی (مالدار) کہلاتا ہے ،اور غنی کو محتاجوں کی خبر گیری اور ان کو اپنے پاس سے کچھ دینا مروّت اور عقل کا تقاضہ ہے۔ (فتاوی دار العلوم ص۵۳ ج۶ بحوالہ ہدایہ باب زکوٰۃ المال ص۱۶۷ ج۱)۔

(اسلام کے اس قانون کا منشا ر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ روپے جمع کرکے بے کار نہ رکھ چھوڑیں بلکہ اس روپے کو کاروبار میں یا کھیت و زمین میں لگائیں تاکہ ملک اور قوم کا فائدہ ہو اور زکوٰۃ بار نہ گزرے، نقد جمع رکھنے سے ملک اور قوم کا سراسر نقصان ہے ،کیونکہ روپے اور سونے چاندی میں نمو اور بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے ،اب جو اس کو جمع رکھے اور جو کام اس کا ہے اس سے نہ لے یعنی تجارت وغیرہ میں لگا کر نفع نہ اٹھائے تو یہ روکنے والے کا قصور ہے ، زکوٰۃ کے وجوب کا سبب زیادتی نہیں ہے ۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

جو قرض تھوڑا تھوڑا وصول ہو، اُس کی زکوٰۃ

مسئلہ :- جس وقت جس قدر قرض وصول ہوتا جائے ،اس وقت تک کی مع پچھلے سالوں کے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے اگر مقروض سے قرض کے بدلہ زمین آئی ،تب بھی قرض وصول ہوگیا۔ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (فتاوی دار العلوم ص۸۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۴۸ ج۲)۔

جس قرض کے وصول ہونے کی اُمّید نہ ہو

مسئلہ :- قرض میں جو روپیہ ہے اس کی زکوٰۃ وصول ہونے کے بعد ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔ پس جو روپیہ وصول نہ ہو اس

کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۶ ج۶، رد المحتار ص۱۲ ج۲)۔

جس قرض کی وصولیابی کی اُمید نہ تھی اور وہ مل جائے؟

مسئلہ:- جس وقت قرض وصول ہو جائے اس وقت پچھلے سالوں کی زکوٰۃ بھی دینا واجب ہے اور جس سے وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ اس وقت واجب نہیں ہے، لیکن اگر کبھی وصول ہو گیا تو پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۵ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۲ ج۲)۔

قرض کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

سوال:- دس ماہ پیشتر زید نے بکر کو بیس ہزار روپے قرضِ حسنہ دیا۔ ادائیگی کی مدت لامحدود ہے، بکر نے دس ہزار روپے مکان خریدنے میں اور دس ہزار روپے کاروبار میں لگائے، رقم منافع کے ساتھ اب دس ہزار سے بڑھ کر تیرہ ہزار ہو گئی ہے۔ کیا اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی؟ اور اگر ہوگی تو کس صورت میں؟

جواب:- اصول یہ ہے کہ جو رقم کسی کو قرض کے طور پر دی جائے اس کی زکوٰۃ قرض دینے والے کے ذمہ ہوتی ہے۔ قرض لینے والے کے ذمہ نہیں ہوتی، پس زید نے جو بیس ہزار روپے کی رقم بکر کو دے رکھی ہے اس کی زکوٰۃ زید کے ذمے ہے۔ بکر کے پاس جو سرمایہ ہے خواہ وہ کاروبار میں لگا ہوا ہو، یا سونے، چاندی اور نقدی کی شکل میں اس کے پاس موجود ہو، اس تمام سرمایہ کی مجموعی رقم میں بیس ہزار روپیہ منہا کر دیا جائے، جو اس کے ذمہ قرض ہے۔ باقی سرمایہ اگر ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کے برابر ہے تو اس کے ذمہ اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۱ ج۳ وکفایت المفتی ص۲۵۱ جلد۴)۔

کیا قرض دی ہوئی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:- اگر کچھ رقم کسی کو قرض دی ہوئی ہو تو اس رقم پر زکوٰۃ دینی ہوگی؟

جواب:- جی ہاں! اس رقم پر بھی ہر سال زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ آپ کو یہ اختیار ہے کہ ہر سال جب دوسرے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اسی کے ساتھ قرض پر دی ہوئی رقم کی

زکوٰۃ دے دیا کریں اور یہ بھی اختیار ہے کہ جب قرض وصول ہو جائے تو گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ، جو اس قرض کی رقم پر واجب ہوئی تھی وہ یک مُشت ادا کریں (آپکے مسائل ص۳۵۱ ج۳)

نادہندہ قرضدار کو دی گئی رقم پر زکوٰۃ

سُوال: مجھ سے پانچ سال پہلے دوستوں نے کچھ رقم اُدھار لی تھی، واپس دینے کی کوئی تاریخ یا تحریر نہیں لکھی گئی تھی، کئی مرتبہ مطالبہ بھی کیا۔ پانچ سال ہو گئے ہیں کوئی اُمید نظر نہیں آتی، اور میں نے اب نااُمید ہو کر مانگنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ کیا اس رقم پر جو کہ میرے پاس نہیں ہے، پانچ سال ہو گئے ہیں زکوٰۃ دینی ہوگی؟

جواب: جو رقم کسی کو قرض دی ہو اس پر زکوٰۃ لازم ہے۔ البتہ یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ہر سال ادا کر دیا کرے یا وصول ہونے کے بعد گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ یکمشت (ایک ساتھ) ادا کرے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۲ ج۳)۔

مقروض کے انکار کی صورت میں زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ: اگر مقروض قرضہ سے منکر ہوا اور قرض دہندہ کے پاس گواہ بھی نہ ہو تو وصول ہونے سے پہلے اس کی زکوٰۃ لازم نہیں اور وصول ہونے کے بعد بھی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۲ ج۳ و درمختار ص۱۵ ج۲ واحسن الفتاویٰ ص۲۶۶ ج۴)

صاحب نصاب مقروض پر زکوٰۃ کا حکم

سُوال: ایک شخص مقروض ہے اور اس کے پاس کچھ سونا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ہے؟

جواب: قرض وضع کرنے کے بعد اس کے پاس جو سونا یا سونے کے زیورات ہوں، وہ زیورات استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں، اگر وہ ساڑھے سات تولہ ہوں، یا اگر کم ہوں مگر اس کے پاس چاندی یا اس کا زیور ہو یا نقد رقم ہو، یا تجارتی مال ہو، اور سونا چاندی مل کر یا نقد رقم اور سونا مل کر، یا تجارتی مال اور سونا مل کر اتنی مالیت کا ہو جائے کہ سونے یا چاندی کا نصاب بن جائے تو اس پر واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۵ ج۵ بحوالہ ہدایہ ص۱۶۶ ج۱ و ص۱۷۶ ج۱)۔

زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد مقروض ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ :۔ اگر وجوبِ زکوٰۃ کے بعد قرض ہوگیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۵۱ ج۴)۔

مسئلہ :۔ اصول یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مال بھی ہو، اور وہ مقروض بھی ہو تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ قرض وضع کرنے کے بعد اس کے پاس نصاب کے برابر مالیت بچتی ہے (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت) یا نہیں؟۔ اگر قرض وضع کرنے کے بعد نصاب کے برابر مالیت بچ رہتی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، خواہ وہ قرض ادا کرے یا نہ کرے، اور اگر قرض وضع کرنے کے بعد نصاب کے برابر مالیت نہیں بچتی تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۹ جلد۳)۔

کیا مقروض قرض کی زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے؟

سوال :۔ زید نے بکر کو ایک ہزار روپیہ قرض حسنہ دیا، پھر باہمی رضامندی سے سال کے اختتام پر بکر نے اس رقم کی زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردی تو کیا زید کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی؟

جواب :۔ دوسرا آدمی (جس نے رقم قرض نہ لی ہو) اجازت لے کر اپنی رقم سے صاحبِ مال کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے تو زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، مگر بکر نے زید سے روپیہ قرض لیا ہے اس وجہ سے اس کا ادا کرنا سود شمار ہوگا، لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زید کے ذمہ زکوٰۃ باقی رہے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۴۸ ج۵)۔

کسی کی طرف سے اجازت لے کر زکوٰۃ ادا کرنا

مسئلہ :۔ اگر دوسرا شخص صاحبِ مال کے حکم یا اجازت سے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۸ ج۳)

کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ اگر کسی نے کسی سے کچھ نہیں کہا، اس نے بلا اجازت کے اس کی زکوٰۃ اپنی طرف سے ادا کردی تو زکوٰۃ ادا

نہیں ہوئی، اگر وہ بعد میں اجازت بھی دے دے تب بھی درست نہیں، اور جتنی رقم اس کی طرف سے دی ہے اس کو وصول کرنے کا بھی حق نہیں۔ (احسن الفتاوی ص۳۰ ج۴ بحوالہ رد المحتار ص۱۲ ج۲ و شامی ص۱۴ ج۲)۔

زکوٰۃ سے مقروض کا قرض ادا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی صحیح صورت یہ ہے کہ مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے کر قرض میں واپس لے لے، اگر وہ واپس نہ کرے تو جبرًا بھی واپس لے سکتا ہے، اور اگر واپس نہ کرنے کا خطرہ ہو تو اس (مقروض) سے کہا جائے کہ کسی کو اپنی طرف سے زکوٰۃ کی رقم وصول کرکے اس سے قرض ادا کرنے کا وکیل بنائے۔ (احسن الفتاوی ص۲۵ ج۴)۔

بیوہ کا قرض اس نیت سے ادا کرنا کہ زکوٰۃ میں وضع کرلوں گا کیسا ہے؟

سوال :۔ ایک بیوہ مستحق زکوٰۃ ہے، اگر کوئی شخص اس عورت کا قرض اس نیت سے ادا کردے کہ آئندہ زکوٰۃ میں اس روپے کو وضع کرلوں گا، جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب :۔ اس طرح قرض ادا کردینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی بلکہ ادائے قرض کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ جس قدر روپیہ دینا ہو وہ روپیہ اس بیوہ کو دے کر اس کی ملک کردیا جائے پھر اس سے لے کر اس کے قرض میں دے دیا جائے۔ اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور قرض بھی ادا ہوجائے گا۔ (فتاوی دار العلوم ص۸۹ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۶ ج۲)

مسئلہ :۔ اگر مالک یعنی صاحب نصاب مستحق زکوٰۃ کا قرض اس کے کہے بغیر خود ہی اپنے مالِ زکوٰۃ سے ادا کردے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ قرض تو ادا ہوجائیگا (کتاب الفقہ ص۱۰۱۴ ج۱)

وَاجِبُ الوصول رقم کی زکوٰۃ

سُوال :۔ میں ایک ایسا کام کرتا ہوں کہ خدمت کی انجام دہی کی رقوم کافی لوگوں کی طرف واجبُ الوصول رہتی ہیں، کیا ان کی زکوٰۃ ہے؟

جواب :۔ کاریگر کو کام کرنے کے بعد جب اس کا حق الخدمت یعنی مزدوری اُجرت

وصول ہوجائے، تب اس کا مالک ہوتا ہے، پس اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو جب آپ کا زکوٰۃ کا سال پورا ہو، اس وقت تک جتنی رقوم وصول ہوجائیں، ان کی زکوٰۃ ادا کر دیا کیجئے۔ اور جو آئندہ سال وصول ہوں گی، ان کی زکوٰۃ بھی آئندہ سال دی جائیگی (آپ کے مسائل صفحہ ۳۷۳ ج ۳)۔

جو قرض قسطوں میں وصول ہو، اُس کا حکم

اور اگر باقساط وصول ہو تو جس قدر وصول ہوتا جائے اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور اگر ایک دفعہ کُل کی زکوٰۃ دے دے خواہ پہلے یا بعد میں، یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صفحہ ۹۶ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار صفحہ ۱۵ ج ۲)۔

کیا کسی غریب کا قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟

سوال:- ایک شخص پر میرے پانچ روپیہ قرض ہیں، میں بمدِ زکوٰۃ اس کو دے دوں (معاف کردوں)، تو کیا زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی طرف سے پانچ روپے اس کو دے کر اس کو مالک بنا دیا جائے، پھر وہ بمدِ قرض ادا کر دے تو اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور قرض بھی وصول ہوجائیگا (فتاویٰ رحیمیہ صفحہ ۱۳ ج ۲ و کفایت المفتی صفحہ ۲۰۲ ج ۴)۔

قرض معاف کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:- اگر ایک سال بعد قرضخواہ اپنا قرض مقروض کو معاف کردے تو قرض خواہ کو زکوٰۃ اس ایک سال کی نہ دینا پڑے گی۔ ہاں اگر وہ مدیون یعنی جس کو قرض دیا تھا، مال دار ہے تو اس کو معاف کرنا مال کا ہلاک کرنا سمجھا جائے گا، اور دائن یعنی قرض خواہ کو زکوٰۃ دینی پڑے گی، کیونکہ زکوٰۃ مال کے ہلاک کر دینے سے ساقط نہیں ہوتی۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ صفحہ ۵۹ و فتاوےٰ عالمگیری صفحہ ۲۱ جلد دوم)۔

قرض دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کی نیت کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ کوئی غریب شخص قرض لی ہوئی رقم کو آج تک واپس نہیں کر سکا، اور نہ ہی امید ہے۔ اب کیا ہم اس کو قرض دی ہوئی رقم کو زکوٰۃ کی نیت کر کے چھوڑ دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟۔

جواب:۔ جو صورت آپ نے لکھی ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت نیت کرنا شرط ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۳ ج۳)۔

مسئلہ:۔ وصول کر کے پھر اس کو زکوٰۃ کی نیت سے دے دے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۰۱ ج۶ بحوالہ درالمختار ص۱۴ ج۲)۔

قرض دار جس کی ذاتی آمدنی بھی ہے؟

مسئلہ:۔ ایک شخص کے ذمہ دو ہزار روپے قرض ہیں اور کچھ سرمایہ آمدنی بھی ہے، جو قرض سے کم ہے تو جب کہ قرض اس کے ذمے سرمایہ آمدنی سے زیادہ ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۵۱ ج۶ بحوالہ ہدایہ زکوٰۃ المال ص۱۷۷ ج۱ و قدوری ص۳۷)۔

رہن کا روپیہ جو سال بھر رکھا رہے اس کا حکم

مسئلہ:۔ کسی شخص نے قرض لیا اور اپنی زمین وغیرہ رہن رکھی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ مقروض ہے اور مدیون ہے اور مدیون پر بقدر دَین (قرض) کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ پس اگر اس شخص کے پاس اور کچھ روپیہ وزیور وغیرہ علاوہ اس روپے کے بقدرِ نصاب نہیں ہے تو اس قرض کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۵۳ ج۶)۔

گروی رکھی ہوئی چیز کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

مسئلہ:۔ گروی یعنی رہن دی ہوئی چیز کی زکوٰۃ نہ دینے والے پر ہے اور نہ رکھنے والے پر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۲ ج۲ بحوالہ شامی ص۹ جلد دوم)۔

قرض بتلاکر زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ: کسی نے قرض مانگا اور تم کو معلوم ہے کہ وہ آننا تنگ دست اور مفلس ہے کہ کبھی ادا نہ کر سکے گا، یا ایسا نا دہندہ ہے کہ قرض لے کر کبھی ادا نہیں کرتا، اس کو قرض کے نام سے زکوٰۃ کا روپیہ دے دیا اور اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کرلی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی، اگرچہ وہ اپنے دل میں یہی سمجھے کہ مجھے قرض دیا ہے۔ (امداد مسائلِ زکوٰۃ ص۶ وشامی ص۱۴ ج۲)

مسئلہ: مستحقِ زکوٰۃ فقیر بہت غیرت مند ہے، اگر زکوٰۃ کی رقم معلوم ہوجائے تو وہ نہیں لے گا اور قرض بتلایا جائے تو لے لے گا کہ یہ رقم تم کو بطور قرض دی جارہی ہے، جب آپ کے پاس گنجائش ہو ادا کردینا۔ ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی نیت کرلے، تو اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔ بعد میں اس کو کہدو کہ میں نے معاف کردیا، تاکہ اس کو اطمینان و سکون ہوجائے۔ (شامی ص۳۵ ج۲)۔

قرض وصول ہونے کی اُمید نہ ہو تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ قرض دینے والے کو اپنا قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو، یا وصول ہونے میں تردد ہے، ٹال مٹول کررہا ہے تو ایسے قرض کی زکوٰۃ وصول ہونے سے پہلے ادا کرنا لازم نہیں بلکہ وصول ہونے کے بعد ادا کرنا لازم ہے اور جتنا وصول ہوتا رہے گا اتنے کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں۔ (امداد الفتاوی ص۳۵ ج۲ وفقہ الزکوٰۃ ص۱۸۳ ج۱)

تجارتی قرض کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ: اگر تھوک در یٹیل میں مال بیچا جائے اور اس کی رقم حاصل ہونے کی امید رہتی ہے لیکن دیر میں وصول ہوتی ہے تو ایسے قرض کے وصول ہونے پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ آج کل عام طور سے تجارت اور کاروبار (بزنس) میں یہی طریقہ رائج ہے۔ (ایضاح المسائل ص۱۱۱ بحوالہ درمختار مع شامی ص۳۰۵ ج۲)۔

مقروض کو زکوٰۃ دے کر اپنا قرض وصول کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ: زید کا ایک شخص پر روپیہ

قرض ہے اور وہ مفلس ہے، زید یہ حیلہ کرتا ہے کہ اپنے روپوں کی زکوٰۃ نکال کر اس مقروض کو دیتا ہے اور پھر اس سے قرض وصول کرلیتا ہے تو اس طریقہ سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی (اور قرض بھی وصول ہوجائے گا)۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۳۳۵ ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۱۶ ج۲)

مسئلہ:۔ مقروض کو دوسری رقم زکوٰۃ کی نیت سے دیدے، جب وہ اس روپے کا مالک و قابض ہوجائے، اس سے اپنا قرضہ مانگے۔ اگر نہ دے تو جبراً چھین لینا بھی جائز ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص۴۳ وفقہ الزکوٰۃ ص۳۹ ج۲ وآپ کے مسائل ص۳۹۹ ج۳)۔

مسئلہ:۔ لیکن اگر ایسی صورت میں قرض دہندہ (مالک) کو یہ خطرہ ہو کہ مقروض کے ہاتھ میں زکوٰۃ کی رقم پہونچنے کے بعد قرض کے نام سے واپس نہیں دے گا یا فرار ہوجائے گا تو اس کے حل کے لیے دو طریقے ہیں (۱) قرض دہندہ مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے کر فوراً اپنا ہاتھ بڑھا کر از خود اپنے قرض کے نام سے قبضہ کرلے، کیونکہ مقروض شرعاً ٹال مٹول کرنے والا بن گیا ہے، اور ایسے مقروض سے اپنا قرض زبردستی وصول کرلینا جائز ہے۔ (۲) قرض دہندہ کے کسی خادم یا نوکر وغیرہ کو مقروض زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے وکیل بنائے، وہ وکیل مقروض کی طرف سے قبضہ کرلے اور پھر مقروض کی طرف سے قرض ادا کرنے کا وکیل بنکر بنام قرض، قرض دہندہ کو دیدے تو اس طرح زکوٰۃ و قرض دونوں ادا ہوجائیں گے (درمختار مع شامی ص۲۷۱ ج۲)۔

مالِ ہبہ کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ ہبہ (کسی نے تحفۃً گفٹ دیا) کے لیے قبول لازم ہے، قبول کے بعد سے موہوب (جو چیز دی گئی ہے اس) پر ملک حاصل ہوتی ہے، پس جب تک آپ نے ہبہ قبول نہیں کیا، آپ کی ملک اس پر حاصل نہیں ہوئی، جس وقت قبول کرلیا، اس وقت سے آپ مالک ہیں، اسی وقت سے اس پر زکوٰۃ کا حساب ہوگا (اگر زکوٰۃ والی چیز ہے)

مالِ حرام کی تفصیل اور زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ حرام مال میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ مالِ حرام خالص ہو تب تو

اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے مالک معلوم ہیں تب تو وہ مال لوٹانا واجب ہے، اور اگر مالک معلوم نہیں ہیں تو سب مال کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر مخلوط ملا ہوا ہے، تب دیکھا جائے گا کہ اگر حرام مال کی مقدار اس میں سے نکال لی جائے تو بقدرِ نصاب بچتا ہے یا نہیں، اگر بچتا ہے تو اس مقدار باقی میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر نہیں بچتا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ ص۱۴ ج۲ و احسن الفتاویٰ ص۲۸۳ ج۴ و فتاویٰ دار العلوم ص۴۹ ج۶ بحوالہ رد المختار ص۲۳ ج۲)۔

مسئلہ:۔ حرام مال میں زکوٰۃ واجب ہونے یا نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کے پاس دوسرا مالِ حلال بھی ہے اور اس میں حرام کو ملا دیا تو امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک زکوٰۃ اس پر لازم ہے۔ اور اگر دوسرا مالِ حلال بقدرِ نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ اس پر لازم نہیں، بلکہ وہ کل مال صدقہ کرنا واجب ہے۔ یعنی جب کہ لوٹانا مالکوں یا ان کے وارثوں پر متعذر رہو۔ (صدقہ جب ہے کہ جب مالک یا وارث نہ مل سکیں) اور مسجد بنانا حرام مال سے درست نہیں ہے، اور مدرسہ کے طلباء پر صدقہ کرنا بصورت نہ ملنے مالکوں کے یا ان کے وُرثاء کے درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۸۶ ج۶ بحوالہ رد المختار ص۲۳ ج۲ و فتاویٰ محمودیہ ص۸۴ ج۳)

کیا حرام مال کی زکوٰۃ نہیں دینی چاہیئے؟

مسئلہ:۔ یہ عذر کہ صاحب ہمارا مال تو حلال نہیں ہے، حرام مال میں زکوٰۃ ہی نہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسئلہ غلط ہے، حرام مال جب اپنے حلال مال میں مل گیا، وہ مِلک میں داخل ہوگیا، گو مِلک خبیث ہی ہو، اور وجوب زکوٰۃ کے لیے مِلک ہونا شرط ہے، طیّب (پاک) ہونا شرط نہیں، طیّب ہونا تو مقبولیت کی شرط ہے۔ پس اس لیے زکوٰۃ واجب ہوگی، گو مقبول نہ ہوگی۔ (ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے، کہ پھر دینے سے کیا فائدہ؟۔ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا ہے اس سے محفوظ رہے اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں ہوتا، بلکہ ثواب سے محرومی رہتی ہے، تو کیا عذاب ہونا اور ثواب نہ ہونا دونوں ایک

بات ہیں؟

البتہ خود حرام کمائی کا جو عذاب ہے وہ الگ ہے، اس کی نفی نہیں کی جاتی، لیکن نہ دینے سے دو عذابوں کا استحقاق ہوتا۔ کسبِ حرام (حرام کمائی) کا الگ اور زکوٰۃ نہ دینے کا الگ، اور اب ایک ہی ہوگا۔ تو کیا یہ دونوں بھی یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ (اصلاحِ انقلاب ص ۱۵۲ ج ۱)۔

تفصیل کے لیے دیکھئے فقہ الزکوٰۃ از ص ۴۲۱ تا ص ۴۲۸ جلد دوم۔

غصب و رشوت کے مال پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ غصب و رشوت کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے، وہ سب مال خیرات کرنا چاہیئے جب کہ مالکوں اور وارثوں کا پتہ نہ لگے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۵۵ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص ۳۴ ج ۲ زکوٰۃ الغنم)۔

بینک کے سود پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ سیونگ بینک سے جو سود وصول کیا جائے، اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سود کی خالص رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ کیونکہ وہ ساری رقم واجب التصدق (جس کا صدقہ کرنا واجب) ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۴۲ ج ۴)۔

کیا دلالی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ زید دلالی کرتا ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ فلاں شخص اتنے روپے دیتا تھا مگر میں نے اس کو نہیں دیا، گاہک اس ترغیب سے خرید لیتا ہے اور زید کو اجرت دلالی کی دیتا ہے، زید کے پاس ایسی اجرت سے بقدر نصاب روپیہ جمع ہو گیا ہے تو زید پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس صورت میں زید جھوٹ بولنے کی وجہ سے گنہگار ہوا، اور حدیث شریف میں ہے کہ ایسی بیع میں برکت نہیں ہوتی، لیکن زید اس رقم کا مالک ہو جاتا ہے، اور زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۹۴ ج ۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص ۱۶۷ ج ۱)۔

ضمانتِ ملازمت کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے بغرضِ ملازمت

ایک ہزار روپیہ بطورِ ضمانت سرکار میں جمع کیا، جب تک وہ شخص ملازم رہے گا، اس وقت اس کو ضمان واپس نہیں ملے گا۔ جب پنشن یا کسی وجہ سے برخاست ہوگا تو روپیہ اس کو دیا جائے گا، تو اس روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، تو بعد واپسی کے یا ہر سال زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے؟

جواب:۔ اس روپے کی زکوٰۃ واپسی کے بعد تمام گذشتہ سالوں کی ادا کرنا لازم ہے، اگر اس خیال سے کہ بعد واپسی کے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینی پڑے گی اور زیادہ رقم ہوجائے گی، ہر سال موجودہ روپے کے ساتھ زکوٰۃ دے دیا کرے تو یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۳ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۲ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

(زرِ ضمانت کی وجہ سے ملازمت ملی ہے، تو گویا کہ وہ ان روپوں کے ذریعہ مال حاصل کرنے والا ہوا ہے، تو عقلاً بھی زرِ ضمانت پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہونی چاہیئے، اگر وہ نصاب کے برابر ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

امانت کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میرے پاس کسی کی امانت ہے تو اس پر زکوٰۃ دینا میرا فرض ہے یا جس کی رقم ہے وہ زکوٰۃ دیگا؟

جواب:۔ جس شخص کی امانت آپ کے پاس ہے، آپ کے ذمہ اس کی زکوٰۃ نہیں، بلکہ اس کی زکوٰۃ امانت رکھوانے والے کے ذمہ لازم ہے۔ اگر اس نے آپ کو اختیار دیدیا ہے تو آپ بھی اس رقم میں سے ادا کرسکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۲ ج۳ وکفایت المفتی ص۲۴۷ ج۴)

اگر امانت کی رقم سے حکومت زکوٰۃ کاٹ لے؟

سوال:۔ دوسرے شہروں کے لوگ اپنی تجارت اور امانت کے طور پر کسی کے پاس جو رقم جمع کراتے ہیں تو حفاظت کے خیال سے وہ شخص اپنے نام سے بینک میں رکھ دیتا ہے اور وقتاً فوقتاً ان لوگوں کی ہدایت کے پیشِ نظر رقم نکالتا بھی رہتا ہے تو کیا حکومت ان رقوم پر زکوٰۃ منہا کرنے کی حقدار ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جس شخص کی امانت ہے اس کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہوگی۔ مگر چونکہ حکومت آپ کے اکاؤنٹ میں زبردستی کاٹ لیتی ہے۔ اس لیے امانت رکھوانے والے کو چاہیئے کہ آپ کو

زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار دیدے، اس اختیار دینے کے بعد ان کی رقم سے جو زکوٰۃ کٹے گی وہ ان کی طرف سے ہوگی۔ اور آپ سے زکوٰۃ کی رقم جو کاٹ لی گئی اس کو منہا کر کے باقی رقم ان کو واپس کر دیں گے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۳ ج۳)

(یہ مسئلہ اسلامی حکومتوں میں اسلامی بینکوں کا ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

رقم پیشگی و پگڑی کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال:۔ کرایہ کے مکان (و دکان) پر جو رقم بطورِ ضمانت پیشگی کرایہ دار سے لی جاتی ہے وہ قابلِ واپسی ہے اور کئی سال مالک مکان کے پاس امانت رہتی ہے، اس کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا؟

جواب:۔ جو شخص رقم کا مالک ہو، اس کے ذمہ زکوٰۃ ہے، پس امانت کی رقم کی زکوٰۃ اس پر نہیں ہے، بلکہ امانت رکھوانے والے مالک کے ذمہ ہے اور (جو رقم پیشگی کرایہ دار سے واپسی کی شرط پرلی ہے) زرِ امانت کا مالک کرایہ دار ہے، اس کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمہ ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۳ ج۳)۔

(اور جو رقم آج کل بطور پگڑی کے لی جاتی ہے وہ واپس کرایہ دار کو نہیں ملتی ہے بلکہ مالک مکان و دوکان اس رقم کا مالک ہوتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں یہ الگ بحث ہے۔ اگر یہ رقم واپسی کی شرط پر نہ ہو تو اس کی زکوٰۃ مالک مکان پر ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

متروکہ مال کی زکوٰۃ امین پر ہے یا ورثاء پر؟

سوال:۔ میت کا متروکہ مال ابھی وارثوں پر تقسیم نہیں ہوا، امین کی زیر تحویل ہے اور سب وارث بالغ ہیں، بعض کے حصے مقرر اور بعض کے ابھی مقرر نہیں ہوئے، اس مناقشہ میں سال کامل گذر گیا، اس صورت میں زکوٰۃ امین پر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ مال کی بذمہ مالکوں کے لازم ہوتی ہے، امین کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ اگر وہ مال سونا چاندی ہے تو وارثوں پر بقدر حصہ زکوٰۃ لازم ہے جس وقت ان کے

پاس ان کا حصہ پہونچ جائے گا اور مال زکوٰۃ بقدر نصاب ان کے پاس تو زمانہ گذشتہ کی زکوٰۃ بھی ان کے ذمہ لازم ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۴۷ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱ ج۲)

امانت کے روپے سے زکوٰۃ ادا کرنا؟

سوال:۔ زید کے پاس کچھ روپیہ عمر کا امانت ہے، عمر باہر چلا گیا ہو، زید کو لکھا ہے کہ میری امانت سے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کر دیا جائے، زید نے واجب الادا رقیمت سے کچھ دینی کتابیں لے کر مصرفِ زکوٰۃ میں دے دیں؟

جواب:۔ اس طریق سے زکوٰۃ ادا کر دینا درست ہے، اور زکوٰۃ عمر کی صحیح ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۴۷ ج۶)۔

حفاظت کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ زید نے اپنے بھائی عمر کو پانچ سو روپے بغرض حفاظت دیا اور کہا کہ چاہے تم ان کو کاروبار میں لگا کر نفع یا نقصان اٹھاؤ، یا ویسے ہی رکھے رکھو، چار سال بعد اس رقم کی واپسی ہوئی تو کیا ان چار سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جواب:۔ ان چار سال کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۴۸ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۲ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

مقدمہ کر کے وصول ہونے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے (اسامی پر) نالش (مقدمہ) کرنے سے سات سو روپے وصول ہوئے، اور چار سو روپے عدالت میں خرچ ہوئے اور ان چار سو روپے کی زکوٰۃ ادا کر چکا تھا، اب کل سات سو کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا بعد منہا وضع کرنے خرچ کے؟

جواب:۔ کل روپے کی زکوٰۃ ادا ہوگی خرچ منہا نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۵۷)

ڈگری کے ذریعہ جو مال ملے اس پر زکوٰۃ کیسے ہے؟

مسئلہ:۔ جس رقم سے ڈگری ہوئی رہنے ذمہ زکوٰۃ روپیہ واجب شدہ کی اسی وقت سے لازم ہوگی اور ادائے زکوٰۃ بعد وصول

روپیہ کے لازم ہوگی۔ (فتاوی دارالعلوم صہ ۹۹ جز ۶)۔

نوتہ والے روپے کی زکوٰۃ

سوال:۔ (۱) زید کا ایک ہزار روپیہ نوتہ (شادی وغیرہ کے موقع پر جو بھات یا نقد رقم وغیرہ دی جاتی ہے) دس سال بعد وصول ہوا تو کیا حکم ہے؟

(۲) زید کے پاس ہزار روپے ہیں اور پانچ سو روپے برواج برادری نوتہ دینا ہے تو اس صورت میں کس قدر روپے کی زکوٰۃ دینا ہوگی؟

جواب:۔ (۱) ایسے روپے کی زکوٰۃ وصول ہونے کے بعد دینا لازم ہے، وصول ہونے سے قبل نہیں ہے۔

(۲) اس صورت میں زید کو ایک ہزار روپے کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ (فتاوی دارالعلوم صہ ۵۴ ج ۶ بحوالہ رد المحتار کتاب الہبۃ قبل باب الرجوع صہ ۷۰۷ ج ۴)۔

(نیوتہ یعنی جو خوشی کے موقع پر دیا جاتا ہے، اس میں بحث یہ ہے کہ یہ قرض کے حکم میں ہے یا ہبہ کے حکم میں۔ اگر قرض کے حکم میں ہے تو وصول ہونے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ اور جو رقم نوتہ لوگوں کے ذمہ ہے، زکوٰۃ کے حساب کے وقت یہ رقم وضع کر لی جائے گی اور بقیہ کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

اور اگر اس نوتہ کو قرض یا ہبہ قرار دینے کا مدار رسم ورواج پر ہے کہ بعض برادریوں میں بطور قرض یہ رقم دی جاتی ہے اور حساب لکھا جاتا ہے اور بعد میں شادی کے موقع پر ضروری طور پر وصول کیا جاتا ہے، اور بعض برادریوں میں حساب کتاب نہیں لکھا جاتا کہ اگر مل گیا تو لے لیا، ورنہ اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا جاتا، تو گویا یہ بطور ہبہ ہوتا ہے۔

اسی لیے مفتی صاحب رحمہ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہبہ قرار دیا ہے اگر ہبہ کا بدلہ آ گیا تو اب آئندہ کی زکوٰۃ بشرط نصاب دے ورنہ نہیں۔ اور نیوتہ کی رقم جو ذمہ ہے چونکہ ہبہ کے حکم ہے لہٰذا اسے حساب میں وضع قرار نہیں دیا۔

بقلم مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہ) بر حاشیہ فتاویٰ دارالعلوم صہ ۵۴ جلد ۹)۔

حج کے لیے جو رقم رکھی ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ ایک صاحب نے چھ سال سے حج کے لیے روپیہ علحدہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ امسال حج کو جانا چاہتے ہیں تو کیا اس روپیہ پر تمام گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس روپے کی زکوٰۃ دینا واجب ہے جب تک وہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے اس وقت تک تمام سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۱۲ ج۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص۱۶۷ ج۱ وفتاویٰ محمودیہ ص۹۴ ج۱۳)۔

حج کے لیے جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص رمضان میں زکوٰۃ نکالتا ہے، اس سال حج کو جانے کا خیال ہے، لہٰذا حج کو جانے کے لیے پیشگی رقم جمع کرائی ہے، اب اس کی روانگی شعبان میں متوقع ہے، لہٰذا جو رقم جمع کی گئی ہے اس کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ آمد ورفت کے کرایہ اور معلم وغیرہ کی فیس کے لیے جو رقم دی گئی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس سے زائد رقم جو کرنسی کی صورت میں اس کو واپس ملے گی، اس میں سے یکم رمضان المبارک تک جتنی رقم بچے گی اس پر زکوٰۃ فرض ہے، جو خرچ ہوگئی اس پر نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۶۴ ج۴ بحوالہ رد المحتار ص۷ ج۱)۔

حج کے لیے زکوٰۃ لینا کیسا ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی حج کو جا رہا ہے، اور اس کے پاس پیسے کم پڑ جائیں تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جس کے پاس خرچ کم ہو، اس کو حج کے لیے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں۔ لیکن اگر پیسہ پورا تھا اور چلا گیا مگر راستہ میں کوئی حادثہ پیش آگیا کہ روپیہ ضائع ہو گیا اور مکان سے منگانے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو وہاں زکوٰۃ کا پیسہ بقدر ضرورت لے لینا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۹۴ ج۱۳)۔

کسی کو اتنی زکوٰۃ دینا کہ اس پر حج فرض ہو جائے؟

سوال:۔ عالم کو اگر

لوگ اتنی زکوٰۃ دیں کہ اس پر حج فرض ہوجائے، کیسا ہے؟ شامی کی عبارت سے جائز معلوم ہوتا ہے۔

جواب: آتنی رقم مدِّ زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے کہ جس سے فقیر صاحبِ نصاب ہوجائے، ہمارے دیار میں وجوبِ حج سے قبل ہی صاحبِ نصاب ہونا ظاہر ہے، لہٰذا اتنی رقم دینا کہ حج فرض ہوجائے بطریقِ اولیٰ مکروہ ہے۔ شامی کی عبارت منقطع الحاج سے مراد وہ شخص ہے جو حج کے لیے نکلا ہو مگر سفر میں اس کا مال جاتا رہا، اس کو زکوٰۃ دینا بلا کراہت جائز ہے۔ عالم بلکہ عامی کو بھی اتنی زکوٰۃ نہیں لینا چاہیے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۴ ج۴ بحوالہ رد المحتار ص۴۳ ج۲)۔

زکوٰۃ کی رقم سے حج کرانا کیسا ہے؟

مسئلہ: اگر زکوٰۃ کا روپیہ حج کرنے والے کی داگر صاحبِ نصاب نہیں ہے) ملک کردیا جائے کہ وہ اپنا حج کرے یا جس خرچ میں چاہے صرف کرے، تو یہ درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۷۳ ج۶)۔

مسئلہ: اپنی زکوٰۃ کے روپے سے اپنا حج کرنا درست نہیں ہے، البتہ یہ جائز ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ کے روپے کا مالک بنادیا جائے، پھر خواہ وہ اپنا حج کرے یا دیگر مصارف میں صرف کرے اس کو اختیار ہے۔ غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ کے روپے میں مالک بنا دینا محتاج کو شرط ہے بغیر اس کے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۷۴ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۸۵ ج۱)

(البتہ ایک شخص کو اتنی رقم زکوٰۃ کی دینا کہ وہ صاحبِ نصاب ہوجائے مکروہ ہے لیکن زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، اور یہ بھی جب ہے کہ وہ غریب عیال دار نہ ہو۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

کسی کو اتنی زکوٰۃ دینا کہ وہ صاحبِ نصاب ہوجائے؟

سوال: کسی فقیر کو اتنی زکوٰۃ کی رقم دینا کہ وہ صاحبِ نصاب ہوجائے مکروہ ہے، مگر سوال یہ ہے کہ اس نصاب سے کیا مراد ہے؟ موجبِ زکوٰۃ نصاب مراد ہے یا وہ نصاب جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو؟

جواب: زکوٰۃ لینے سے مانع نصاب مراد ہے، یہ کراہت جب ہے کہ فقیر عیال دار نہ ہو اگر عیال دار ہے تو اس کو یک مشت اتنی رقم مدِّ زکوٰۃ سے دی جاسکتی ہے کہ اس کے

عیال (بال بچوں) پر تقسیم کریں توان میں سے کوئی بھی صاحبِ نصاب نہ بنے۔ (اَحْسَنُ الفتاویٰ ص۲۹۳ ج۴ بحوالہ ردالمحتار ص۴۷ ج۲)۔

مسئلہ:۔ یکمشت کسی ایک کو زکوٰۃ بقدرِ نصاب دے دینے سے زکوٰۃ تو ادا ہوجاتی ہے، مگر کسی کو یکمشت اتنی زکوٰۃ دے دینا کہ وہ صاحبِ نصاب ہوجائے مکروہ ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۷ ج۳)۔

شیئرز (حصص) پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ حصص اگر بہ نیتِ تجارت خریدے ہوں یعنی خود حصص کی خرید و فروخت مقصود ہو تو حصص کی کل قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے، ورنہ حصص کی صرف اس مقدار پر زکوٰۃ ہوگی جو تجارت میں لگی ہوئی ہے۔ کارخانہ کی مشینری اور مکان پر صرف شدہ مقدار پر زکوٰۃ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۸۷ ج۴ وفقہ الزکوٰۃ ص۳۶۹ ج۱)۔

حصص پر زکوٰۃ کون سی قیمت پر لگے گی؟

سُوال:۔ ایک شخص نے تجارتی کمپنی کے حصص خریدے۔ جب کمپنی شروع ہوئی تھی اس وقت ایک حصہ پانچ سو روپے کا تھا اور جس وقت اس نے حصے خریدے اُس وقت ایک حصہ کی قیمت ایک ہزار تھی اور اس وقت ایک حصہ کی قیمت پانچ سو روپے ہے تو یہ شخص کس قدر زکوٰۃ دے؟

جواب:۔ جو قیمت اس وقت ہے یعنی پانچ سو روپے کی ادا کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۶ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۳۰ ج۲ باب زکوٰۃ الغنم)۔

کیا حصص پر زکوٰۃ انفرادی طور پر ہے؟

سُوال:۔ تمام کمپنیاں زکوٰۃ وعشر اثاثہ جات پر زکوٰۃ منہا کرتی ہیں اور یہ رقم زکوٰۃ فنڈ کو منتقل کردی جاتی ہے، کیا ایک مرتبہ اجتماعی کاروبار میں سے زکوٰۃ منہا ہوجانے کے بعد بھی دوبارہ ہر حصہ دار کو اپنے حصص پر انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

جواب:۔ اگر حصہ داروں کے حصص سے زکوٰۃ وصول کرلی گئی تو ان کو انفرادی طور پر اپنے اپنے حصوں کی زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں، البتہ اس میں گفتگو ہوسکتی ہے کہ حکومت

جس انداز سے زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟۔ بہت سے علماء کرام اس طریق کار کی تصویب کرتے ہیں اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جانے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جب کہ بہت سے علماء کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اور وہ حکومت کی کاٹی ہوئی زکوٰۃ کو ادا شدہ نہیں سمجھتے، ان حضرات کے نزدیک ان تمام رقوم کی زکوٰۃ مالکان کو خود ادا کرنی چاہیئے، جو حکومت نے کاٹ لی ہو (آپ کے مسائل ص۳۷۴ ج ۳)

کیا شیئرز کی خریداری پر زکوٰۃ ہے؟

سوال :- زید نے ایک کمپنی کے پندرہ حصے پانچ ہزار کے خریدے، اس میں جو کچھ نفع ہوتا ہے وہ سالانہ تقسیم ہو کر حصہ داروں کو ملتا ہے تو کیا زید کے ذمہ پانچ ہزار کی زکوٰۃ دینا لازم ہے یا منافع سالانہ کی رقم پر زکوٰۃ لازم ہو گئی؟

جواب :- زید کو اس رقم پانچ ہزار کی زکوٰۃ بھی دینی لازم اور فرض ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۰ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۳ ج ۲)۔

مسئلہ :- اگر کمپنی تجارت کرتی ہے تو زکوٰۃ جمع شدہ رقم پر ہو گی، اور اگر کرایہ وصول کرنے کی کمپنی ہے تو جمع شدہ مال پر زکوٰۃ نہیں بلکہ حاصل شدہ نفع پر ہو گی (کفایت المفتی ص۱۴۳ ج ۴)

مسئلہ :- شیئرز پر زکوٰۃ ہے، اگر کمپنی تجارت کرتی ہے، مثلاً کپڑا، لوہا، سامان مشینری وغیرہ فروخت کرتی ہے، سیمنٹ بیچتی ہے، بجلی سپلائی کرتی ہے (جیسے الیکٹرک کمپنی) تو شیئرز کی اصل رقم (شیئرز کی قیمت) اور شیئرز کے منافع دونوں پر زکوٰۃ ہے اور اگر کمپنی تجارت نہیں کرتی، صرف کرایہ وصول کیا جاتا ہے جیسے ٹرام کمپنی، بس کمپنی تو اس کے شیئرز پر زکوٰۃ ہے یعنی منافع پر زکوٰۃ ہے اصل رقم پر زکوٰۃ نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۴ ج ۲ و آپ کے مسائل ص۳۷۳ ج ۳)۔

شیئرز کی مختلف قسمیں اور اس کا حکم

مسئلہ :- صنعتی اداروں کے سلسلہ میں جو اصول مذکور ہوا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کارخانوں میں حصہ دار بننے کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو اس نے ایسے کارخانہ میں شرکت کی ہے جس کا کام تجارت اور خرید و فروخت نہیں ہے۔ مثلاً دھان کوٹنا آٹا پیسنا وغیرہ۔ اس میں محض اجرت لے کر ایک کام کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں صرف

آمدنی ہی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر ایسا کارخانہ ہو کہ اس میں تجارت بھی کی جاتی ہو، چیزیں خرید کر تیار کی جاتی اور فروخت کی جاتی ہوں، تو اب اخراجات نکالنے کے بعد سال بھر کی آمدنی کے علاوہ خام اور تیار شدہ مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، جیسے روئی خرید کر کپڑا بننے اور گنا خرید کر شکر یعنی چینی بنانے والے کارخانے، جو پھر اسے فروخت کر دیتے ہیں، اس لیے کہ اب اس مال کی حیثیت "مالِ تجارت" کی ہوگی۔ ہاں البتہ کارخانہ کی عمارت، فرنیچر، اوزار اور مشینوں پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

یہاں زکوٰۃ کے سلسلہ کے جو مسائل و احکام مذکور ہوئے، ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تمام حصہ داروں کی نیت اور ارادہ سے یکجا وہ رقم زکوٰۃ نکال دی جائے، اور یہ بھی درست ہے کہ ہر حصہ دار اپنے طور پر حساب کرے اور اپنے حصہ کے تناسب سے زکوٰۃ نکال دے۔ (جدید فقہی مسائل ص۱۲۳)۔

مسئلہ:۔ کارخانوں اور ملوں کے حصص پر بھی زکوٰۃ واجب ہے جب کہ ان حصص کی مقدار بقدرِ نصاب ہو یا دوسری قابلِ زکوٰۃ چیزوں کو ملا کر نصاب بن جاتا ہو، البتہ مشینری اور فرنیچر وغیرہ کو مستثنیٰ کر کے باقی کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۰ ج۳)

مسئلہ:۔ سونا، چاندی مالِ تجارت اور کمپنی کے حصص کی جو قیمت زکوٰۃ کا سال پورا ہونے کے دن ہوگی اسی کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۱ ج۳)۔

کمپنی میں نصاب کے برابر جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال:۔ میں نے پیسے کسی کمپنی کو دیئے ہیں جو کہ منافع ونقصان کی بنیاد پر ہر ماہ منافع ادا کرتی ہے، جس سے ہمارے گھر کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں، اگر زکوٰۃ ماہانہ آمدنی سے ہو تو فاقہ کی صورت پیش آتی ہے، اور اگر اصل مال سے نکلواتے ہیں تو مزید آمدنی کم ہو جاتی ہے؟

جواب:۔ جو رقم آپ نے کمپنی میں جمع کر رکھی ہے، اگر وہ مالیت نصاب یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہے تو اس کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی جو صورت بھی ہو آپ اختیار کریں۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۵ ج۳)۔

سرکاری وغیر سرکاری کمپنیوں کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:- کمپنیوں کی زکوٰۃ میں اختیار ہے، اجتماعاً اور انفراداً دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جو کمپنیاں اور ادارے مکمل طور پر سرکاری ہیں، ان کے کسی حصہ پر بھی زکوٰۃ نہیں، اور جو جزءً سرکاری ہیں اُن کے سرکاری حصہ پر زکوٰۃ نہیں، صرف غیر سرکاری حصوں پر زکوٰۃ ہے۔ سرکاری اموال پر اس لیے زکوٰۃ نہیں کہ یہ شخصی ملکیت نہیں (احسن الفتاویٰ ج۴)

کیا پلاٹ کی زکوٰۃ مارکیٹ کی حیثیت پر ہے؟

مسئلہ:- جو زمین یا پلاٹ خریدا جائے، خریدتے وقت اس میں تین قسم کی نیتیں ہوتی ہیں، کبھی تو یہ نیت ہوتی ہے کہ بعد میں ان کو فروخت کر دیں گے، اس صورت میں ان کی قیمت پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اور ہر سال مارکیٹ میں جو اُن کی قیمت ہو، اس کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً ایک پلاٹ آپ نے پچاس ہزار کا خریدا تھا، ایک سال کے بعد اس کی قیمت ستر ہزار ہوگئی، تو زکوٰۃ ستر ہزار کی دینی ہوگی۔ اور دس سال بعد اس کی قیمت پانچ لاکھ ہوگئی تو اب زکوٰۃ بھی پانچ لاکھ کی دینی ہوگی۔ الغرض ہر سال جتنی قیمت مارکیٹ میں ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور کبھی یہ نیت ہوتی ہے کہ یہاں مکان بنا کر خود رہیں گے، اگر اس نیت سے پلاٹ خریدا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

اسی طرح اگر خریدتے وقت نہ تو فروخت کرنے کی نیت تھی، اور نہ خود رہنے کی، اس صورت میں بھی اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۷ ج۳)۔

مسئلہ:- تجارت کی نیت سے خرید کردہ زمین اور مکان اور برائے فروخت تعمیر کردہ مکانات کی موجودہ مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے، اصل سرمایہ پر نہ ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۹ ج۴)

مکان کی خرید پر خرچ ہونے والی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- ایک ماہ قبل مکان کا سودا کر چکے ہیں، ہم نے دو ماہ کا وقت لیا ہے جو کہ ختم ہو رہا ہے، بیانہ ایڈوانس پیشگی ادا کر چکے ہیں، اب ادائیگی زکوٰۃ کس طرح ہوگی، کیونکہ رقم تو اب ہماری نہیں ہے مالک مکان کی ہوگئی، اب ہمارا تو مکان ہوگیا، کیا اس رقم سے زکوٰۃ ادا کریں جو کر

مالک کو دینی ہوگی؟

جواب:۔ اگر زکوٰۃ ادا کرنے سے قبل مکان کی قیمت ادا کردی تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور اگر سال ختم ہوگیا (نصاب کا) ۔ اب تک مکان کے پیسے ادا نہیں کیے بلکہ بعد میں مدت مقررہ پر ادا کریں گے تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۲ ج۳)۔

پلاٹ پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ پلاٹ (زمین) اس نیت سے لیا گیا تھا کہ اس کو فروخت کریں گے، تب تو وہ مالِ تجارت ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا تھا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر خریدتے وقت تو فروخت کرنے کی نیت نہیں تھی، لیکن بعد میں فروخت کرنے کا ارادہ ہوگیا تو جب تک اس کو فروخت نہ کر دیا جائے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۶ ج۳)

جو پلاٹ رہائشی مکان کے لیے ہو؟

سوال:۔ میرے پاس زمین کا ایک پلاٹ ہے، مکان کی تعمیر کا خیال ہے، کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

جواب:۔ جو پلاٹ رہائشی مکان کے لیے خریدا گیا ہو اُس پر زکوٰۃ نہیں (آپ کے مسائل ص۳۶ ج۳)

کیا تجارتی پلاٹ پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ اگر مکانات کے پلاٹوں کی خرید و فروخت کی جائے تو کیا یہ مالِ تجارت ہیں اور ان کی کُل مالیت پر زکوٰۃ ہے یا نفع پر؟

جواب:۔ اگر پلاٹوں (زمین یا مکان وغیرہ) کی خرید و فروخت کا کاروبار کیا جائے اور فروخت کرنے کی نیت سے پلاٹ خریدا جائے تو پلاٹوں کی حیثیت تجارتی مال کی ہوگی اور ان کی کل مالیت پر زکوٰۃ ہر سال واجب ہوگی۔

مسئلہ:۔ جو زمین مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہو، اس پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہے، ہر سال جتنی اس کی قیمت ہو، اس کا چالیسواں حصہ نکال دیا کریں۔ (آپ کے مسائل ص۳۷ ج۳)۔

مسئلہ: ۔اگر پلاٹ یا مکان تجارت کی نیت سے خریدا جس کی قیمت مقدارِ نصاب کو پہونچ جاتی ہو، تو یہ مالِ تجارت ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض ہے، جو چیز بھی بیچنے کی نیت سے خریدی جائے وہ مالِ تجارت میں داخل ہے۔(احسن الفتاویٰ صـ۲۹۵ ج۴)۔

جو مکان کرایہ پر چلانے کے لیے خرید اگیا؟

سوال: ۔ایک شخص نے اپنے رہنے کے مکان کے علاوہ ایک اور مکان کرایہ پر چلانے کے لیے خریدا اور روپیہ بھی محفوظ رہے تو کیا اس مکان کی زکوٰۃ ہے؟

جواب: ۔اس صورت میں مکان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، بلکہ کرایہ کا روپیہ نصاب کے بقدر یا زیادہ جمع ہوگا اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگی (فتاویٰ دار العلوم صـ۱۵۴ ج۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۱ ج۲)۔

ضرورت سے زائد مکان پر زکوٰۃ

سوال: ۔جب کہ جائیداد یا مکان ذاتی ضرورت سے زیادہ ہوں، اُن سے کرایہ کی آمدنی ہو تو زکوٰۃ جائیداد کی قیمت پر ہوگی یا آمدنی پر؟

جواب: ۔جائیداد (زمین و مکان) کی قیمت پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی بلکہ کرایہ کی آمدنی پر جو نصاب کی مقدار کو پہونچ جائے، اور اس پر تنہا یا دیگر رقوم موجودہ کے ساتھ سال پورا ہو جائے تو زکوٰۃ لازم ہوگی، جو کرایہ کی آمدنی جمع ہو اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی حسب شرط مذکورہ بالا۔(فتاویٰ دار العلوم صـ۱۳۳ ج۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۱ ج۲ و آپ کے مسائل صـ۳۱۱ ج۳ و کفایت المفتی صـ۱۴۳ ج۴)۔

جس روپے سے مکان خرید اگیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

سوال: ۔ایک شخص نے پانچ ہزار کا مکان خریدا، گھر والوں نے پسند نہیں کیا، اس لیے فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا، اس صورت میں ان پانچ ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: ۔ان پانچ ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جن سے مکان خرید اگیا، جس وقت تک وہ روپیہ موجود تھا اور مکان نہ خریدا تھا اس وقت تک کی زکوٰۃ لازم

تھی (اگر سال پورا ہو گیا تھا، اور اگر سال کے ختم سے پہلے پہلے) جب مکان خرید لیا، اس وقت سے زکوٰۃ اس کی ساقط ہو گئی، اور جس وقت مکان فروخت ہو کر نقد روپیہ حاصل ہو گا تو اس پر مکمل ایک سال گذرنے پر اس پر زکوٰۃ لازم ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۲۹ ج۶ بحوالہ ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ص۱ ج۲ و ص۱۳ ج۲)۔

اجارہ کی زمین پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ جو زمین ٹھیکہ پر یعنی اجارہ پر لی جائے اور ہر سال کی اجرت معین کر کے چند سال کی اجرت پیشگی دے دی جائے تو یہ درست ہے اور اس روپے کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۳۳۳ ج۶)۔

زمین و مکان کی مالیت پر زکوٰۃ ہے یا آمدنی پر؟

مسئلہ:۔ مالیت زمین و جائداد پر زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ کرایہ وغیرہ کی آمدنی جو جمع ہو اور خرچ وغیرہ کے بعد سال پورا ہونے پر باقی رہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور زیور و نقد پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ کی شرح یہ ہے کہ چالیسواں حصہ روپیہ و زیور وغیرہ کا دینا واجب ہے یعنی اڑھائی روپے سیکڑہ۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار باب زکوٰۃ المال ص۳۸ ج۲)۔

کیا رہائشی مکان و سامان خانہ داری پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ رہائشی مکان، پہننے کے کپڑوں، گھر کا سامان، سواری کے جانوروں اور استعمالی ہتھیاروں اور ایسے ظروف (برتن) اور آرائش کی چیزوں پر جو سجاوٹ کے لیے استعمال کیے جائیں اور سونے و چاندی کے نہ ہوں، زکوٰۃ واجب نہیں۔ (کتاب الفقہ ص۹۶۸ ج۱ اور درمختار ص۴ ج۲)

زیر استعمال چیزوں پر زکوٰۃ

سوال:۔ کیا آرام و آسائش کی چیزوں مثلاً ریڈیو، ٹی وی، فریج، واشنگ مشین، موٹر سائیکل وغیرہ پر بھی زکوٰۃ ہے؟

جواب:۔ یہ چیزیں استعمال کی ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں۔ البتہ زیورات پر زکوٰۃ ہے خواہ

وہ پہنے ہوئے رہتے ہوں یا نہ۔ (جب کہ نصاب کو پہونچ جائے)۔ آپکے مسائل ص ۳۷۲ ج ۳ وقدوری ص ۳۷

مسئلہ:۔ ایسے برتن (دیگ بڑے دیگچے وغیرہ) جو استعمال کے لیے رکھے ہوں خواہ ان کے استعمال کی نوبت کم ہی آتی ہو، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۳ ج ۳)۔

کیا مرغی فارم اور مچھلی پالن پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ مرغی فارم اور مچھلی کے تالاب کی زمین، مکان اور متعلقہ سامان پر زکوٰۃ نہیں، مرغیاں اور جوڑے خریدتے وقت اگر خود انہی کو بیچنے کی نیت ہو تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے، اور اگر ان کی بجائے ان کے انڈے اور بچے بیچنے کی نیت ہے تو زکوٰۃ نہیں۔ تالاب میں مچھلیاں یا اُن کے بچے خرید کر ڈالے ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔ مرغی خانہ اور تالاب کی آمدنی پر بہر صورت زکوٰۃ ہے۔ احسن الفتاویٰ ص ۳۰ ج ۴)

مندرجہ ذیل اشیاء پر زکوٰۃ نہیں ہے

مسئلہ:۔ وہ اشیاء جو سمندر سے نکالی جائیں جیسے عنبر، موتی، مونگا، مچھلی وغیرہ، اس پر کوئی مطالبہ نہیں (یعنی زکوٰۃ نہیں) ہاں اگر ان کی تجارت کی جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی (کتاب الفقہ ص ۹۹۸ ج ۱)۔

(یعنی جس طرح مالِ تجارت پر زکوٰۃ کے احکامات ہیں، اگر مندرجہ بالا چیزوں کی تجارت کی جائے گی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ جواہرات پر مثلاً موتی، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔ (کتاب الفقہ ص ۹۶۸ ج ۱)۔

مشک پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ:۔ اگر کسی کو مشک یا زباد (ایک خوشبودار چیز جو مشک بلاؤ سے نکلتی ہے) دستیاب ہو، یا موتی، مونگا وغیرہ حاصل ہو تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، خواہ اس کی مقدار زکوٰۃ کے نصاب کو پہونچ جائے۔ (کتاب الفقہ ص ۱۰۰۱ ج ۱)۔

(اگر تجارت کی جائے گی تو تجارتی لحاظ سے زکوٰۃ ہو جائے گی۔ محمد رفعت)

کیا سونے چاندی کے مصنوعی اعضاء پر زکوٰۃ ہے؟

بعض حالات میں اور بعض خاص مصلحتوں کے پیش نظر سونے چاندی کے مصنوعی اعضاء کا استعمال کیا جاتا ہے جیسے ناک، دانت، کھوکھلے دانتوں کا سونے چاندی سے بھرنا، سونے کے تاروں سے دانت کو باندھنا وغیرہ، ان میں سے بعض کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو آسانی سے نکالا جا سکتا ہے۔ اور ان کو رکھا ہی اس طرح جاتا ہے کہ ان کو لگایا و نکالا جاتا رہے۔ جب کہ بعض اعضاء میں یہ دھاتیں یعنی سونا چاندی اس طرح فٹ کی جاتی ہیں کہ ان کو آسانی سے نکالا نہیں جا سکتا، بلکہ وہ مستقل طور پر لگا دی جاتی ہیں۔ جو اعضاء نکالے جا سکتے ہیں جیسے کہ ناک وغیرہ ان میں تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کی نظیر زیورات وغیرہ ہیں۔ اور جو اس طرح نہ ہوں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مال نامی یعنی ان میں نشو ونما اور بڑھوتری کی گنجائش ہو اور موجودہ صورت میں ظاہر ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں۔ دوسرے جب وہ انسان کے جسم کا ایک ایسا عضو بن جائے جس کو الگ کیا جانا ممکن نہ ہو تو اب وہ انسان کی بنیادی ضروریات (حاجت اصلیہ) میں داخل ہو گیا اور ایسی چیزوں میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی (جدید فقہی مسائل ص۱۲۱)

کیا ماہانہ تنخواہ پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ اپنی تنخواہ کی کتنی فی صد رقم زکوٰۃ میں دینی چاہیے؟

جواب:۔ اگر بچت نصاب کی برابر ہو جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو ۲½ فی صد زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ بچت کی رقم پر ہوتی ہے، جبکہ بچت کی رقم ساڑھے باون تولے یعنی ۶۱۲٫۳۵ گرام چاندی کی مالیت کو پہونچ جائے، جب کچھ بچتا ہی نہیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۹ ج۳)۔

مسئلہ:۔ تنخواہ کی رقم جب تک وصول نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ تنخواہ کی رقم ملنے کے بعد اس پر پورا ایک سال ہوگا، تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور

اگر آپ پہلے سے صاحبِ نصاب ہیں تو جب نصاب پر سال پورا ہوگا اس کے ساتھ اس تنخواہ کی وصول شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ (آپ کے مسائل صفحہ ۳۶۰ ج ۳)۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ ملازمان کی تنخواہ میں جو کچھ روپیہ وضع (کٹتا) ہوتا ہے اور پھر اس میں کچھ رقم ملا کر بوقت ختم ملازمت ملازموں کو ملتا ہے وہ ایک انعام سرکاری سمجھا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ گذشتہ سالوں کی واجب نہیں ہوتی، آئندہ کو وصول ہونے کے بعد جب سال بھر نصاب پر گذر جائے، اس وقت زکوٰۃ دینا لازم ہوگی۔ (فتاوے دار العلوم صفحہ ۳۳۱ ج ۶ بحوالہ رد المحتار صفحہ ۴۹ ج ۲ باب الزکوٰۃ ونظام الفتاوی صفحہ ۲۱۴ ج ۱ وفقہ الزکوٰۃ صفحہ ۱۸۷ ج ۱ وفتاوی محمودیہ صفحہ ۵۱ ج ۳)۔

فنڈ کی قسمیں اور زکوٰۃ

مسئلہ:۔ گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ اور پرائیویٹ کمپنیوں کے پراویڈنٹ فنڈ کی نوعیت میں کچھ فرق ہے جس کی وجہ سے احکام میں بھی فرق ہوگا۔ گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ میں حکومت مستاجر ہے اور ملازم اجیر ہے، فنڈ کی رقم مستاجر (حکومت) کے قبضہ میں رہتی ہے اس پر اجیر کا قبضہ نہیں ہوتا، قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملک میں نہیں آئی، لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، وصول ہونے کے بعد بھی اُس پر گذشتہ زمانہ کی زکوٰۃ نہیں بلکہ آئندہ کے لیے (جبکہ روپیہ باقی سال بھر تک بچے) زکوٰۃ فرض ہوگی، البتہ اگر اس فنڈ میں سے ملازم نے کسی انشورنس کمپنی میں حصہ لیا تو اب بیمہ کمپنی کا قبضہ اجیر کی طرف منسوب ہوگا، اور کمپنی بمنزلہ وکیل ہوگی اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ شمار ہوتا ہے، لہٰذا اجیر کی ملک میں آجانے کی وجہ سے ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ کمپنیوں کا پراویڈنٹ فنڈ ایک مستقل کمپنی کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے جس میں ملازم کا ایک نمائندہ ہوتا ہے، یہ کمپنی چونکہ ملازمین کی وکیل ہے لہٰذا کمپنی کا قبضہ ملازم کا قبضہ شمار ہوگا اور یہ رقم ملازم کی ملک ہوگی، اس لیے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (احسن الفتاوی صفحہ ۲۶۰ ج ۴)۔

مسئلہ:۔ فنڈ کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں اگر کوئی شخص تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے سالہائے گذشتہ کی بھی زکوٰۃ دے دے تو افضل اور بہتر ہے، نہ دے تو کوئی گناہ نہیں ہے، کیونکہ فتویٰ امام اعظم رح کے قول پر ہے کہ فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری، زکوٰۃ کے مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں (یعنی وصول ہونے کے بعد سال گذرنے پر زکوٰۃ ہے، گذشتہ کی نہیں)۔ (امداد مسائل زکوٰۃ صـ۶۲)۔

مسئلہ: جب فنڈ کی یہ رقم ملازم یا اس کے وکیل کو وصول ہوگئی تو زکوٰۃ کے مسائل میں امام ابوحنیفہ رح کے مذہب پر اس کا حکم اور ضابطہ وہی ہوگا جو کسی اور نئی آمدنی اور مال مستفاد کا ہوتا ہے اور تفصیل اس ضابطہ کی یہ ہے:۔

(۱) ملازم اگر وصول یابی سے پہلے بھی صاحب نصاب نہیں تھا اور فنڈ کی رقم بھی اتنی کم ملی کہ اسے ملا کر بھی اس کا کل (سب) مال نصاب کی مقدار کو نہیں پہونچتا تو زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) اگر صاحب نصاب نہیں تھا مگر اس رقم کے ملنے سے صاحب نصاب ہوگیا تو وصول یابی کے وقت سے جب تک پورا ایک قمری سال نہ گذر جائے، اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہ ہوگی اور سال پورا ہونے پر بھی اس شرط پر واجب ہوگی کہ اس وقت تک یہ شخص صاحب نصاب رہے، لہٰذا اگر سال پورا ہونے سے پہلے مال خرچ کیا یا چوری وغیرہ ہوکر اتنا کم رہ گیا کہ یہ شخص صاحب نصاب نہ رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور اگر خرچ ہونے کے باوجود سال کے آخر تک مال بقدرِ نصاب نہ رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور اگر خرچ ہونے کے باوجود سال کے آخر تک مال بقدرِ نصاب بچا رہا تو جتنا بچا صرف اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور جو خرچ ہوگیا اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

(۳) اگر یہ ملازم پہلے سے صاحب نصاب تھا تو فنڈ کی رقم مقدارِ نصاب سے خواہ کم ملے یا زیادہ، اس کا علیحدہ شمار نہ ہوگا بلکہ جو مال پہلے سے اس کے پاس تھا جب اس کا سال پورا ہوگا، فنڈ کی وصول شدہ رقم کی زکوٰۃ بھی اسی وقت واجب ہوجائے گی خواہ اس نئی رقم پر ایک ہی دن گذرا ہو، مثلاً ایک شخص کی ملکیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے

برابر نقدی سال بھر سے رقم موجود تھی۔ سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے اسے پراویڈنٹ فنڈ کے ایک ہزار روپے اور مل گئے تو اب اگلے روز اسے پورے تین ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

مسئلہ:۔ جو شخص پہلے سے صاحبِ نصاب تھا اور سال پورا ہونے سے مثلاً چار ماہ پہلے اسے فنڈ کی رقم مل گئی مگر وصول یابی کے بعد چار ماہ گذرنے نہ پائے تھے کہ کچھ روپے خرچ ہوگئے، تو اب باقی ماندہ مال اگر بقدر نصاب ہے تو جتنا باقی ہے اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور جو خرچ ہوگیا، اس کی واجب نہ ہوگی، اگر باقی ماندہ مال نصاب سے کم ہے تو بالکل واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ ملازم کو جو رقم اس کے فنڈ میں سے بنام قرض دی جاتی ہے شرعاً یہ قرض نہیں بلکہ اس کا جو قرض محکمہ کے ذمہ تھا اسی کے ایک جزو کی وصول یابی ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۶۶ بحوالہ جدید مسائل کے شرعی احکام ص۲۳ تا ص۲۶)۔

(نوٹ:۔ تفصیل ملاحظہ ہو پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ۔ مولانا محمد رفیع عثمانی)

کیا بینک میں جمع شدہ مال پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ بینک میں جو رقم جمع کی جاتی ہے اس کی حیثیت "امانت" کی ہوتی ہے۔ صاحبِ مال کبھی بھی اپنا روپیہ وصول کرسکتا ہے اور اس میں تصرف کرسکتا ہے۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے عملی طور پر قبضہ ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر وہ بروقت تصرف کرنے کے موقف میں ہو تو حکماً قابض سمجھا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ خرید کیے ہوئے مال (سامان) پر قبضہ سے پہلے ہی زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے "اما المبیع قبل القبض الصحیح انہ یکون نصاباً" (المبسوط ص۱۹۵ ج۲، امام سرخسی)

لہٰذا بینک میں جمع شدہ رقم پر مکمل اور ہر سال زکوٰۃ واجب ہے۔ (جدید فقہی مسائل ص۱۱۹ ج۱)

مسئلہ:۔ بینک میں رقم رکھی ہوئی ہے، ایک سال اس پر گذر گیا اگر صاحبِ نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۴۰ ج۲ و فتاویٰ دار العلوم ص۱۳۴ ج۶)۔

کیا فکسڈ ڈپازٹ پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ آج کل بینک میں رقم جمع

کرنے کی ایک صورت وہ ہے جس کو "فکسڈ ڈپازٹ" کہا جاتا ہے۔ اس طرح یہ رقم ایک مخصوص مدت تین یا پانچ یا سات سال وغیرہ کے لیے ناقابلِ واپسی ہوجاتی ہے۔ اور اس مدت کی تکمیل کے بعد ایک قابلِ لحاظ شرح سود کے ساتھ یہ رقم واپس ملتی ہے۔

امام ابو حنیفہ رح کے یہاں وجوب زکوٰۃ کے لیے "ملک تام" ضروری ہے، اور ملک تام یہ ہے کہ وہ شئے (چیز) اس کی ملک میں بھی ہو اور اس کو اس پر قبضہ بھی حاصل ہو۔ ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی جائے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی لیکن فقہی نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جو سامان خود اپنے اختیار سے کسی دوسرے کے قبضہ میں دیدے مگر اس چیز پر اسی کی ملکیت باقی ہو تو سرِدست قبضہ نہ ہونے کے باوجود زکوٰۃ واجب رہتی ہے چناں چہ اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ قرض پر لگی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس لیے فکسڈ ڈپازٹ کی رقوم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

البتہ ایک ہی ساتھ تمام سالوں کی زکوٰۃ اس وقت ادا کی جائے گی جب یہ رقم صاحبِ مال کو وصول ہوجائے۔ (جدید فقہی مسائل ص۱۲ بحوالہ کتاب الفقہ ص۵۹۱ ج۱)۔

مسئلہ:۔ بینک فکسڈ ڈپوزٹ، سیونگ سرٹیفکیٹ، پرائز بونڈ اور انشورنس یہ سودی قرض ہیں، انعامی بونڈ میں سود کے علاوہ قمار بھی ہے، اس لیے اصل رقم پر زکوٰۃ فرض ہے اور کل منافع حرام ہونے کی وجہ سے واجب التصدق ہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۸۷ ج۴)۔

کیا بینک اور انشورنس کے انٹرسٹ پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ بینک اور انشورنس پر جو انٹرسٹ ملتا ہے وہ سود تو ہے ہی، بسا اوقات جُوا (قمار) بھی ہوجاتا ہے اور اس لیے مالِ حرام ہے، مالِ حرام کو صدقہ کی نیت سے نہیں دیا جاسکتا۔ یہ کارِ ثواب نہیں ہے بلکہ ایک کارِ خیر کی توہین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا صدقۃ فی غلول" (ترمذی)۔

چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب "قنیہ" میں ہے کہ اگر پورا نصاب مالِ حرام ہی ہے تو اس کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہوگی کیونکہ اس تمام کے تمام مال کو دے دینا ضروری ہے (جب کہ صاحب مال کو واپس کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو، ورنہ صدقہ کردے جبکہ مالک نہ ملیں) پھر اس کے

ایک حصہ میں زکوٰۃ واجب کرنے کا کیا حاصل ؟ ۔ اس لیے اگر تمام مال حرام ہی ہو اور اسی قسم کی رقم پر مشتمل ہو، تب تو زکوٰۃ واجب ہی نہ ہوگی، اور اگر مال کا غالب حصہ حلال ہو اور کچھ حرام تو دونوں کے مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے ایسے غصب کردہ مال پر زکوٰۃ واجب قرار دی جس کو آدمی اپنے مال کے ساتھ مخلوط کر دے۔ ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملکه فتجب الزکوٰۃ فیه" درمختار ص۳۹ ج۲ وجدید فقہی مسائل ص۱۲۱)۔

باونڈ وغیرہ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ زید کے پاس اپنی حوائج ضروریہ کے علاوہ ایک ہزار روپیہ ہے جس سے اس نے باونڈ (جو ایک قسم کا سرکاری کاغذ ہے، فکس ڈپازٹ وغیرہ) خریدے ہیں یا زید نے وہ روپیہ کسی کو قرض بلا سود دے دیا تو اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب:۔ ان سب صورتوں میں زکوٰۃ واجب الاداء ہے لیکن قرض دینے کی صورت میں وصول ہونے کے بعد گذشتہ زمانہ کی زکوٰۃ واجب الاداء ہے یعنی لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۳۷ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۲ ج۲)۔

موت کے معاوضہ پر جو رقم ملی اس کا حکم

سوال:۔ تصادم ریل (جہاز بس موٹر وغیرہ) سے زید کا انتقال ہو گیا، کمپنی نے اس کی جان کے معاوضہ میں اس کے والدین و بیوہ اور نابالغ بچوں کو مبلغ تیس ہزار روپے دیئے، تو ان بچوں اور بیوہ کی رقوم پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں ؟

جواب:۔ بچے جب تک نابالغ ہیں ان کے حصہ کے روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور بیوہ اور والدین کے حصہ میں جو روپیہ آیا ہے اس پر زکوٰۃ (جب کہ سال بھر تک وہ رقم موجود رہے) واجب ہے اور بچے جس وقت بالغ ہو جائیں گے تو ان کے حصے کے روپے پر بھی زکوٰۃ بالغ ہونے کے وقت سے واجب ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۳۲ ج۶ بحوالہ ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ص۴ ج۲)

دفینہ کا کیا حکم ہے؟

سوال:۔ جو روپیہ زمین میں مدفون ہے اور اس سے

کسی قسم کا نفع نہیں ہے تو اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب :۔ اس روپے کی زکوٰۃ ہر سال دینی چاہیئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۳۳۸ جـ۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۱۲ جـ۲)۔

(یعنی اگر وہ نصاب کے برابر ہے تو زکوٰۃ ضروری ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

کانوں اور دفینوں کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :۔ زمین کے اندر کانوں کے جو قدرتی خزانے ہیں، ان میں تین طرح کی اشیاء برآمد ہوتی ہیں (۱) حرارت سے پگھلنے والی دھاتیں (۲) رقیق اور بہنے والی چیزیں (۳) یا پتھر، وہ چیزیں جو نہ آگ پر پگھلتی ہوں اور نہ بذاتِ خود پتلی اور رقیق ہوں۔ آگ پر پگھلنے والی چیز دھات کی قسمیں ہیں، سونا، چاندی، لوہا، رانگ، تانبا، کانسی وغیرہ۔ ان میں زکوٰۃ کا وجوب پانچویں حصے کے بقدر ہوتا ہے۔ کان سے یہ دھاتیں برآمد کرنے والا آزاد آدمی ہو، یا غلام ہو، ذمی ہو یا لڑکا ہو یا عورت ہو، بہرحال پانچواں حصہ زکوٰۃ کا ادا کرنے کے بعد باقی شے کا برآمد کرنے والا مالک ہوگا۔

مسئلہ :۔ اگر کسی دفینے کو برامد کرنے میں دو شخص (ایک ساتھ) جد و جہد کریں اور ان میں سے ایک کے ہاتھ آجائے تو دفینہ کا وہی ایک شخص تنہا مالک قرار دیا جائے گا، اور اگر کوئی شخص کان کنی کا ٹھیکہ لے تو کان سے جو مقدار برامد کرے گا اس کا وہی مالک قرار دیا جائے گا۔ (بحر الرائق)۔

مسئلہ :۔ دوسری قسم وہ ہے جو رقیق اور پتلی ہو، جیسے گندھک، نمک، انتیل، پیٹرول۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو نہ رقیق ہو اور نہ پگھلنے والی ہو، جیسے چونا، گچ، کوئلہ، جواہر یا قوت، ان دو قسموں پر "تہذیب" کے مطابق زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ سیماب (پارہ) میں زکوٰۃ کا پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کسی شخص کو دارالاسلام میں کسی ایسی جگہ دفینہ ہاتھ آئے، جو جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو جیسے صحرائی علاقہ، تو اگر مدفون سکوں پر اسلامی سلطنت کی کوئی علامت کندہ ہو تو اس دفینہ کا وہی حکم ہے جو پڑی ہوئی چیز کے پالینے کا ہے۔ اور اگر دور

جاہلیت کی علامت ہو تو پانچواں حصہ زکوٰۃ کا نکال کر باقی چار حصے پانے والے کی ملکیت ہونگے

مسئلہ :- کوئی دفینہ کسی شخص کی ذاتی زمین میں برآمد ہو تو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق اس میں زکوٰۃ کا پانچواں حصہ واجب ہے۔

مسئلہ :- اگر کسی جگہ سامان مثلاً گھریلو اسباب کپڑے اور نگینے برآمد ہوں تو وہ بھی خزانے کے حکم میں ہے اور اس پر زکوٰۃ کا پانچواں حصہ واجب ہوگا۔ (تفصیل دیکھیے فتاویٰ عالمگیری اردو ص۲۴۴ ج۴ و کتاب الفقہ ص۹۹۶ ج۱)۔

مسئلہ :- آج کل خصوصاً ہمارے ملک ہندوستان میں چونکہ بیت المال کا کچھ انتظام نہیں ہے، اس لیے بیت المال کا حصہ بطور خود ان لوگوں کو جن کا ذکر مستحقینِ زکوٰۃ کے بیان میں آئے گا، تقسیم کر دیا جائے۔ (علم الفقہ ص۴۹ ج۴)۔

معدن اور پیٹرول وغیرہ پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :- کان اور معدنِ مائع جیسے پیٹرول اور غیر منطبع (جو ڈھالے نہ جاتے ہوں) جیسے جواہر میں خمس (پانچواں حصہ) نہیں ہے، اور منطبع غیر مائع (جو ڈھالے جاتے ہوں مگر بہتے نہ ہوں) پر خمس واجب ہے، البتہ زیبق کے معدن پر مائع ہونے کے باوجود خمس ہے، اس لیے کہ یہ دوسری اشیاء کے ساتھ مل کر انطباع (ڈھالے جانے) کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں ایسا معدن خواہ سرکاری زمین میں پایا جائے یا اپنی مملوکہ زمین میں یا کسی گھر و مکان و دوکان میں بہر حال اُس پر خمس ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی گھر و دوکان میں پائے جانے والے معدن پر خمس نہیں، ذاتی زمین سے متعلق امام صاحب رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں، ترجیح روایت وجوب کو دی گئی ہے۔ سرکاری زمین میں معدن پایا گیا تو پانے والے کی ملک ہے اور اگر اپنی ذاتی زمین میں ہو تو مالکِ زمین کی ملک ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۸۸ ج۴)۔

مسئلہ :- مائع اشیاء جیسے تارکول اور مٹی کا تیل، پیٹرول یا گیس، نمک وغیرہ کے برآمد ہونے پر کوئی مطالبہ نہیں ہے (زکوٰۃ نہیں ہے) اسی طرح ایسی اشیاء پر بھی جو نہ آگ پر پگھلائی جاتی ہوں اور نہ مائع ہوں جیسے چونا پتھر اور جواہرات وغیرہ پر کچھ عائد نہیں ہوتا، البتہ مائع

اشیاء زمین سے پارہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ پارہ برآمد ہو تو اس پر خمس (پانچواں حصہ) واجب ہے۔ واضح ہو کہ دفینہ میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جو زمین کے اندر دستیاب ہوں، مثلاً ہتھیار، آلات اور سامانِ خانہ داری وغیرہ یعنی ان تمام اشیاء پر خمس واجب ہو گا۔
(کتاب الفقہ ص۹۹۷ ج۱)

کیا منت کی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ ایک شخص نے کسی آمدنی کا تیسرا حصہ اللہ کے نام مان لیا، جب کوئی شخص قابلِ رحم نظر آیا تو اس کی امداد کی، کیا اس رقم پر زکوٰۃ ہوگی، جو اس نے غریبوں کے لیے یا اللہ کے نام رکھی ہے؟

جواب:۔ اگر زبان سے نذر یا منت کا لفظ کہا ہو تو یہ نذر واجب ہوگئی، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہے، مگر الگ سے ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسی رقم کا چالیسواں حصہ بہ نیتِ زکوٰۃ دے سکتا ہے، باقی بمدِّ نذر صدقہ کرے، بقدرِ زکوٰۃ کی نذر ساقط ہو جائے گی اگر یہ کُل رقم بغیر نیت زکوٰۃ مساکین کو دے دی تو بھی اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں گیا اور باقی نذر میں، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ نذر کی رقم الگ متعین ہو، ورنہ مطلق رقم کی نذر میں یہ ساری رقم بمدِّ نذر واجب التصدق ہوگی، اور اس کی زکوٰۃ الگ فرض ہوگی اگر بغیر نیتِ زکوٰۃ کل رقم صدقہ کردی تو بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی، مگر بقدرِ زکوٰۃ مزید بمدِّ نذر صدقہ واجب ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۶۶ ج۴)۔

کیا وقف مال پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ وقف شدہ مال پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا، اسی طرح اس کھیتی پر بھی زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے جو مباح (غیر مملوکہ اراضی) زمین کی پیداوار ہو کیونکہ اس کا بھی کوئی مالک نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ ص۹۶۱ ج۱ و فقہ الزکوٰۃ ص۱۶۱ ج۱)

مسئلہ:۔ اسی طرح اس حکم سے وہ مال بھی خارج ہے جو کسی کے لیے معیّن کیے بغیر وقف کیا گیا ہو، مثلاً کوئی باغ مسجد یا سرائے کے لیے، یا بالعموم فقراء و مساکین کے لیے بلا تعیین وقف ہو تو اس کے پھلوں اور پیداوار پر زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ زمین (وقف شدہ)

ٹھیکہ پر دی گئی اور اس پر کھیتی کی گئی تو ٹھیکہ دار کو اس کے لگان کے علاوہ زکوٰۃ (عشر) بھی دینی پڑے گی۔ (کتاب الفقہ ص۹۶۳ ج۱)۔

(یعنی وقف پر تو نہیں ہے لیکن ٹھیکہ دار نے زمین لے کر زراعت وغیرہ کی تو جو اس کے حصہ میں آئے گا، اس میں عشر ہوگا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

کیا زکوٰۃ کی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی لیکن اسے کسی مستحق کے حوالے نہیں کیا اور ایک سال تک رکھی رہی تو کیا اس رقم پر بھی زکوٰۃ ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ پر زکوٰۃ نہیں، اس رقم کو تو زکوٰۃ میں ادا کرے۔ (آپ کے مسائل ص۳۷ ج۳ وفقہ الزکوٰۃ ص۱۷۶ ج۱ وکفایت المفتی ص۱۴۳ ج۴)۔

کیا چندہ کی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ مدرسہ کا چندہ جو بقدر نصاب جمع ہو جاتا ہے اور سال بھر اس پر گذر جاتا ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۹ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۹ ج۲

مسئلہ:۔ محلہ کا وہ روپیہ جو جماعت (یا کمیٹی) کا مشترک روپیہ ہو اور لوگوں کے کام آنے کے لیے جمع کیا یا مسجد کا روپیہ ہو، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۰ ج۴)

مسئلہ:۔ مہتمم مدرسہ کے پاس جو رقم مدرسہ کی جمع رہتی ہے، اس میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۵ ج۶ بحوالہ رد المحتار کتاب الزکوٰۃ ص۹ ج۲)۔

مسئلہ:۔ جو رقم کسی کارِ خیر کے چندہ میں دی جائے، اس کی حیثیت مالِ وقف کی ہو جاتی ہے اور وہ چندہ دینے والوں کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اس لیے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۲ ج۳)۔

جن مدارس میں زکوٰۃ کی رقم جمع ہو وہاں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ بعض مدارس میں زکوٰۃ کے روپے تقریباً چالیس ہزار جمع ہو جاتے ہیں تو ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ

جواب:۔ مدرسہ والوں کو زکوٰۃ کی رقم اسی سال میں کام میں لے لینی چاہیے، مدرسہ میں چاہے کتنی ہی زکوٰۃ ہو، دینا منع نہیں ہے، البتہ سالہا سال جو جمع رکھتے ہوں، ایسے مدارس میں نہیں دینا چاہیے، جہاں کام میں صرف کی جاتی ہو اور ضرورت ہو وہیں دینی چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۳ ج ۵ و فتاویٰ محمودیہ ص۶۵ ج ۳)۔

بلاضرورت زکوٰۃ وصول کرنا؟

سوال (۱) زکوٰۃ کے پیسوں کی فی الحال ضرورت نہیں ہے مگر مدرسہ کے ابقاء اور ارتقاء اور استحکام کے پیشِ نظر بطور پیش بینی زکوٰۃ کی رقم لے لی جاتی ہے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(۲) اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ وصول کر کے حیلۂ تملیک کرلے اور پھر حسب مصالح صَرف کرتا رہے تو حیلۂ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ مدرسہ کے بقاء وارتقاء اور استحکام کے لیے صورتِ مسئولہ اختیار کرنا درست ہے۔

(۲) تملیک سے زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۳۹ ج۳ بحوالہ ہدایہ ص۱۶۹ ج۱)

کمیشن پر زکوٰۃ کا چندہ وصول کرنا

سوال:۔ مدارس میں اکثر چندہ رقم میں سے حصہ مقررہ پر چندہ مانگتے ہیں بعض کی تنخواہ مقرر ہوتی ہے، اگر زکوٰۃ کی رقم ان کو دی جائے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:۔ چندہ کے حصے پر سفیر مقرر کرنا جائز نہیں۔ مدارس کو جو زکوٰۃ دی جاتی ہے اگر وہ صحیح مصرف پر خرچ کریں گے تو زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں۔ اس لیے زکوٰۃ صرف انہی مدارس کو دی جائے جن کے بارے میں اطمینان ہو کہ وہ ٹھیک مصرف پر خرچ کرتے ہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۰۷ ج۳)

مسئلہ:۔ کمیشن پر چندہ کرنے کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کی اچھی کارکردگی کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ فی صد کمیشن بطورِ انعام دینا جائز ہے، لیکن

زکوٰۃ کے پیسے سے دینا جائز نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ کا پیسہ مدرسہ میں جمع کرنا لازم ہے اور یہ انعام مدرسہ اپنے امدادی فنڈ میں سے دے سکتا ہے، اور اگر تنخواہ دار ملازم نہیں ہے تو کمیشن پر چندہ اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ (ہدایہ ص ۲ ج ۳ و فتاویٰ دار العلوم ص جلد ۶ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۰۱ ج ۱۳) ۔

زکوٰۃ وغیرہ جبراً وصول کرنا کیسا ہے؟

سوال:- جبراً عشر و چندہ وصول کر کے مدرسہ و مکتب میں صرف کرنا کیسا ہے؟

جواب:- جبر کرنا صدقہ نفلی میں درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۳۳۸ ج ۶) ۔

زکوٰۃ کی رقم بلا اجازت خرچ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:- ایک شخص کے پاس مہتمم مدرسہ نے کچھ روپیہ زکوٰۃ کا طلبہ کے واسطے رکھ دیا تھا، اس کو کچھ ضرورت پڑی اس نے بلا اجازت مہتمم مدرسہ کے اپنے خرچ میں صرف کر لیا اور پھر ادا کر دیا تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اس کو ایسا کرنا جائز نہ تھا لیکن ادا کرنے کے بعد وہ بری ہو گیا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۳۳۸ ج ۶) ۔

زکوٰۃ کی رقم میں سے کمیشن دینا؟

سوال:- ایک شخص اپنے رشتہ داروں کو ہندوستان میں زکوٰۃ کے پیسے بھیجتا ہے، آج کل روپیوں کے بھیجنے میں کمیشن دینا پڑتا ہے تو کیا زکوٰۃ میں سے دے سکتے ہیں؟ مثلاً زکوٰۃ کے ہزار روپے بھیجیں تو مرسل الیہ کو آٹھ سو روپے پہونچتے ہیں تو یہ دو سو روپے زکوٰۃ کے ہوں گے یا جس کو بھیجے ہیں اس کی رقم قرار دیں گے؟۔

جواب:- مذکورہ دو سو روپے زکوٰۃ کے شمار نہ ہوں گے، لہٰذا دو سو روپے اور ادا کرنے ہوں گے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۰ ج ۲) ۔

تجارتی مال پر زکوٰۃ کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے تجارت کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ یہ تجارت کسی حرام شئے (چیز) کی نہ ہو، اور معاملات میں سچائی، امانت داری وغیرہ کے اخلاقی اصولوں کو ترک نہ کیا جائے اور تجارت کی مشغولیت ذکر اللہ سے اور حقوق اللہ کی ادائیگی سے

غافل نہ کرے۔ یہ بات بھی قابلِ تعجب نہ ہونی چاہیے کہ اسلام نے تجارت سے حاصل ہونے والی اس دولت پر زرِ نقد کی طرح سالانہ زکوٰۃ مقرر کردی، تاکہ نعمتِ الٰہی کا شکر ادا ہوجائے اور اس کے بندوں میں سے ضرورت مند بندوں کا حق ادا ہوجائے اور دین اور ریاست کی عام مصالح (مفاداتِ عامہ) میں شرکت ہوجائے جو کہ ہر زکوٰۃ کے مقاصد ہیں۔

فقہ اسلامی میں تجارت پر زکوٰۃ کے احکام بھی بیان کیے گئے تاکہ مسلمان تاجر کو معلوم ہوجائے کہ اسے کسی مال پر زکوٰۃ دینی ہے اور کس مال پر اسے زکوٰۃ سے چھوٹ حاصل ہے

فقہاء تجارتی دولت کو "عروضِ تجارت" کہتے ہیں اور اس سے ان کی مراد زرِ نقد کے علاوہ ہر سامان ہوتا ہے جو تجارت کے لیے مہیا کیا گیا، خواہ وہ کسی بھی قسم کا ہو، مثلاً آلات اور مشینیں ہوں، استعمالی سامان ہوں، کپڑے ہوں، کھانے پینے کی اشیاء ہوں زیورات وجواہر ہوں، حیوانات ونباتات ہوں، گھر ہوں یا زمین یا منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادیں ہوں، (غرض) جو اشیاء فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے خرید و فروخت کے لیے مہیا کی گئی ہیں، وہ سامان تجارت ہیں، غرض یہ ہے کہ جس کسی کے پاس سامانِ تجارت ہو اور اس پر سال گذر جائے اور اس کی قیمت بقدرِ نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم آجائے گی۔ یعنی سامان کی قیمت کا چالیسواں حصہ یا ڈھائی فی صد جس طرح زرِ نقد کی زکوٰۃ کا حساب ہوتا ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ از ص۴۱۴ تا ص۴۱۹ ج۱)۔

(اسلام نے نہ صرف تجارت اور محنت کی ترغیب دی، بلکہ تاجروں کو اس بات کی بھی ترغیب دی ہے کہ تجارت کے مسائل اور اس کا علم حاصل کریں آج دنیا میں ہر جگہ کومرس (COMERC) کالج قائم ہیں، لیکن اس کی ابتداء سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

جامع ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ اعلان کیا تھا کہ ہمارے بازاروں میں صرف وہی لوگ تجارتی لین دین کریں جن کو دین کی سمجھ اور تجارت کے مسائل سے واقفیت ہو، پھر حضرت عمرؓ نے باقاعدہ اس کے لیے انسٹی ٹیوٹ (ادارہ جات) قائم کیے جس میں

اس وقت کے علمائے کرام تشریف لے جاتے تھے اور تاجر بھی وہاں جمع ہوتے تھے، تاجر حضرات اپنے اپنے درپیش مسائل علمائے کرام رح سے حل کراتے تھے۔
. اور حضرت امام مالک رح کا یہ عالم تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد سے رات کے بارہ بجے تک مدینہ طیبہ کے تاجروں کو لے کر بیٹھے رہتے تھے اور تجارتی لین دین اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل سکھایا کرتے تھے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

تجارتی مال کی زکوٰۃ کی شرائط

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک مالِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں

(۱) ایک شرط یہ ہے کہ اس کی (تجارت کی) قیمت سونے یا چاندی کے حساب سے نصاب پورا کرتی ہو، اور یہ اختیار ہے کہ سونے یا چاندی کے سکوں میں سے جس سکہ میں چاہے قیمت لگائی جائے (یعنی دونوں نصابوں میں سے چاندی و سونے کا جو نصاب ہے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اگر تجارت کا مال ہے تو زکوٰۃ واجب ہے اور مال کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو اس شہر میں ہو، اگر وہ مال کسی غیر آباد جگہ بھیجا جائے (جہاں قیمت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا) تو اُس علاقہ کے قریب جو شہر ہو وہاں کی قیمت کے لحاظ سے اس کی مالیت لگائی جائے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اُس مال پر ایک سال گذر جائے اور اس بارے میں سال کے دونوں سروں کو دیکھا جائے گا، درمیانی حصہ کو نہ دیکھا جائے گا، لہٰذا اگر کوئی شخص تاجر سال کے آغاز میں نصاب کا مالک ہو اور درمیانِ سال میں وہ مال نصاب سے کم رہ جائے لیکن سال کے ختم پر پھر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ البتہ اگر سال کے آغاز و انجام میں نصاب کم رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

(۳) ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس مال سے تجارت کی نیت ہو، اور نیت کے ساتھ عملی طور پر تجارتی کاروبار شروع بھی کر دیا ہو، لہٰذا اگر کوئی جانور خدمت (سواری) کے لیے خریدا گیا ہو پھر ارادہ کیا کہ اس کی تجارت کی جائے تو وہ مالِ تجارت متصوّر نہ ہوگا، جب تک کہ فی الواقع اُسے بیچنا یا کرایہ پر دینا شروع نہ کر دے۔

اگر کسی شخص کو نقدی کے علاوہ کچھ مالِ تجارت عطیہ کے طور پر ملا، یا کسی نے اس کے حق میں وصیت کی اور عطیہ یا وصیت کے وقت اُس مال سے تجارت کی نیت کی تو یہ نیت تسلیم نہ کی جائے گی جب تک کہ اس مال سے کاروبار نہ شروع کیا جائے۔

اگر کسی نے تجارتی مال کو اس طرح کسی اور مال سے تبادلہ کیا تو نیت کا انحصار اصل مالِ تجارت پر ہوگا، مبادلہ پر نیت منحصر نہ ہوگی، لہٰذا تبادلہ کا مال تجارت ہی کے لیے سمجھا جائے گا اور بنیادی طور پر جو نیت کی گئی تھی اُسے کافی سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر تبادلہ کے وقت تجارت کی نیت نہ رہی ہو تو اب وہ مالِ تجارت متصور نہ ہوگا۔

(۴) ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس مال میں یہ صلاحیت ہو کہ اس میں تجارت کرنے کی نیت درست ہو، لہٰذا اگر کسی نے عشری زمین (جس کی پیداوار پر عشر ہوا ہے) خریدی اور اس میں کاشت کی، یا کھڑی کھیتی اور اس کی پیداوار کو خرید لیا تو اس زمین سے جو پیداوار ہوگی اس پر عشر واجب ہوگا، زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ یہ حکم خراجی زمین کا نہیں ہے اس پر زکوٰۃ (عشر) واجب نہیں ہوتی، اگرچہ زراعت (کھیتی) نہ کی گئی ہو۔

اگر کسی کا مال مویشی (جانور) ہے اور ہنوز (ابھی تک) سال نہ گذرا تھا کہ اس کی تجارت کا ارادہ ترک کر دیا اور اُسے دودھ یا نسل کشی کے لیے یا ایسے ہی کسی اور کام کے لیے جس کا ذکر سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ میں بتایا گیا اور جنگل میں چرانا شروع کر دیا تو مالِ تجارت کا سال منقطع ہو جائے گا اور سال اس وقت سے شروع ہوگا جب کہ اُسے سائمہ جانور بنایا گیا اور پھر سال پورا ہو تو اس کی زکوٰۃ سائمہ جانور کے طریقہ سے نکالی جائے گی قیمت لگا کر نہیں (اس کا جانوروں کی زکوٰۃ میں بیان ہے۔)

سونے و چاندی کی تجارت ہو تو اس کی زکوٰۃ نقدی کی زکوٰۃ کے طریق (متذکرہ سابقہ) کے مطابق ادا کی جائے۔ اُن کی زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے تجارت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ اگر کسی کے پاس تجارت کا مال سالہا سال پڑا رہا پھر اس کے بعد فروخت کیا تو ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، صرف ایک سال کی نہیں۔

(کتاب الفقہ ص ۹۸۷ ج ۱ تا ص ۹۸۹ ج ۱)

زکوٰۃ کے لیے سال گذرنا کیوں شرط ہے؟

شریعت نے زکوٰۃ کے وجوب کو نہ تو حکمرانوں کی مرضی پر چھوڑا کہ جب چاہیں زکوٰۃ وصول کرنا شروع کر دیں، اور نہ بخیل لوگوں کی مرضی پر رہنے دیا کہ جب وہ چاہیں زکوٰۃ دے دیا کریں، بلکہ ایک محدود و مقررہ ضابطہ کے تحت سالانہ گردش کے ساتھ قائم کر دیا ہے۔ اور سال کو مقدار کے طور پر اس لیے مقرر کیا ہے کہ سال بھر میں فصلوں کے تمام تغیرات مکمل ہو جاتے ہیں، مال والوں کی آمدنیاں مکمل ہو جاتی ہیں اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں سامنے آ جاتی ہیں، غرض سال کی مدت ایک ایسی معقول مدت ہے جس میں اصل مال کا بڑھنا متحقق ہو جاتا ہے، تجارت کا نفع نقصان سامنے آ جاتا ہے اور مویشیوں کی نئی نسل آ جاتی ہے اور چھوٹی نسل بڑی ہو جاتی ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سال زکوٰۃ اس لیے واجب فرمائی ہے کہ ایک سال میں ہر طرح کی فصلیں اور پھل تیار ہو جاتے ہیں اور یہ مدت بڑی مبنی بر انصاف ہے اس لیے کہ اگر ہر ہفتے یا ہر مہینے زکوٰۃ واجب ہوتی تو یہ صاحبِ نصاب (مالداروں) کے لیے باعثِ تکلیف ہوتا اور اگر زکوٰۃ عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہوتی تو یہ بات مسکین (ضرورت مند) کے لیے باعثِ مضرت ہوتی۔ اس لیے سال کی مدت وجوبِ زکوٰۃ کے معاملے میں یقیناً ایک عادلانہ مدت ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۲۲۲ ج۲ بحوالہ ہدایۃ المجتہد ص۲۶۰ ج۱ و زاد المعاد ص۳۰۷ جلد اول و حجۃ اللہ البالغہ ص۳۳ جلد دوم)۔

کتنی تجارت پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ وجوبِ زکوٰۃ کے لیے نصاب زکوٰۃ پر پورا سال گذرنا ضروری ہے، خواہ قریب قریب پورا سال ہونے کو ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص آغازِ سال میں نصاب سے کم مال کا مالک تھا، پھر اس کم مال سے تجارت کی جس سے اتنا نفع ہوا کہ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر) مکمل ہو گیا تو جس وقت سے نصاب مکمل ہوا اُس وقت سے پورا سال گذرنا معتبر ہوگا۔ چنانچہ نصاب پورا ہونے کے بعد جب ایک سال گذر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر شروع سال میں نصاب پورا تھا پھر دوران

سال میں اس سے تجارت کرکے نفع میں وہی کچھ حاصل کیا جو اُس مال کی جنس میں سے ہے تو اس مال کو جو اس کے پاس تھا اس نفع میں شامل کرکے تمام سال کی زکوٰۃ پورے اصل مال کی ادا کی جائے گی، بشرطیکہ اصل مال نصاب کو پورا کرتا ہو، کیونکہ اگر اصل مال نصاب کو پورا کرتا ہو تو اُس کے فائدے کو بھی اصل مال ہی تصور کیا جائے گا۔ (کتاب الفقہ ص۹۶۵ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ سامانِ تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے (یعنی چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو)۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۴۸)۔

تجارت کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

مسئلہ:۔ اصل مالِ تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، تمام مال کی قیمت لگا کر باہم اکٹھا کر لینا چاہیئے، خواہ وہ مال مختلف نوعیت کے ہوں، مثلاً کپڑا اور تانبے پیتل کا سامان۔ اسی طرح سال کے دوران جو نفع ہو اُس کو بھی مال کی قیمت میں شامل کر لیا جائے نیز تجارت کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے جو مال حاصل ہو مثلاً وراثت یا ہبہ وغیرہ سے تو وہ منافع اور یہ مال سب کو ملا کر نصاب پورا ہوا اور سال بھی پورا ہو جائے تو سب کی زکوٰۃ نکالی جائے بشرطیکہ نصاب پورا ہوا اور سال کے خاتمہ پر (نصاب سے) کم نہ ہو گیا ہو۔ غرض زکوٰۃ کے واجب ہونے کا انحصار پورے سال بھر تک نصاب کے قائم رہنے پر ہے۔ (کتاب الفقہ ص۹۹۴ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ جب زکوٰۃ کے ادا کرنے کا وقت آ جائے تو اپنی نقدی اور تجارتی سامان کا جائزہ لیا جائے اور جملہ سامانِ تجارت کی نقدی میں قیمت متعین کرلو پھر اس رقم میں اس قرض کو بھی شامل کرلو جو تم نے کھانے پیتے آسودہ حال لوگوں کو دے رکھا ہو، پھر اس مجموعی رقم میں سے وہ قرضہ جات جو تم پر واجب الادا رہوں منہا کرکے بقیہ رقم کی زکوٰۃ ادا کرو (فقہ الزکوٰۃ ص۲۴۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ کسی کے پاس کچھ سونا چاندی اور کچھ روپیہ اور کچھ مالِ تجارت ہے لیکن علحدہ علحدہ ان میں سے بقدرِ نصاب کوئی چیز نہیں تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۴۸ کتاب الفقہ ص۹۶۴ ج اوّل)۔

قرض کی قسموں پر زکوٰۃ کے احکام

مسئلہ:- شریعت میں جو رقم یا چیز کسی کے ذمّہ باقی ہو، اُسے "دَین" کہتے ہیں۔ زکوٰۃ کے احکام کے لحاظ سے یہ دَین چار قسم کے ہیں :-

(۱) وہ قرض جو کسی شخص کو دیا گیا ہو یا تاجر نے وہ سامان جو تجارت ہی کے لیے تھا بیچا ہو اور اس کی قیمت باقی ہو، اگر یہ رقم کُل کی کُل ایک ساتھ مل جائے تو سب کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور اگر کئی سالوں کے بعد ملی تو تمام سالوں کی بیک وقت زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اور اگر یہ رقم تھوڑی تھوڑی وصول ہو تو جتنا روپیہ وصول ہو اتنے کی زکوٰۃ ادا کرنا جائے۔ لیکن اگر یہ رقم نصاب زکوٰۃ کے پانچویں حصے سے بھی کم ہو تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں "دَین قوی" کہتے ہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی سامان کی قیمت تو باقی ہو لیکن وہ سامان اصلاً تجارت کے لیے نہیں تھا، اس مال پر بھی زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب وہ وصول ہو جائے گا اور وصولی کے بعد اس پوری مدت کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی جب سے اس نے وہ سامان بیچا تھا۔ البتہ اس رقم پر اسی وقت زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی جب یہ تمام رقم اکھٹی وصول ہو جائے اور زکوٰۃ کے نصاب کی مقدار کو پہونچ جائے۔ اگر تھوڑی تھوڑی رقم وصول ہوتی رہے کبھی سَو کبھی دو سَو کبھی چار سَو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ ایسی باقی رقوم کو "دَین وسط" کہتے ہیں۔

(۳) ایسی رقمیں جو کسی مال کے بدلے میں باقی نہ ہوں جیسے مہر کی رقم کہ وہ کسی مال کے عوض میں نہیں ہے بلکہ عورت کی عصمت کا معاوضہ ہے اس پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب مال پر قبضہ ہو جائے اور قبضہ کے بعد ایک سال گذر جائے۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو "دَین ضعیف" کہتے ہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۳۸ جلد اول)۔

(۴) ایسا قرض جس کی وصول یابی یا ایسا مال جس کو حاصل کرنا دشوار ہو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ ہاں اگر غیر متوقع طور پر کبھی وہ مال وصول ہو گیا تو اب اس پوری مدت کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو "مال ضمار" کہا جاتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۸۹ ج ۱)

یہ فقہی احکام گو کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے جدید نہیں ہیں مگر آج کل بقایا جات اور دَین (قرض) کی جو مختلف صورتیں نئے معاشی نظام اور طریق انتظام کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں

ان اصولی احکام کے ذریعہ ان کو بہ آسانی حل کیا جا سکتا ہے۔ (جدید فقہی مسائل ص۱۱۱)۔

نقد مال اور خرچ وغیرہ کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ آخر سال میں جس قدر روپیہ نقد اور مالِ تجارت موجود ہے سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جو رقم بذمہ دوسروں کے قرض ہے اس پر بھی زکوٰۃ ہے مگر ادا کرنا زکوٰۃ کا اس پر بعد وصولی کے ہے، اور جو رقم وصول نہ ہوا اس کی زکوٰۃ ساقط ہے اور معاف ہے۔ اور جو مال سال بھر کے اندر ختم سال سے پہلے خرچ ہوگیا اس کی زکوٰۃ لازم نہیں اور جو برتن (دوکان کا سامان فرنیچر وغیرہ) تجارت کی غرض سے نہیں خریدے گئے ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ ان میں سے جو ظروف فروخت کردیئے اور اس کی قیمت شامل رقم موجود ہے اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ (فتاوی دار العلوم ص۵۸ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۲ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

مسئلہ:۔ استعمالی برتن اور پہننے کے کپڑے اور کھانے کے غلہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم ص۶ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۳ ج۲)۔

کیا تاجر اُدھار و نقد دونوں کی زکوٰۃ دے؟

سوال:۔ ایک تاجر ہے اس کا روپیہ کچھ اُدھار میں اور کچھ نقد موجود ہے تو وہ تمام روپے کی زکوٰۃ ادا کرے یا صرف نقد کی؟

جواب:۔ تمام روپے کی زکوٰۃ ادا کرے لیکن جس قدر روپیہ قرض میں ہے اس کی زکوٰۃ بعد وصول کے ادا کرنی لازمی ہوتی ہے۔ وصول ہونے کے بعد گذشتہ ایام کی بھی زکوٰۃ دینا لازم اور واجب ہے۔ (فتاوی دار العلوم ص۱۵۶ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۲ ج۲)۔

زکوٰۃ کے لیے کیا روزانہ کا حساب رکھنا ضروری ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے روزانہ کا حساب رکھنے کی ضرورت نہیں، سال میں ایک تاریخ (چاند کی) مقرر کر لیجئے۔ مثلاً یکم رمضان المبارک کو پوری دوکان کے قابلِ فروخت سامان کا جائزہ لے کر اس کی مالیت کا تعین کر لیا جائے۔ اور اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کر دیجئے جس تاریخ کو آپ نے دوکان شروع کی تھی، ہر سال اسی

تاریخ کو حساب کرلیا کیجئے۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۷ ج ۳)

کیا آمدنی کا ہر سال حساب کرنا ضروری ہے؟

مسئلہ :۔ اگر آمدنی میں کمی زیادتی کا تغیر ہوتا رہتا ہے تب تو ہر سال اپنی آمدنی کا حساب کرنا ضروری ہے، اگر (صرف) ایک رقم کسی کے پاس رکھی ہوئی ہے یا زیور رکھا ہے اور کوئی آمدنی ایسی نہیں کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہو تو صرف ایک مرتبہ حساب کرلینا کافی ہے، اس کے بعد اسی حساب سے ہر سال زکوٰۃ ادا کردی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۵۵ جلد ۷)۔

تھوڑی بچت والا زکوٰۃ کس حساب سے ادا کرے؟

مسئلہ :۔ یہ اصول سمجھ لیجئے کہ جس شخص کے پاس تھوڑی تھوڑی بچت ہوتی رہی جب تک اس کی جمع شدہ پونجی ساڑھے باون تولہ (چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام) چاندی کی مالیت کو نہ پہونچ جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور جب اس جمع شدہ پونجی اتنی مالیت کو پہونچ جائے اور قرض سے بھی فارغ ہو تو اس تاریخ کو وہ "صاحب نصاب" کہلائے گا۔ اس سال کے بعد اسی قمری تاریخ کو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ اس وقت اس کے پاس جتنی جمع شدہ پونجی ہو (بشرطیکہ نصاب کے برابر ہو) اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ سال کے دوران اگر وہ رقم کم وبیش ہوتی رہی اس کا اعتبار نہیں، بس سال کے اول وآخر میں نصاب کا ہونا شرط ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۰ ج ۳)۔

ادائیگی زکوٰۃ میں کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال :۔ زکوٰۃ مال خریدکردہ پر ہوگی، یا موجودہ نرخ پر؟

جواب :۔ زکوٰۃ کے ادا کرتے وقت جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا؟ (فتاویٰ دارالعلوم ص۶۱ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار باب زکوٰۃ المال ص۳۰ ج ۲)۔

مسئلہ :۔ زکوٰۃ میں اشیاء کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو عام طور پر رائج ومعروف ہو تاجرانہ قیمت کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ مبنی ہے تخفیف ورعایت مصالحہ خاصہ پر بلکہ متفرق خریدار

جس قیمت سے لیتے ہیں وہ معتبر ہے۔ اور اگر اس میں اختلاف ہو تو اکثر اور شہر کا اعتبار رہے (امداد الفتاویٰ ص۴۲ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں مالِ تجارت کی قیمتِ فروخت لگائی جائے گی (احسن الفتاویٰ ص۴۵۹ ج۴)

جو رقم سال بھر میں گھٹتی بڑھتی رہے اس کا حکم

مسئلہ:۔ سال کے اول اور آخر میں نصاب کا پورا ہونا شرط ہے، اگر درمیان میں رقم کم ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں۔ مثلاً ایک شخص سال کے شروع میں تین ہزار روپے کا مالک تھا، تین مہینے بعد اس کے پاس پندرہ سو روپے رہ گئے، پھر چھ مہینے بعد چار ہزار روپے ہو گئے، اور سال کے ختم پر ساڑھے چار ہزار روپے کا مالک تھا تو سال پورا ہونے کے وقت اس پر ساڑھے چار ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہو گی، درمیانِ سال میں اگر رقم گھٹتی بڑھتی رہی، اس کا اعتبار نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۲ ج ۳ و فتاویٰ دار العلوم ص۶۰ ج ۶ و کتاب الفقہ ص۹۶۹ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ سال کے اول و آخر میں مالدار (صاحبِ نصاب) ہو اور سال کے بیچ میں اس مقدار سے کم رہ جائے تب بھی زکوٰۃ واجب ہے، تھوڑے دن کم ہو جانے سے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی، البتہ اگر سب مال جاتا رہا، اس کے بعد پھر مال ملا تو جب سے پھر ملا ہے تب سے سال کا حساب کیا جائے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ:۔ کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی تھی پھر سال گذرنے سے پہلے دو چار تولہ یا نو دس تولہ سونا اور مل گیا تو اس سونے کا حساب الگ شمار نہیں ہو گا بلکہ جب اس چاندی کا سال پورا ہو گا تو یہ سمجھا جائے گا کہ بعد میں ملے ہوئے سونے کا سال بھی پورا ہو گیا تو اس پورے سونے چاندی کی زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت فرض ہو جائے گی۔ (ہدایہ و امداد مسائلِ زکوٰۃ ص۴۹ بحوالہ احکامِ زکوٰۃ ص۱۹)۔

بجٹ سے زیادہ قرض والے کا حکم

سوال:۔ زید نے کپڑا کمپنی میں بیس ہزار کا حصہ قرض روپیہ لے کر خرید لیا ہے، اس وقت زید پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کو بجٹ قرض کی ادائیگی

کی وجہ سے نہیں ہے؟

جواب :- اس صورت میں جب کہ بقدرِ مالِ موجودہ کے اس کے ذمہ قرض ہے اور بچت کچھ نہیں ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۶۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۹ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

جو روپیہ بارہویں مہینہ میں خرچ ہوگیا اس کا حکم

سوال :- ایک شخص کے پاس حاجتِ ضروریہ سے زائد روپیہ ہے، جب اس پر گیارہ ماہ گذرے تو اس نے مکان یا سامان وغیرہ خرید لیا تو اس روپیہ کی زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب :- جب تک حولانِ حول (مکمل سال) نہیں ہوا اور اس نے مکان یا سامان خرید لیا جس میں زکوٰۃ نہیں ہے تو اس روپیہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۶۰ جلد ۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص۱۶۸ ج۱)۔

سال کے خرچ کے بعد جو غلّہ بچے اس کا حکم

مسئلہ :- جو غلّہ کھانے کے لیے سال بھر کے لیے خریدا اور خرچ ہوکر سال کے ختم کے بعد باقی رہ گیا، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۲ جلد۶ بحوالہ عالمگیری ص۱۶۱ ج۱ کتاب الزکوٰۃ)۔

نقد اور مالِ تجارت موجودہ اور قرض کا حکم

سوال :- ایک تاجر تقریباً دس ہزار روپے نقد تحویل میں رکھتا ہے اور پانچ ہزار روپیہ کا مال تیار رکھتا ہے اور اس مال میں سے اکثر مال تبدیل ہوتا جاتا ہے اور دو ہزار روپیہ کا مال کارخانہ میں مکمل رکھتا ہے اور تقریباً پانچ ہزار روپے لوگوں کے ذمہ بقایا ہے جو کہ بتدریج وصول ہوتا ہے تو کیا نقد تحویل میں جو موجود ہے اس کی زکوٰۃ دے یا مال اور بقایا کی بھی؟

جواب :- نقد اور مالِ تجارت موجودہ اور اس روپے کی جو لوگوں کے ذمہ ہے سب کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ البتہ جو روپیہ لوگوں کے ذمہ ہے وصول ہونے کے بعد گذشتہ سال

کی بھی لازم ہوتی ہے، مثلاً اگر قرض دو سال کے بعد وصول ہوا تو بعد وصول ہونے کے دونوں سالوں کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگی۔ پس اگر وصول ہونے سے پہلے بھی دے دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بہر حال زکوٰۃ سب کی لازم ہے خواہ نقد ہو خواہ مال تیار شدہ یا غیر تیار شدہ اور خواہ لوگوں کے ذمہ قرض ہو، اور جو قرض اپنے ذمہ ہو اس کو منہا (وضع کر لیا جائے گا (فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۴ ج۶ بحوالہ رد المختار ص۱۳ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

مسئلہ :۔ سال کے ختم پر دیکھا جائے کہ جس قدر مالِ تجارت و نقد روپیہ موجود ہو اس کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کی جائے اور جو رقوم لوگوں کے ذمہ قرض ہیں، ان کی زکوٰۃ بھی واجب ہے مگر ادا کرنا بعد وصول یابی کے واجب ہوتا ہے۔ گذشتہ زمانہ کی زکوٰۃ بھی بعد وصول ہونے کے دینی لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۳۴ جلد ۶)۔

جس مال کی قیمت بدلتی رہتی ہے اس کی زکوٰۃ

سوال :۔ جس مال کی قیمت بدلتی رہی اور بعض مرتبہ تو قیمت خرید سے بھی کم ہو جاتی ہے اور مال فروخت ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس کی زکوٰۃ کیسے دینی چاہیئے؟۔

جواب :۔ جس وقت پورا سال مالِ تجارت پر ہو جائے تو جو قیمت اس مال کی اس وقت ہو اس کا حساب کرکے چالیسواں حصہ دے دے یا نقد سے یا اس مالِ موجودہ میں سے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۵ ج۶ بحوالہ رد المختار باب زکوٰۃ الغنم ص۳۰ ج ۲)۔

مسئلہ :۔ مال کی قیمت وہ لگائی جائے جو اس شہر میں ہو اگر وہ مال کسی غیر آباد جگہ بھیجا جائے جہاں قیمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اس علاقہ کے قریب جو شہر ہو وہاں کی قیمت کے لحاظ سے اس کی مالیت لگائی جائے۔ (کتاب الفقہ ص۹۸۷ جلد اول)۔

تاجر کی قیمتِ خرید کا اعتبار ہے یا موجودہ کا؟

سوال :۔ تاجر کے پاس مال موجود ہے، اب زکوٰۃ دینا چاہتا ہے سال بھر کے بعد، تو اس مال کی قیمتِ خرید کا اعتبار ہوگا یا بازار کے بھاؤ کا لحاظ ہوگا؟

جواب :- مالِ تجارت کی جو قیمت بازار میں بوقت زکوٰۃ دینے کے ہے، اسی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے، خواہ قیمتِ خرید سے زیادہ ہو یا کم۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۱ ج۶)

مسئلہ :- اسبابِ تجارت پر زکوٰۃ اس قیمت کے اعتبار سے دی جائے گی جو قیمت بازار کے موافق ہے اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر نرخ خرید کے موافق زکوٰۃ دے اور باعتبار نرخ بازار زیادہ واجب ہوئی تھی تو باقی زکوٰۃ اس کے ذمہ رہی اس کو ادا کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۹ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۴۲ ج۲)۔

قرض سے جو تجارت کی اس کی زکوٰۃ

سوال :- زید نے گیارہ ہزار روپے قرض لے کر تجارت شروع کی، ذاتی سرمایہ کچھ نہیں تھا۔ تو کیا زید پر زکوٰۃ لازم ہے؟

جواب :- ابھی کچھ زکوٰۃ اس پر لازم نہ ہوگی، جب گیارہ ہزار سے زیادہ بقدرِ نصاب اس کے پاس حاصل ہو جائے اس وقت زائد کی زکوٰۃ دے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۱ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۹ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

جو روپیہ تجارت میں لگا اس کی زکوٰۃ

مسئلہ :- جو روپیہ تجارت میں لگا ہوا ہے اور سامانِ تجارت اس سے خریدا گیا ہے، اس تمام پر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ نصاب کو پہونچ جائے، اور سال بھی گذر جائے۔ اور جو روپیہ زمین و مکان کی خریداری پر صرف کیا جائے، اگر زمین و مکان بھی تجارت کے لیے خریدے جائیں مثلاً زمین و مکان کرایہ پر دیئے جائیں، ان کے کرایہ کی آمدنی پر نصاب پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ ہے۔ (یعنی اگر کرایہ کی آمدنی سال بھر تک بچی رہے اور نصاب کو پہونچ جائے۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ) (فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۲ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۰ ج۲)۔

تجارت میں نفع و خرچ کی زکوٰۃ کیسے دے؟

سوال :- ایک تاجر اگر ایک ہزار روپے سے تجارت شروع کرتا ہے اور سال بھر کے بعد جب حساب کرتا ہے تو اس کے پاس ڈیڑھ

ہزار روپے کا مال موجود ہے اور سال بھر وہ اس میں سے اپنا خرچ بھی ساتھ کرتا رہا ہے تو کیا اس کو اب زکوٰۃ سال بھر کا خرچ نکال کر دینی چاہیئے یا کہ ڈیڑھ ہزار کی پوری بغیر نکالے خرچ؟

جواب:۔ اب اس کو ڈیڑھ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۵ ج۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص۱۷۵ ج۱ وکفایت المفتی ص۲۴۱ ج۴)۔

قابلِ فروخت مال مع منافع پر زکوٰۃ

سوال:۔ مجھے دوکان چلاتے ہوئے تین سال ہو گئے ہیں، میں نے کبھی زکوٰۃ نہیں دی، کیا دوکان کے پورے مال پر زکوٰۃ ہے یا اس سے جو سالانہ منافع ہوتا ہے اس پر ہے؟

جواب:۔ آپ کی دوکان میں جتنا قابلِ فروخت سامان ہے اس کا حساب لگا کر اور منافع جوڑ کر سال کے سال زکوٰۃ دیا کیجیئے اور اس کے ساتھ گھر میں جو قابلِ زکوٰۃ چیز ہو اُس کی زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ ادا کیجیئے، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی آپ کے ذمہ واجب الادا ہے اس کو بھی حساب کر کے ادا کیجیئے۔ سال کے اندر جو رقم گھر کے مصارف اور دیگر ضروریات میں خرچ ہو جاتی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے (آپکے مسائل ص۳۶۱ ج۳)

گڑ کی زکوٰۃ کس طرح دی جائے؟

مسئلہ:۔ مالِ تجارت گڑ ہے اس کی زکوٰۃ کس طرح دینی چاہیئے؟

جواب:۔ گڑ کی قیمت کر کے چالیسواں حصہ زکوٰۃ دی جائے یا گڑ ہی زکوٰۃ میں دیدیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۵۴ ج۶)

خریدکردہ بیج یا کھاد پر زکوٰۃ

مسئلہ:۔ زمین کے لیے جو کھاد یا بیج خرید کر رکھ لیا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے (آپ کے مسائل ص۳۷۴ ج۳)۔

مختلف نوعیت کے مال کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کپڑے کی تجارت (بزنس) کرتا ہے

پانچ ہزار کا مال اس کے پاس موجود ہے اور اس نے جو اُدھار فروخت کیا ہے، اس میں سے پانچ ہزار کے آنے کی توقع یقینی ہے اور تین ہزار کے وصول ہونے میں شک ہے۔ اور ایک ہزار روپے کے وصول ہونے کی امید بالکل نہیں۔ اور یہ شخص چار ہزار کا مقروض ہے، تو اس صورت میں کس قدر رقم کی زکوٰۃ دینی ہے؟۔

جواب:۔ جس قدر مال اور نقد موجود ہے اس کی زکوٰۃ اس وقت ادا کرے اور جو مال ادھار فروخت ہوا ہے اور قیمت اس کی لوگوں کے ذمہ پر قرض ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا وصول ہونے پر واجب ہوگی، جس قدر وصول ہوتا رہے اس کی زکوٰۃ دیتا رہے اور جس قدر اس کے ذمہ قرض ہے اس کو مالِ موجودہ میں منہا کرے باقی کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۶ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۹ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

جو مال بیوپاری کے حوالہ کرے اس کی زکوٰۃ

سوال:۔ اکثر بڑے بزنس مین (تجارتی آدمی) اپنا تجارتی مال بیوپاریوں کے حوالے کردیتے ہیں، اور اس کی قیمت کا ادا ہونا قرائن قویّہ سے متعین بھی ہے، ایسی صورت میں قیمت معہود نصاب زکوٰۃ میں محسوب ہوگی یا نہ۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آج تاجروں کے پاس مال آیا اور کل بیوپاری بطور قرض کے اٹھالے گئے۔

جواب:۔ اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے مگر بعد وصول ہونے کے ادا کرنا زکوٰۃ کا واجب ہوتا ہے، اور گذشتہ زمانہ کا بھی لحاظ زکوٰۃ میں کیا جاتا ہے، مثلاً اگر کئی سال میں وہ روپیہ وصول ہو تو گذشتہ زمانہ کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۷ ج۶ بحوالہ ردالمحتار باب زکوٰۃ المال ص۳۸ ج۲)۔

منافع کی زکوٰۃ کیسے دی جائے گی؟

سُوال:۔ کیا تجار قبل تمام سال جو منافع ہوتا ہے اس کو اصل کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ نکالیں یا صرف اصل کی زکوٰۃ نکالی جائے؟۔

جواب:۔ درمیان کے جو منافع ہوئے وہ ختم سال اصل مال پر زکوٰۃ دینے کے لیے

شمار و معتبر کیے جائیں گے۔ (فتاویٰ دار العلوم صہ ۱۵۲ ج ۶ بحوالہ ہدایہ صہ ۱۵۶ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ فصل فی الخیل)۔

مسئلہ :۔ سال گذرنے کے بعد اصل رقم مع منافع کے جتنی رقم بنتی ہو اس پر زکوٰۃ ہے۔ (آپ کے مسائل صہ ۳۶۱ ج ۳ و کفایت المفتی صہ ۲۴۱ ج ۴)۔

مال کی سپلائی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ میں شہر سے مال لا کر دیہات (گاؤں) میں سپلائی کرتا ہوں، جتنے میں مال لیتا ہوں ان کا قرضہ میرے اوپر تقریباً ۳۰۰۰۰ روپے ہیں اور دوسروں کے اوپر میرا قرضہ تقریباً ۱۸۰۰۰ روپے ہے اور میرے پاس تقریباً ۸۰۰۰۰ مال موجود ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ میں کس طرح زکوٰۃ نکالوں؟

جواب :۔ جتنی مالیت آپ کے پاس موجود ہے خواہ نقدی کی شکل میں ہو یا مالِ تجارت کی شکل میں نیز آپ کے وہ قرضے جو لوگوں کے ذمہ ہیں ان سب کو جمع کر لیا جائے، اس کی مجموعی رقم میں سے وہ قرضہ جات منہا کر دیئے جائیں جو آپ کے ذمہ ہیں، منہا کرنے کے بعد جتنی مالیت باقی رہے اس کی زکوٰۃ ادا کر دیا کریں۔ صورتِ مسئولہ میں ۶۸ ہزار روپے کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل صہ ۳۶۱ ج ۳)۔

قرض لے کر کاروبار پر زکوٰۃ

سوال :۔ زید نے قرض کے پیسوں سے ایک دوکان کھولی، سال پورا ہونے پر حساب کر کے دیکھا تو ۹۵۰۰۰ روپے کا مال موجود تھا جب کہ شروع میں ۱۱۰۰۰ کا مال ڈالا تھا، اور قرض جو دکان پر ۶۰۰۰۰ روپے کا بقایا ہے اور نقد دو ہزار روپے پڑے ہوئے ہیں تو کیا ان پر زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جتنی مالیت کا سامان قابلِ فروخت ہے، اس کی قیمت میں سے قرض کی رقم منہا کر کے باقی ماندہ رقم میں دو ہزار جمع کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کر دیجئے۔ (آپ کے مسائل صہ ۳۶۲ ج ۳)۔

صنعت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ صنعت کے سلسلہ میں کون سا مال زکوٰۃ

سے مستثنیٰ ہے؟

جواب :۔ صنعت کار کے پاس دو قسم کا مال ہوتا ہے۔ ایک خام مال، جو چیزوں کی تیاری میں کام آتا ہے۔ دوسرا تیار شدہ مال، ان دونوں قسم کے مالوں پر زکوٰۃ ہے البتہ مشینری اور دیگر وہ چیزیں جن کے ذریعہ مال تیار کیا جاتا ہے (اوزار وغیرہ) ان پر زکوٰۃ نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۲ ج۳ وکفایت المفتی ص۱۴۲ ج۴)۔

شرکت والے کاروبار کی زکوٰۃ

سوال :۔ ایک بھائی نے دوسرے کو دوکان کھلوائی ہے۔ رقم ایک بھائی کی ہے اور چلاتا دوسرا بھائی ہے، نفع برابر کا ہے، اس کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ جبکہ یہ کاروبار شرکت میں ہوگیا؟

جواب :۔ پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ جب کسی کاروبار کے لیے مال دیا جائے اور نفع میں حصہ رکھا جائے تو شرعی اصطلاح میں اس کو "مضاربت" کہتے ہیں اور ہمارے یہاں عام طور سے اس کو "شراکت" کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کاروبار میں ایک اصل رقم ہوتی ہے اور ایک اس کا منافع۔ اصل رقم کی زکوٰۃ اس کے مالک کے ذمہ ہے اور اس کے ذمہ منافع کے اس حصہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہے جو اُسے ملے گا، اور جو نفع پر کام کرتا ہے اگر اس کا نفع نصاب کی مقدار کو پہونچے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اپنے حصہ کی زکوٰۃ اس پر بھی ہوگی۔ جو قطعہ زمین کا دوکان کے لیے خریدا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۰ ج۳)۔

مسئلہ :۔ اس روپے کی زکوٰۃ بذمہ زید (یعنی جس کا روپیہ ہے، مالک کے ذمہ ہے) واجب ہے اور جو نفع پر کام کرتا ہے، اس کو جب نفع کا روپیہ بقدر نصاب حاصل ہوجائے اور سال بھر گذر جائے تو اس کے ذمہ اس روپے کی زکوٰۃ واجب ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۵۵ ج۶ و ص۱۴۸ ج۶ بحوالہ ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم ص۳۱ ج۲)

تاجر کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال :۔ ایک تاجر قرض دار ہوگیا ساری پونجی ختم ہوگئی تو کیا زکوٰۃ دے

سکتے ہیں جبکہ اس کے گھر میں دس ہزار کا زیور بھی ہے؟

جواب:۔ گھر میں جو دس ہزار کا زیور ہے وہ اس کی بیوی کا ہوگا، قرض خود تاجر (بزنس مین) کے ذمہ ہے اس لیے وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۶۱ ج ۳)

مسئلہ:۔ قرض دار کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگرچہ اس کے پاس دس ہزار روپے موجود ہوں مگر گیارہ ہزار (موجودہ رقم سے زائد) کا قرض دار ہے، ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۷۸)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے لیے مجھے زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہیے (معارف القرآن ص۴۱۲ ج ۴ بحوالہ قرطبی)۔

جائیداد اور سامانِ تجارت کی زکوٰۃ

سوال:۔ ایک شخص کے پاس جائیداد قیمتی پچاس ہزار منافع فی سال ہے اور تجارت کا سامان بیس ہزار کا ہے، اس میں ڈھائی ہزار روپے سالانہ منافع ہوتا ہے، اور وہ شخص کبھی تیس ہزار روپے چھ ماہ کے لیے قرض بھی لیتا ہے۔ ان سب صورتوں میں زکوٰۃ کا حکم کیا ہے، اور اس کے ذمہ مہر بھی ہے؟

الجواب:۔ سامانِ تجارت جو بیس ہزار کا ہے مثلاً اس کے کل پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چالیسواں حصہ (یا اس کی قیمت) اس کا ہر سال میں زکوٰۃ کا روپیہ نکالا کرے یعنی فی سیکڑہ ڈھائی روپیہ زکوٰۃ دینا چاہیے۔ اور جائداد کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (رد المحتار ص۱۰ ج ۲ و ص۴۲ ج ۲)۔

اس کے نفع میں جو روپیہ حاصل ہوا اگر خرچ نہ ہوا اور سال بھر گذر جائے اس کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ اور تین ہزار روپیہ جو اس کے ذمہ قرض ہوجاتا ہے، اگر ختم سال پر بقوت زکوٰۃ ادا کرنے کے اس کے ذمہ قرض ہو تو اس کو مجرا کیا جائے گا، باقیماندہ سامانِ تجارت اور نقد روپیہ و زیور وغیرہ کی زکوٰۃ بھی دے۔ (رد المحتار ص۹ ج ۲)۔

ادائے زکوٰۃ میں تاجر کے لیے ایک سہولت

سوال:۔ زید نے ایک

دوکان آٹھ ہزار روپے سے کی اور اسی آٹھ ہزار میں سے تین ہزار روپے ادھار میں ہوگئے اور پانچ ہزار کا مال دوکان میں باقی ہے، اب زکوٰۃ مال موجودہ پر ہی ہے یا ادھار پر بھی۔ اور ادھار کا روپیہ سال وار کل وصول نہیں ہوتا، بلکہ تھوڑا تھوڑا وصول ہوتا ہے اور پھر اتنا ہی ہوجاتا ہے۔

جواب:۔ ادھار کی زکوٰۃ دینا واجب تو اس وقت ہوتا ہے کہ وہ روپیہ وصول ہوجائے اور اس وقت پچھلے زمانہ کی بھی زکوٰۃ دینی لازم ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کل مال ادھار و موجودہ کی زکوٰۃ کا حساب کرکے ختم سال پر دیدے تاکہ بار بار وصول ہونے کے وقت ادھار کے حساب کرنے کی دقت پیش نہ آئے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۵۳ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۴۷ ج۲ باب زکوٰۃ المال)

کیا ڈیکوریشن پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ دوکان میں جو الماریاں و شوکیس وغیرہ سامان رکھنے کے لیے رکھی ہوں یا فرنیچر وغیرہ استعمال کے لیے رکھا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ یہ مال تجارت نہیں، البتہ اگر کوئی فرنیچر ہی کی تجارت کرتا ہو یعنی فرنیچر تجارت کی نیت سے خریدا یا بنوایا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مال، مال تجارت ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۵۶ بحوالہ درمختار

روزمرہ کی آمدنی والا کیسے زکوٰۃ دے؟

سوال:۔ ایک شخص کی روزمرہ کی آمدنی ہے وہ روپیہ بنک میں جمع کرتا جاتا ہے مثلاً ماہ جنوری سے دسمبر تک آمدنی معتد بہ قابل زکوٰۃ ہوگئی۔ آخر ماہ دسمبر تک اس کا حساب کس طرح کیا جائے کسی آمدنی پر گیارہ ماہ گذرے، کسی پر دس، کسی پر دو چار، بلکہ کسی پر دو چار دن، اسی آمدنی سے خرچ بھی ہوتا رہا مگر سال کے ختم پر خرچ کے باوجود قابل زکوٰۃ ہے تو کیسے زکوٰۃ نکالی جائے؟

جواب:۔ جس وقت سے وہ ذخیرہ بقدر نصاب ہوگیا ہو، اس تاریخ سے سال شروع ہوگا اور اس سال کے ختم پر جس قدر اس وقت موجود ہوگا بشرطیکہ نصاب سے کم نہ ہو، سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ گو ہر چیز پر سال نہ گذرا ہو، اور گو درمیان سال کے نصاب سے کم رہ گیا ہو (امداد الفتاویٰ ص۱۲ ج۲)۔

آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ کا حکم

سُوال :- تجارت کے آلات پر زکوٰۃ ہے یا نہیں مثلاً پن چکی یا ٹریکٹر کرایہ پر چلایا جاتا ہے؟

جواب :- اگر یہ آلات خود فروخت کرنے کے لیے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی، اور اگر ان کے ذریعہ سے کاشت کی جائے یا آٹا پیسا جائے، خود ان کو فروخت نہ کیا جائے تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۵۳ ج۳ بحوالہ درمختار ص۹ ج۲)۔

(آمدنی ہونے کے بعد اگر سال بھر کے بعد بچت اتنی ہو جائے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جا سکے تو اس آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ :- آلاتِ تجارت مثلاً کشتیاں، جہاز او ربیل گاڑیاں اور اُونٹ گاڑیاں وغیرہ جو تجارت کا مال ڈھونے (منتقل) کرنے کے لیے دوکاندار کے پاس ہوتی ہیں، یہ سب آلاتِ عروض تجارت میں شامل ہیں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۶۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۱ ج۲ و فتاویٰ محمودیہ ص۹۵ ج۱۳)۔

(البتہ اگر ان آلات سے حاصل شدہ منافع بقدرِ نصاب ہو جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو منافع کے روپیوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی)

کیا کراکری پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ :- کسی نے برتن، شامیانے، فرنیچر یا سائیکلیں وغیرہ یا اور کوئی سامان کرایہ پر دینے کے لیے خریدا اور کرایہ پر چلاتا رہا تو ان چیزوں پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ کرایہ پر چلانے سے مال، مالِ تجارت نہیں بنتا اور اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی، البتہ کرایہ کی وصول شدہ رقم اگر بقدرِ نصاب ہوا اور ایک سال گذر جائے تو اس روپے پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (امداد مسائلِ زکوٰۃ ص۵۰ بحوالہ قاضی خان)۔

پرنٹنگ پریس اور کارخانوں پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :- پرنٹنگ پریس، کارخانوں وغیرہ میں جو مشینیں وغیرہ فٹ ہوں، وہ بھی مالِ تجارت نہیں، لہٰذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ درزی کی کپڑے سینے کی مشین، ڈرائی کلین وغیرہ اور ہر قسم کی مشینوں کا یہی حکم ہے، البتہ اگر یہ مشینیں تجارت وغیرہ

کی نیت سے خریدی ہوں کہ ان کو فروخت کیا کریں گے تو ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (امداد، مسائل زکوٰۃ ص۵۶)۔

مسئلہ: کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر تو زکوٰۃ فرض نہیں ہے لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے، اس طرح جو خام مال جو مل میں سامان تیار کرنے کے لیے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، خام مال اور تیار شدہ مال سب کی قیمت لگا کر اس کا ڈھائی فی صد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۴۹ ج۲ و آپ کے مسائل ص۳۴۲ ج۳)

صنعتی اوزار کی دو قسمیں اور ان پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ: صنعتی اوزار اور سامان دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کو کسی کام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا اثر اس چیز میں باقی نہیں رہتا دوسری قسم وہ جو بعینہٖ اس میں لگا دی جاتی ہیں۔ مثلاً سائیکل کی درستگی کے بعض اوزار ایسے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ اس سے چیزیں ٹھیک کر دی جائیں، کاریگر ان سے اسی قدر کام لیتا ہے۔ بڑے بڑے کارخانوں میں جو مشینیں ہیں وہ اسی نوعیت کی ہیں۔ اور بعض سامان خاص اسی مقصد کے لیے ہوتے ہیں کہ ضرورت پڑنے پر اُن کو سائیکل میں فٹ کر دیا جائے۔ ان دونوں قسم میں سے پہلی قسم کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس میں مشینیں گھڑی سازی، بڑھئی، لوہار، موٹر سائیکل درست کرنے والوں اور کاشتکاروں وغیرہ کے صنعتی اوزار داخل ہیں۔ دوسری قسم کی چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس میں گھڑی، ریڈیو اور موٹر سائیکل وغیرہ کے قابلِ فروخت اجزاء (پرزے) شامل ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے پہلی قسم کی چیزوں کو "بنیادی ضرورت" (حاجتِ اصلیہ) اور دوسری قسم کی چیزوں کو قابلِ زکوٰۃ قرار دیا ہے۔ (جدید فقہی مسائل ص۱۲۲ بحوالہ فتاویٰ ہندیہ ص۱۸۰ ج۱)

ٹیکسی کے ذریعہ کرایہ کی رقم پر زکوٰۃ

سوال: ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، اس سے وہ ایک ٹیکسی خریدتا ہے، ایک سال بعد چالیس ہزار روپیہ کی کمائی ہوگئی، اب زکوٰۃ کتنی رقم پر دے؟

جواب: اگر گاڑی فروخت کرنے کی نیت سے نہیں خریدی بلکہ کمائی (کرایہ پر چلانے)

کے لیے خریدی ہے تو سال کے بعد زکوٰۃ صرف چالیس ہزار کی دیں گے، کیونکہ گاڑی کمانے کا ذریعہ ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں۔

مسئلہ:۔ گاڑیوں سے جو منافع حاصل ہو جائے اور جو نصاب تک پہونچ جائے تو سال گذرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ آئے گی، صرف گاڑیوں پر زکوٰۃ نہیں آئے گی، کیونکہ یہ حصول نفع کے آلات ہیں، ان پر زکوٰۃ نہیں آتی ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ بعض لوگ گاڑی اسی نیت سے خریدتے ہیں کہ جوں ہی اس کے اچھے دام ملیں گے اس کو فروخت کردیں گے اور یہ ان کا گویا باقاعدہ کاروبار ہے۔ ایسی گاڑی درحقیقت مالِ تجارت ہے اور اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۶ ج۳ واحسن الفتاوی ص۲۸۷ ج۴ بحوالہ طحطاوی ص۳۹۲ ج۱)۔

کرایہ پر چلنے والے سامان پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ آج کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپے ہوں گے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح سائیکل یا اور کوئی سامان تجارت کے لیے ہو اور وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اگر سائیکل اور دوکان کا دوسرا سامان کرایہ پر دیا جاتا ہو تو آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی مالیت پر نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ص۱۴۹ ج۵)۔

مسئلہ:۔ مشینری میں جو تجارتی نہ ہوں اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اس کی آمدنی میں زکوٰۃ ہے جب حوائج اصلیہ (ضرورت) سے فاضل ہو کر نصاب کو پہونچ جائے اور پورا سال بھی ہو جائے۔ (فتاوی رحیمیہ ص۱۱۲ ج۳)۔

مسئلہ:۔ موٹر، ہوائی جہاز (وغیرہ) کہ اگر یہ چیزیں شخصی استعمال میں ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر ان کو کرایہ کے لیے مختص کر دیا گیا ہے تو اس پر زکوٰۃ ہے (جبکہ اس کی آمدنی سال بھر کے بعد نصاب کے برابر یا دیگر مال وغیرہ کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر ہو جائے) کیونکہ اب یہ اشیاء نما افزائش اور نفع دینے لگی ہیں اس لیے اب یہ زکوٰۃ کا محل بن گئی ہیں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۶۰ جلد اول)

جو مال برآمد کیا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ

سُوال :- جو مال بیوپاریوں کو منافع لگا کر روانہ کیا جاتا ہے، اس کا روپیہ کبھی سال بھر میں اور کبھی ڈیڑھ دو سال میں وصول ہوتا ہے، اس کی زکوٰۃ مع منافع کے نکالی جائے یا بغیر منافع کے؟ اور کبھی بیوپاری سال بھر کے بعد مال واپس بھی کر دیتے ہیں اور ان سے روپیہ وصول مشکل سے ہوتا ہے۔

جواب :- جو مال بیوپاری کو دیا جاتا ہے اس کی جو کچھ قیمت مع منافع اس سے مقرر ہوئی ہے اس قیمت پر وصول ہونے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے، جس قدر روپیہ وصول ہوتا جائے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور جو وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ کچھ لازم نہیں ہے۔ (فتاوے دارالعلوم ص۱۵۵ ج۶ ردالمحتار باب زکوٰۃ المال ص۴۷ ج ۲)۔

اسٹیشنری کی زکوٰۃ کا حکم

سُوال :- میں کتابوں اور اسٹیشنری کی دُوکان کرتا ہوں۔ سامان کی مالیت تقریباً بارہ یا پندرہ ہزار روپیہ ہوگی، دوکان کرایہ کی ہے، کیا دُوکان کا سامان قابلِ ادائیگی زکوٰۃ ہے؟

جواب :- دوکان کا جو بھی مال فروخت کیا جاتا ہے اگر اس مال کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کو پہونچتی ہو تو اس مال پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۶ ج۳)

عطر و روغن کی زکوٰۃ کا حکم

سُوال :- مثلاً ایک عطر اور روغن وغیرہ چھ روپیہ تولہ کی لاگت کا ہے اور اس کو آٹھ روپیہ تولہ فروخت کیا گیا تو زکوٰۃ بحساب لاگت چھ روپیہ تولہ دی جائے گی یا آٹھ روپے تولہ کے؟

جواب :- جب کہ قیمت عطر کی اور روغن کی بقدر نصاب ہے زکوٰۃ اس پر واجب ہے۔ اور زکوٰۃ اس حساب سے دی جائے گی جو قیمت اس کی بازار میں ہے اور مراد اس بازار سے وہ بازار ہے جس میں وہ مال ہے (شامی ص۳۰ ج ۲ باب زکوٰۃ الغنم)۔

اور جس حساب سے بکری ہوتی ہے اس حساب سے قیمت عطر اور روغن کی لگائی جائے، اگر نقد دینے میں نقصان معلوم ہو تو سہولت وہی طریق ہے کہ بعینہٖ عطر و روغن کا چالیسواں حصہ نکال دے خواہ اس کو فروخت کر کے وہ قیمت فقراء کو دے دے

یا عطر و روغن ہی تقسیم کر دے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۸۰ ج ۶)

دوکان کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے

سوال:۔ میں نے ایک دوکان بیس ہزار کی خریدی تھی اور میں نے اس میں پچاس ہزار روپے کا سامان خرید کر بھرا تھا جس میں سے تقریباً بیس ہزار کا مال قرض لیا تھا جو اب میں نے ادا کر دیا ہے۔ اس سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ میں دوکان میں ہی لگا دیتا ہوں۔ مارکیٹ کے حساب سے میری دوکان کی قیمت ایک لاکھ روپے سے زیادہ ہے اور جو اس میں سامان ہے اس کی قیمت بھی ساٹھ یا پینسٹھ ہزار روپے بنتی ہے، میں اس پر زکوٰۃ کس حساب سے ادا کروں؟

جواب:۔ دوکان میں جتنی مالیت کا سامان ہے، اس کی قیمت لگا کر آپ کے ذمہ اگر قرض ہو اس کو منہا کر دیا کریں، اور باقی جتنی رقم بچے اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کر دیا کریں۔ دوکان کی عمارت، باردانہ اور فرنیچر وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں صرف قابلِ فروخت مال پر زکوٰۃ ہے (آپ کے مسائل ص۳۸۱ ج ۳)۔

بساط خانہ کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ عطار خانہ (دوا فروش) کی دوکان ہے ہزاروں قسم کی ادویہ ہیں اور بساط خانہ نیز دیگر سامان بھی ہے۔ اگر تخمیناً قیمت لگائی جائے اور زائد کر کے لگائی جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ادویہ اور سامان بساط خانہ کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو اس وقت بازار میں ان کی قیمت ہے، اسی قیمت پر زکوٰۃ دی جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۳۹ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ج ۲)

ادویات پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ دوکان میں پڑی ادویات پر زکوٰۃ لازم ہے یا صرف اس کی آمدنی پر؟

جواب:۔ ادویات کی قیمت پر بھی لازم ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۳ ج ۳)۔

کتب خانہ کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

زکوٰۃ دینے میں ایک کوتاہی یہ ہے کہ اپنے نزدیک حساب سے دیتے ہیں مگر واقع میں وہ حساب غلط ہوتا ہے مثلاً مالِ تجارت میں اپنی خرید یا لاگت کا حساب لگا لیتے

ہیں، فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کچھ کتابیں تاجرانہ قیمت سے خریدیں یا اپنے پریس میں چھاپیں اور وہ ایک ہزار روپے میں اس کو پڑ گئیں مگر بازار میں وہ دو ہزار کی ہیں، تو زکوٰۃ دو ہزار کی دینا چاہیئے اور اگر دو ہزار کی زکوٰۃ پچاس روپے دیتے ہوئے دل دُکھے تو سہل یہ ہے کہ خود کتابوں کا چالیسواں حصہ دیدے مثلاً چالیس ہدایہ میں سے ایک ہدایہ دے دے یا ایسی کتاب دیدے جس کی ہدایہ کی برابر قیمت پڑ نکاسی ہوتی ہو۔ (امداد مسائلِ زکوٰۃ ص۳۳ وفتاویٰ دارالعلوم ص۸ ج۶ وشامی ص۳۰ ج۲ باب زکوٰۃ الغنم)۔

پرچون کی زکوٰۃ

سُوال:۔ زید پنساری کی دوکان کرتا ہے، اس میں چونکہ سیکڑوں قسم کا سامان ہوتا ہے، اس وجہ سے اخیر سال میں وزن نہیں کر سکتا، اندازہ سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے، کیا زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اندازہ کرنے میں حتی الوسع یہ لحاظ رکھے کچھ زیادہ اندازہ لگایا جائے تاکہ زکوٰۃ میں کمی نہ رہے کیونکہ درحقیقت اگر اندازہ کم ہوا تو اس قدر زکوٰۃ اس کے ذمہ پر واجب رہے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۰ ج۶ بحوالہ عالمگیری کتاب الزکوٰۃ ص۱۶۸ ج۱)۔

دواخانہ کی زکوٰۃ

سُوال:۔ زید دواخانہ کی دوکان کرتا ہے جس میں ہزاروں دوائیں ہیں جو کہ فروختگی میں ماشہ دو ماشہ (ہی بعض دفعہ) نکلتی ہیں جس کا باقاعدہ حساب رہنا مشکل ہے۔ ان دواؤں کی زکوٰۃ کس طرح دینی چاہیئے؟

جواب:۔ حساب کرنا تو زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے مگر تمام اَدویہ کو علیحدہ علیحدہ وزن کرنا اور قیمت لگانا دشوار ہے تو ایسا کیا جائے کہ سالانہ موجود میں سے جس قدر فروختگی کی میزان ہو اس کو منہا (وضع) کیا جائے۔ الغرض اندازہ کر لینا مالِ موجودہ کا ضروریات میں سے ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۲ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۴۲ ج۲ باب زکوٰۃ المال)۔

جس دُوکان کا حساب نہ ہو اُس کی زکوٰۃ

سُوال:۔ زید کی دوکان جب سے قائم ہوئی ہے اس وقت تک کوئی ایسا حساب نہیں ہوا جس سے اس کی مالیت کا صحیح اندازہ ہو سکے زکوٰۃ کے لیے کیا کرے؟

جواب:۔ حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔ اور گذشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۱۴۸ ج۶ بحوالہ رد المحتار باب زکوٰۃ المال صـ۴۱ ج ۲)۔

(یہاں پر مال کا اندازہ اور تخمینہ لگایا جائے اور اندازہ میں جہاں تک ہو سکے کچھ زیادہ ہی ہو تاکہ حقوق اللہ نہ رہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

دوکان چھوڑنے کی صورت میں زکوٰۃ کا حکم

سُوال:۔ تجارت (بزنس) میں اگر بعد ادائے قرضہ مثلاً پچاس ہزار روپے کا مال دوکان میں ہو تو کیا اس پچاس ہزار روپے پر زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ لیکن دوکانداری کا مال ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو دوکان چھوڑنے کی غرض سے فروخت کیا جائے (مال نمٹایا جائے) تو کبھی ایک روپے کا مال ایک روپے میں فروخت نہیں ہوتا۔ اس مال کی قیمت ادائے زکوٰۃ کے وقت وہی محسوب ہوگی جو اس کی اصلی قیمت بوقت موجودہ خرید ہے، یا وہ قیمت محسوب کرنی چاہیئے جو دوکان چھوڑنے کے وقت مل سکتی ہے اور اس پر زکوٰۃ دینا چاہیئے؟

جواب:۔ قرض دوامی کے ادا کرنے کے بعد اگر پچاس ہزار روپے کا مال مثلاً بچے تو ختم سال پر اس کی زکوٰۃ دینی چاہیئے اور زکوٰۃ قیمت مال موجودہ بنرخ موجود کے حساب سے واجب ہوگی۔ دوکان چھوڑنے کی حالت میں جو کمی پر مال فروخت ہو، اس کا خیال نہ کیا جائے گا بلکہ نرخ (قیمت) بازار موجودہ مال کا اعتبار ہوگا۔ (فتاوےٰ دار العلوم صـ۱۵۱ ج ۶ بحوالہ عالمگیری (مصری) کتاب الزکوٰۃ باب ثالث فصل ثانی صـ۱۶۸ ج۱)

مویشیوں پر زکوٰۃ کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے لاکھوں جانور اس دنیا میں پیدا فرمائے ہیں جن میں سے بہت کم جانوروں سے انسان مستفید ہوتا ہے، اور ان جانوروں میں بھی مفید ترین جانور وہ ہیں جنھیں عربی زبان میں اَنعام (مویشی) کہا جاتا ہے اور یہ اونٹ، گائے (اور بھینس) اور بکری (اور بھیڑ) ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں ان جانوروں کا ذکر اپنے بندوں پر ایک احسان کے طور پر کیا ہے اور متعدد مقامات پر ان کے منافع بھی بیان

فرمائے ہیں۔ اسی شکر کی ادائیگی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے (ان میں) زکوٰۃ فرض فرمائی ہے، اس کے نصاب اور مقادیر مقرر فرمائے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک مربوط اور مستحکم نظام کی صورت میں نافذ فرمایا۔

بہرحال چوں کہ اہل عرب کے لیے مویشی، اور ان میں بھی خاص طور پر اونٹ، بہت مفید اور کثیر المنافع جانور تھے اس لیے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالتفصیل ان کے نصاب اور ان کی مقادیر کو بیان فرمایا اور آج تک بھی دنیا کے بیشتر ممالک میں حیوانی ثروت کو اہم مالی آمدنی کا ذریعہ متصور کیا جاتا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں حیوانات پالے اور پرورش کیے جاتے ہیں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۲۲۸ جلد اول)۔

شریعت میں مویشیوں کی زکوٰۃ کی اہمیت

زکوٰۃ دراصل اس سرمائے مالیت پر عائد ہوتی ہے

جہاں انسان کی بنیادی ضروریات کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام اور انبیاء علیہم السلام کی آمد کا مقصد آخرت کی تیاری اور دنیا کی اصلاح ہے، آخرت کی تیاری کے لیے تو تین عبادتیں مخصوص ہیں جو انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑتی ہیں اور اس میں آخرت کا شعور اور اخروی زندگی کی براہ راست محبت اور تڑپ پیدا کرتی ہیں، یہ نماز روزہ اور حج کی عبادتیں ہیں، دو عبادتوں زکوٰۃ وجہاد حدود و تعزیرات اور دوسرے اخلاق و معاملات کا اولین رابطہ دنیا سے ہے، ان کو ٹھیک ٹھیک مقررہ ہدایات کے تحت اسلامی اسپرٹ کی روشنی میں کوئی شخص یا جماعت سرانجام دے تو دنیا میں عدل و انصاف اور امن و سکون پیدا ہوگا، اس لیے خداوند قدوس نے خود جو فطرۃ انسانی کا خالق اور اس کی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہے، سرمائے سے انسان کی محبت اور وابستگی کو حدود آشنا کرنے کے لیے کچھ پابندیاں عائد کر دی ہیں تاکہ ایک طرف خود انسان اس سرمائے کو کلیتاً اپنی ملک سمجھ کر خود مختارانہ تصرف سے باز رہے اور وہ اللہ کی دی ہوئی امانت سمجھ کر اس کی ہدایات کے مطابق سرمائے کو ٹھکانے لگائے اور دوسری طرف خود معاشرہ اور سوسائٹی شخصی دولت و سرمائے کی فراوانی اور سرمایہ پرستانہ ذہن و عمل کا تختۂ مشق نہ بن سکے

اور جماعت کے افراد دولت کے تفاوت کے باوجود معاشرتی مساوات، اجتماعی انصاف، انفرادی مسابقت اور جماعتی تعاون سے یکساں طور پر بہرہ اندوز ہوں۔

زکوٰۃ کی اس اہمیت کو ہمیشہ برقرار رکھا گیا، نماز کے بعد زکوٰۃ کے احکام بیان کیے جاتے ہیں تاکہ تعلق باللہ کے بعد تعلق بالعباد قائم ہو، چنانچہ بنیادی طور پر عرب نہ زراعتی ملک تھا نہ صنعتی، اہل عرب کا سرمایہ نقدی سے بڑھ کر ان کے مویشی تھے، اس لیے زکوٰۃ کا زیادہ زور مویشیوں ہی پر رہا، اس کے بعد اور بھی چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوئی مگر مویشیوں (جانوروں) کی اہمیت زیادہ تھی اس لیے احادیث میں بھی ان سے متعلق بہت تفصیلات ملتی ہیں اسی وجہ سے فقہاء بھی زکوٰۃ کے بنیادی احکام بیان کرنے کے بعد بالعموم مویشیوں ہی کی زکوٰۃ کے بارہ میں تفصیلات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اب یہاں پر جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان شروع کیا جاتا ہے، (فتاویٰ عالمگیری ص۱۵۱ ج۲)۔

سائمہ جانور کیا ہیں؟

مسئلہ: سائمہ وہ جانور کہلاتے ہیں جو جنگل میں چرنے کے لیے خاص مقصد سے چھوڑے جاتے ہیں اور وہ مقصد یا تو ان سے دودھ حاصل کرنا ہوتا ہے یا ان کی نسلی افزائش ہے یا اپنی بڑھوتری اور بالیدگی کی بناء پر وہ بیش قیمت قرار پائیں، جن جانوروں کو نسلی افزائش اور شیر افزونی کے بجائے سواری کے لیے یا باربرداری کے لیے جنگل میں چرایا جائے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے سائمہ خواہ نر ہوں یا مادہ خواہ ملے جلے ہوں ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی ایسے ہی اگر محض تجارتی مقصد سے جنگل میں چھوڑے جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی، مگر تجارت کے حساب سے ہوگی، سائمہ کے حساب سے نہ ہوگی، ہاں اگر گوشت خوری کے لیے (جانور) پالے جائیں اور (جنگل میں چرنے کے لیے چھوڑے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں (اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ روزمرّہ جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور کھانے کے کام آتے ہیں ان کو جنگل میں اسی مقصد سے پالا جائے تو وہ زکوٰۃ سے فارغ ہیں مطلب یہ ہے کہ ایسے جانوروں پر زکوٰۃ سائمہ جانوروں کے حساب سے عائد نہ ہوگی، بلکہ تجارتی نوع کی زکوٰۃ ہوگی۔ البتہ اگر کوئی شخص صرف اپنے ذاتی استعمال میں لانے اور خود

گوشت کھانے کے لیے جنگل میں گائے بھینس وغیرہ کو چرنے کے لیے چھوڑتا ہے تو اس پر کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ۔

مسئلہ:۔ اگر مویشی تجارتی ہوں اور انھیں چھ ماہ یا کچھ زیادہ دن جنگل میں چرایا تو وہ سائمہ نہیں ہوں گے تاوقتیکہ مالک انھیں خود سائمہ بنانے کی نیت نہ کرے، جس طرح وہ غلام جو تجارتی نوعیت کا ہو، اور مالک اسے چند سال اپنی خدمت میں رکھنا چاہے تو وہ اس کی خدمت میں رہنے کے باوجود حسبِ سابق تجارتی غلام شمار ہوگا، جب تک اس کو تجارت سے نکال کر وہ خدمت کے لیے مخصوص کرنے کی نیت نہ کرے

اور اگر سائمہ کے مالک کا یہ ارادہ ہو کہ وہ ان سے کام لے گا یا انہیں (جنگل میں چرانے کے بجائے) چارہ کھلائے گا مگر وہ سال بھر تک اس ارادہ کے مطابق عمل نہ کر سکا اور سال پورا ہوگیا تو سائمہ کی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر جانور تجارت کی غرض سے خریدے پھر انہیں سائمہ بنا دیا، تو سالِ نصاب اس وقت سے شمار ہوگا جب سے انھیں سائمہ بنا دیا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری صـ۱۷ جر۴ وکتاب الفقہ صـ۹۷ جر۱)۔

سائمہ وہ جانور جن میں یہ تین باتیں پائی جائیں (۱) سال کے اکثر حصہ میں اپنے منھ سے چر کے اکتفاء کرتے ہوں (یعنی سرکاری چراگاہ میں بغیر پیسوں کے چرتے ہوں اور گھر میں ان کو کچھ نہ دیا جاتا ہو) اگر نصف سال اپنے منھ سے چر کر رہتے ہوں اور نصف سال ان کو گھر میں کھلایا جاتا ہو تو پھر وہ سائمہ نہیں ہیں، اسی طرح اگر گھانس ان کے لیے گھر میں منگائی جاتی ہو خواہ وہ بہ قیمت ہو یا بلا قیمت، تو پھر وہ سائمہ نہیں ہیں۔
(۲) جو گھانس وہ چرتے ہوں اس کے چرنے کی کسی کی طرف سے ممانعت نہ ہو۔ اگر کسی کی منع کی ہوئی اور ناجائز گھانس ان کو چرائی جائے (کھلائی جائے) تب بھی وہ سائمہ نہ ہوں گے۔ (۳) دودھ کی غرض سے یا نسل کے زیادہ ہونے کے لیے رکھے گئے ہوں، اگر دودھ اور نسل کی غرض سے نہ رکھے گئے ہوں بلکہ گوشت کھانے کے لیے یا سواری کے لیے ہوں تو پھر وہ سائمہ نہ کہلائیں گے۔ (عالمگیری صـ جر۴)۔

جو جانور سال کے درمیان حاصل ہوں اُس کا حکم

جو مال سال کے اندر حاصل ہوا ہو، خواہ خریدنے سے یا تناسل (جانوروں کے بچے دینے سے) یا وراثت سے یا ہبہ وغیرہ سے وہ اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اس کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔ مثلاً شروع سال میں پچیس اونٹ تھے، سال کے درمیان میں ان کے پچیس بچے ہوئے تو اب سال کے ختم پر یہ بچے بھی ان اونٹوں کے ساتھ ملا دیئے جائیں اور کل اونٹوں کی زکوٰۃ میں چوتھے سال کا اونٹ دینا ہوگا گو ان بچوں پر ابھی پورا سال نہیں گزرا، ہاں اگر اس مال کے ملا دینے سے ایک ہی سال پر دو مرتبہ زکوٰۃ دینا پڑے تو پھر نہ ملائیں گے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ دے چکا ہو بعد اس کے اس مزکّی (زکوٰۃ دینے والا) روپے سے کچھ جانور خرید لے تو وہ جانور اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ نہ ملائیں گے ورنہ ان کی زکوٰۃ پھر دینی ہوگی اور ابھی ان کی قیمت کی زکوٰۃ دی جا چکی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جانوروں کی زکوٰۃ دے چکا ہو بعد اس کے ان مزکّیٰ جانوروں کو بیچ ڈالے تو ان کی قیمت کا روپیہ روپے کے نصاب کے ساتھ نہ ملایا جائے گا (علم الفقہ صنہ۳ ج ۴)۔

زکوٰۃ میں کیسے مویشی لیے جائیں؟

مسئلہ: جب زکوٰۃ دہندہ مویشیوں کی زکوٰۃ ادا کرے اور وصول کنندہ وصول کرے تو جانوروں کی یہ خصوصیات مدِّ نظر رکھنی چاہئیں:-

جو جانور زکوٰۃ میں دیئے جائیں ان میں کوئی عیب نہ ہو یعنی نہ وہ بیمار ہوں، نہ ان میں ٹوٹ پھوٹ ہو (مثلاً ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہو یا کان کٹا ہوا ہو) اور نہ ایسے بوڑھے ہوں کہ ان کے دانت گر گئے ہوں۔ غرض ان میں کوئی بھی عیب ایسا نہ ہو جس سے ان کی منفعت اور قیمت میں کمی آجائے۔

مسئلہ: البتہ ایک صورت میں عیب دار جانور زکوٰۃ میں وصول کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر سارے ہی جانور بوڑھے ہوں یا سارے ہی جانور بیمار ہوں یا سارے ہی عیب دار ہوں اور زکوٰۃ وصول کنندہ انہی میں سے زکوٰۃ وصول کرے اور مالک کو بے عیب جانور خریدنے

پابند نہ کرے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ اسی مال میں سے ادا ہونی چاہیے جس مال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۲۸۴ ج۱)۔

مسئلہ:۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ میں عمدہ جانور ہی وصول کیے جائیں (یہ عام پیشیوں کا حکم ہے) تو اس میں مالکوں کا نقصان ہے اور اگر نکمے (خراب) جانور لیے جائیں تو یہ مستحقین کے حق میں مضرت رساں ہے اس لیے تقاضائے عدل یہی ہے کہ درمیانی درمتوسط قسم کے جانور لیے جائیں (فقہ الزکوٰۃ ص۱۹۰ ج۱)۔

مشترکہ جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ ایک شخص کی اَسّی آدمیوں کے ساتھ اَسّی بکریوں میں نصف نصف کی شرکت ہے کہ ہر بکری میں نصف اس کی ہے اور نصف دوسرے شخص کی گویا بحیثیت مجموعی اس کی چالیس بکریاں ہیں تو امام ابو حنیفہ رحؒ اور امام محمد رحؒ کے نزدیک اسی تعداد (مشترکہ) میں زکوٰۃ واجب نہیں، اور یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب مثلاً ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک شخص کی ساٹھ گایوں میں شرکت ہے۔

مسئلہ:۔ دو شریکوں سے جب ان کے مشترک مال کی زکوٰۃ لی جائے تو اس صورت میں دونوں شریک ایک دوسرے سے اپنے اپنے حصے کے مطابق مال کا لوٹ پھیر کرلینگے (یعنی حساب کرلیں گے)۔

مسئلہ:۔ جب دو آدمیوں کے پاس اونٹوں کے ایک مشترکہ گلہ میں اکسٹھ ۶۱ اونٹ ہوں، ایک شخص کے پاس چھتیس ۳۶ ہوں، دوسرے کے پاس پچیس ۲۵ ہوں تو زکوٰۃ وصول کنندہ ان دونوں سے ایک پانچ سال کی عمر کی اور ایک تین سال کی عمر کی اونٹنی زکوٰۃ میں لے لے گا، اب جس شریک کے حصے میں جس قدر زائد زکوٰۃ میں چلا گیا ہے وہ اس سے بقدر دوسرے شریک سے لے لے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲۶ ج۲)

مسئلہ:۔ مویشیوں (جانوروں) کی زکوٰۃ واجب ہونے کی جگہ وہ ہے جہاں پر مویشی موجود ہوں بشرطیکہ زکوٰۃ وصول کرنے والا وہاں پر موجود ہو، اگر محصل وہاں نہ ہو تو جہاں مالک ہے وہاں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (کتاب الفقہ ص۱۰۱۸ ج۱)۔

جو جانور استعمال میں ہوں ان کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ سواری کے گھوڑے اور زراعت کے بیلوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۹۲ ج۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص۱۶۹ ج۱)۔

مسئلہ:۔ بیل جو زراعت کے اور گھوڑے سواری کے اور گائے دودھ پینے کے لیے ہیں۔ تو ان جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۰۶ ج۶ بحوالہ ہدایہ ص۱۹۶ ج۱ و فقہ الزکوٰۃ ص۲۳۴ جلد اول)۔

مسئلہ:۔ زراعت کے لیے جو جانور پرورش کیے گئے ہوں اگرچہ سائمہ ہوں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور دودھ پینے اور نسل حاصل کرنے وغیرہ کے لیے جو جانور پالے جائیں اور وہ سائمہ ہوں، ان میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ نصاب کو پہونچ جائیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۰۵ ج۶ بحوالہ رد المحتار باب السائمہ ص۲ ج۱)۔

مسئلہ:۔ اگر مختلف حیوانات کے متعدد نصاب ایک شخص کے پاس ہیں اور اس نے ان میں سے بعض کی زکوٰۃ پیشگی دیدی، مگر جن کی زکوٰۃ دی تھی وہ جانور ہلاک اور ختم ہو گئے تو اب دی ہوئی زکوٰۃ ان جانوروں کی جانب سے شمار نہ ہو سکے گی جو اس کے پاس اب موجود ہیں۔ (عالمگیری ص۱۵ ج۴)۔

کن کن جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی؟

مسئلہ:۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اسی پر فتویٰ ہے۔ ہاں اگر گھوڑے تجارتی ہوں تو ان پر تجارتی نوعیت کی زکوٰۃ واجب ہوگی، گھوڑے تجارتی ہوں تو ان کی حیثیت تجارتی سامان کی ہوگی، ان کی قیمت حدِ نصاب تک پہونچ جائے تو زکوٰۃ لی جائے گی خواہ وہ جنگل میں چرتے ہوں یا گھر پر گھاس دانہ کھاتے ہوں۔ گدھے پر، خچر پر، سدھائے ہوئے چیتے اور کتّے پر اسی وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب وہ تجارت کے لیے ہوں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۲۹۹ ج۱)۔

مسئلہ:۔ تجارتی گھوڑوں کی مجموعی قیمت پر چالیسواں حصہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے آخری قول کے مطابق بکری، اونٹ اور گائے کے بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر ان میں سے

ایک بھی نصاب کی عمر کو پہونچ جائے تو باقی بچے اس کے تابع ہو کر نصاب میں شمار ہوں گے، البتہ وہ زکوٰۃ میں نہیں لیے جائیں گے۔ یعنی زکوٰۃ میں وہی پوری بکری یا اس کی قیمت لی جائے گی، یہ چھوٹے بچے نصاب کی تکمیل کا ذریعہ تو ضرور بنتے ہیں مگر زکوٰۃ کی ادائیگی ان سے درست نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر بکری کے انتالیس بچے ہیں اور ان میں صرف ایک بکری پوری ہے (جسے شامل کرکے چالیس کی تعداد پوری ہوتی ہے) تو اس میں ایک اوسط درجہ کی بکری زکوٰۃ میں دینی ہوگی اگر وہی ایک (پوری عمر والی) بکری درمیانہ درجے کی یا اس سے کچھ کم ہے تو زکوٰۃ میں لے لی جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر سال پورا ہونے کے بعد وہ بکری نہ رہے، صاحبین رح کے نزدیک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ ایسے ہی اگر اونٹ کے پچاس بچے ہیں اور ان ہی میں درمیانہ درجے کی ایک اونٹنی بھی شامل ہے تو وہی زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ اگر آدھے بچے ضائع ہو جائیں تو نصف اونٹنی کے بقدر زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی اور نصف اونٹنی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ میں بچہ لینا جائز نہیں۔ (فتاوی عالمگیری ص۱۹ ج۴)۔

مسئلہ:۔ جنگلی اور وحشی جانوروں پر سائمہ ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اس لیے ایسے مخلوط النسل جانور پر جس کی ماں جنگلی اور وحشی ہو، زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ باربرداری استعمالی اور چارہ کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ جس طرح آدمی کے آلات کارکردگی پر زکوٰۃ نہیں ہے، اسی طرح وہ جانور جو زراعت کے مقصد سے پالے گئے ہوں یا جن سے بوجھ ڈھونا مقصود ہو اور جنہیں گھر پر رکھ کر چارہ کھلایا جاتا ہو، ان تینوں قسم کے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، لیکن گھر پر چارہ کھانے والے جانور اگر تجارتی نوعیت کے ہوں تو ان پر تجارتی زکوٰۃ عائد ہوگی۔ (فتاوی عالمگیری ص۱۹ ج۴ وکتاب الفقہ ص۵۶۸ ج۱)۔

مسئلہ:۔ وقف کے جانوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص۵۱)

مخلوط النسل جانوروں کی زکوٰۃ

سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ

وہ جنگلی نہ ہوں، جنگلی جانوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں، ہاں اگر تجارت کی نیت سے رکھے جائیں تو ان پر تجارت کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

جو جانور کسی دیسی اور جنگلی جانور سے مل کر پیدا ہوں تو اگر ان کی ماں دیسی ہے تو وہ دیسی سمجھے جائیں گے اور اگر جنگلی ہے تو جنگلی سمجھے جائیں گے۔ مثلاً بکری اور ہرن سے کوئی جانور پیدا ہوا تو وہ بکری کے حکم میں ہے اور نیل گائے اور گائے سے کوئی جانور پیدا ہوا تو وہ گائے کے حکم میں ہے۔

جو جانور سائمہ ہو اور سال کے درمیان اس کی تجارت کی نیت کرلی جائے تو اس سال اس کی زکوٰۃ نہ دینی پڑے گی، اور جب اس نے تجارت کی نیت کی ہے اس وقت سے اس کا تجارتی سال شروع ہوگا۔ (امداد مسائل زکوٰۃ صـ۵۱)۔

وقف کے جانور پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ وقف کے جانوروں پر اور ان گھوڑوں پر جو دینی جہاد کے لیے رکھے گئے ہوں زکوٰۃ فرض نہیں، گھوڑوں پر خواہ وہ سائمہ ہوں یا غیر سائمہ اور گدھے اور خچر پر بشرطیکہ تجارت کے لیے نہ ہوں زکوٰۃ فرض نہیں۔ (امداد مسائل زکوٰۃ صـ۵۱)۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیل

نوٹ:۔ ۶ میں ۷ میں ۸ میں ۹ میں بھی ایک ہی بکری یا بکرا یکسالہ واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح نیچے لکھے ہوئے حساب کو سمجھیے (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

سوال:۔ زکوٰۃ میں اونٹوں کا نصاب اور اُن پر زکوٰۃ کا حساب بہت مشکل ہے آپ ایسے واضح طریقہ سے تحریر فرمائیں کہ بسہولت سمجھ میں آجائے؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ ایک اونٹ سے چار اونٹوں تک معاف ہے، اُن پر زکوٰۃ نہیں۔ اس کے بعد بحسابِ ذیل زکوٰۃ فرض ہے:۔

۵	سے	۹	تک	یکسالہ ایک بکری یا بکرا،
۱۰	سے	۱۴	تک	دو بکریاں یا بکرے
۱۵	سے	۱۹	تک	تین بکریاں یا بکرے

۲۰	سے	۲۴	تک	چار بکریاں یا بکرے
۲۵	سے	۳۵	تک	یک سالہ اونٹنی (بنتِ مخاض)
۳۶	سے	۴۵	تک	دو سالہ اونٹنی (بنت لبون)
۴۶	سے	۶۰	تک	سہ سالہ اونٹنی (حقہ)
۶۱	سے	۷۵	تک	چار سالہ اونٹنی (جذعہ)
۷۶	سے	۹۰	تک	دو سالہ دو اونٹنیاں
۹۱	سے	۱۲۴	تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں
۱۲۵	سے	۱۲۹	تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور ایک بکری
۱۳۰	سے	۱۳۴	تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور دو بکریاں
۱۳۵	سے	۱۳۹	تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۴۰	سے	۱۴۴	تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۴۵	سے	۱۴۹	تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور یک سالہ ایک اونٹنی
۱۵۰	سے	۱۵۴	تک	سہ سالہ تین اونٹنیاں
۱۵۵	سے	۱۵۹	تک	سہ سالہ تین اونٹنیاں اور ایک بکری
۱۶۰	سے	۱۶۴	تک	سہ سالہ تین اونٹنیاں اور دو بکریاں
۱۶۵	سے	۱۶۹	تک	سہ سالہ تین اونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۷۰	سے	۱۷۴	تک	سہ سالہ تین اونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۷۵	سے	۱۸۵	تک	سہ سالہ تین اونٹنیاں اور یک سالہ ایک اونٹنی
۱۸۶	سے	۱۹۵	تک	سہ سالہ تین اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۱۹۶	سے	۲۰۴	تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں یا دو سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۰۵	سے	۲۰۹	تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۱۰	سے	۲۱۴	تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۱۵	سے	۲۱۹	تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور تین بکریاں

۲۲۰	سے	۲۲۴	تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۲۵	سے	۲۳۵	تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور یکسالہ ایک اونٹنی
۲۳۶	سے	۲۴۵	تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۴۶	سے	۲۵۴	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۵۵	سے	۲۵۹	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۶۰	سے	۲۶۴	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۶۵	سے	۲۶۹	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور تین بکریاں
۲۷۰	سے	۲۷۴	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۷۵	سے	۲۸۵	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور یکسالہ ایک اونٹنی
۲۸۶	سے	۲۹۵	تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۹۶	سے	۳۰۴	تک	سہ سالہ چھ اونٹنیاں

اس نقشہ میں ۱۵۰ سے آخر تک دیئے گئے اعداد سے ایک کلیہ حاصل ہوا، اس کے مطابق جہاں تک چاہیں ہزاروں لاکھوں اونٹوں کی زکوٰۃ کا حساب لگا سکتے ہیں، اس کلیہ کا حاصل یہ ہے کہ ۱۵۰ کے بعد ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، پھر ۲۵ سے ۳۵ تک یکسالہ اونٹنی، پھر ۳۶ سے ۴۵ تک دو سالہ اونٹنی، پھر ۴۶ سے ۵۰ تک سہ سالہ اونٹنی، اس کے بعد پھر نئے سرے سے ہر پانچ پر ایک بکری، ۲۵ پر یکسالہ اونٹنی، ۳۶ پر دو سالہ، ۴۶ سے ۵۰ تک سہ سالہ۔

ھدایات :(۱) جہاں بکری واجب ہے اس میں ایک سال کی عمر لازم ہے، اور مذکر و مؤنث میں اختیار ہے چاہے بکری دے یا بکرا دے، مگر اونٹنی مؤنث ہی دینا لازم ہے، اونٹ دینا جائز نہیں، البتہ اونٹنی کی قیمت لگا کر اس قیمت سے برابر یا اس سے زائد قیمت کا اونٹ دے دینا جائز ہے۔

(۲) جہاں سہ سالہ چار اونٹنیاں واجب ہیں وہاں اختیار ہے کہ ان کے بجائے دو سالہ پانچ اونٹنیاں دے دے۔

(۳) زکوٰۃ کا حساب مذکور اس صورت میں ہے کہ اونٹ تجارت کے لیے نہ ہوں اور ان کا غالب چارہ باہر چرنا ہو، گھر میں چارہ نہ دیا جاتا ہو، یا باہر چرنے کی بہ نسبت گھر کا چارہ کم ہو، اگر گھر کا چارہ زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں تو زکوٰۃ نہیں۔

(۴) اگر اونٹ تجارت کے لیے ہوں تو اُن پر حسابِ مذکور کے مطابق بکری یا اونٹنی واجب نہیں، بلکہ دوسرے اموالِ تجارت کی طرح اُن کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہوگی، خواہ باہر چرتے ہوں یا گھر میں چارہ دیا جاتا ہو، تجارت کے لیے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خریدتے وقت ان کو فروخت کرنے کی نیت ہو، اگر خریدنے کے بعد بیچنے کی نیت کی، یا اصل کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی نسل کو بیچنے کی نیت ہو، خواہ اصل کو خریدتے وقت یہ نیت ہو یا بعد میں ان سب صورتوں میں یہ مالِ تجارت نہیں۔

(۵) جو اُونٹ سواری یا بار برداری کے لیے ہوں اُن پر کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ از ص۲۷۲ تا ص۲۷۵ جلد۴ و ہدایہ ص۱۸۸ جلد اوّل)۔

گائے و بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب

گائے اور بھینس دونوں ایک ہی قسم میں ہیں، دونوں کا نصاب بھی ایک ہے اور اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملالیں گے مثلاً بیس۲۰ گائے ہوں اور دس۱۰ بھینس تو دونوں کو ملاکر تیس کا نصاب پورا کرلیں گے مگر زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائے گا جس کی تعداد زیادہ ہو، یعنی اگر گائے زیادہ ہیں تو زکوٰۃ میں گائے دی جائیگی اور اگر بھینس زیادہ ہیں تو زکوٰۃ میں بھینس دی جائے گی اور اگر دونوں برابر ہیں تو اختیار ہے۔

تیس گائے بھینس میں ایک گائے یا بھینس کا بچہ جو پورے ایک سال کا ہو، تیس سے کم میں کچھ نہیں اور تیس کے بعد انتالیس تک بھی کچھ نہیں (صرف ایک سالہ بچہ ہی ہے) چالیس گائے بھینس میں پورے دو سال کا بچہ۔ اکتالیس سے انسٹھ تک کچھ نہیں (یعنی صرف دو سالہ بچہ ہی رہے گا)۔ جب ساٹھ ہو جائیں تو ایک ایک سال کے دو۲ بچے دیئے جائیں گے۔ پھر جب ساٹھ سے زیادہ ہو جائیں گے تو ہر تیس میں ایک سال کا بچہ اور ہر چالیس میں دو سال کا بچہ مثلاً ستر ہو جائیں تو ایک ایک سال کا بچہ اور ایک دو سال کا بچہ۔

کیونکہ ستر میں ایک تیس کا نصاب ہے اور ایک چالیس کا۔ اور جب اسّی ہو جائیں تو دو سال کے دو بچے کیونکہ اس میں چالیس کے دو نصاب ہیں اور نوّے میں ایک ایک سال کے تین بچے، کیونکہ نوّے میں تیس کے نصاب ہیں اور سَو میں دو بچے ایک ایک سال کے اور ایک بچہ دو سال کا۔ کیونکہ سَو میں دو نصاب تیس کے اور ایک نصاب چالیس کا ہے، ہاں جہاں کہیں دونوں نصابوں کا حساب مختلف نتیجہ پیدا کرتا ہو وہاں اختیار ہے چاہے جس کا اعتبار کریں۔ مثلاً بیس میں چار نصاب تو تیس کے ہیں اور تین نصاب چالیس کے بس اختیار ہے کہ تیس کے نصاب کا اعتبار کر کے ایک سال کے چار بچے دیں یا چالیس کے نصاب کا اعتبار کر کے دو سال کے تین بچے دیں۔

غرضکہ ساٹھ کے بعد پھر ہر دہائی سے نصاب بدلتا رہے گا، دہائی سے کم بڑھے تو زکوٰۃ میں زیادتی نہ ہوگی وہی زکوٰۃ دینا ہوگی جو اس سے پہلے دی جاتی تھی۔ (علم الفقہ ص۲۵ جلد۴ واحسن الفتاویٰ ص۲۷۱ جلد۴ و فتاویٰ عالمگیری ص۱۸ جلد۴)۔

(نوٹ:- گائے وبھینس کے نصاب میں نر و مادہ یعنی بیل، بچھڑا، کٹڑا، جھوٹا بھینسا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

بکریوں اور بھیڑوں کی زکوٰۃ کا نصاب

سُوال:- جو بکریاں باہر چرتی ہیں اور تجارت کے لیے نہیں ہیں، ان کی زکوٰۃ کا کیا حساب ہے؟ کتنی بکریوں پر ایک بکری واجب ہے؟ بکری اور بھیڑ کا حکم ایک ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

جواب:- چالیس بکریوں پر ایک بکری یا ایک بکرا واجب ہے۔ چالیس سے ایک سو بیس تک یہی واجب ہے، پھر ایک سو اکیس سے دو سو تک دو بکریاں۔ پھر دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک تین بکریاں، پھر چار سو پر چار بکریاں۔ اس کے بعد ہر سیکڑے پر ایک بکری واجب ہے۔ بھیڑوں کا بھی یہی حکم ہے۔ (مینڈھے بھی اسی میں شامل ہیں)۔ بھیڑ و بکری مخلوط (ملی ہوئی) ہوں تو بھی یہی نصاب ہے، البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ فرق ہے کہ بھیڑ اور بکری میں سے جو زیادہ ہوں زکوٰۃ میں وہی جانور دیئے جائیں، اور اگر دونوں

برابر ہوں تو اختیار ہے کہ اعلیٰ قسم سے ادنیٰ قیمت کا جانور دے یا ادنیٰ قسم سے اعلیٰ قیمت کا دے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۷۲ جلد۴ بحوالہ ردالمحتار ص۲ وفقہ الزکوٰۃ ص۲۷۷ جلد اول وعلم الفقہ ص۲۶ جلد۴ وعالمگیری ص۱۴ جلد۴)۔

سال کے درمیان جانور کے مرنے پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ ایک شخص کے پاس دو سو درہم کی مالیت (ساڑھے باون تولہ چاندی) کا بکریوں کا ریوڑ تھا، اتفاق سے وہ سال بھر گذرنے سے پہلے مرگئیں۔ اس شخص نے ان کی کھالیں اتار کر انھیں رنگ لیا اور اب ان کھالوں کی قیمت نصابِ شرعی کے برابر ہوگئی، پھر بکریوں کا سالِ نصاب بھی پورا ہوگیا تو اب ان رنگی ہوئی کھالوں پر زکوٰۃ واجب ہوگئی۔

مسئلہ:۔ کسی شخص کے پاس کاروباری مقصد کے لیے انگور کے شیرے کا ذخیرہ سال بھر گذرنے سے پہلے وہ شراب میں تبدیل ہوگیا اور اس کے بعد اس کا سرکہ بن گیا جس کی قیمت نصاب کے برابر ہوگئی۔ اس کے ساتھ ساتھ شیرہ کا جو سالِ نصاب چالو تھا وہ بھی پورا ہوگیا تو اب اس سرکہ پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ فقہاء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ پہلے مسئلہ میں بکریوں کی اُون اپنی قیمت رکھتی تھی وہ بدستور (ان کے مرنے کے بعد بھی) سال بھر تک باقی رہی اور دوسرے مسئلہ میں کل مال (جو شیرۂ انگور کی شکل میں تھا) ختم ہوگیا، اور ایک دوسری چیز بن گئی اس لیے سال کا حکم بھی اس پر باقی نہ رہا۔ (فتاویٰ قاضی وفتاویٰ عالمگیری ص۱۴۲ ج۴)

مسئلہ:۔ جانوروں کے بچوں پر اگر وہ تنہا ہوں تو زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ ہاں اگر ان کے ساتھ بڑا جانور بھی ہو گو ایک ہی ہو تو ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی اور زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائے گا اور سال پورا ہونے کے بعد اگر وہ بڑا جانور مرجائے تو زکوٰۃ ساقط یعنی ختم ہوجائے گی۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۱۵۱ ودرمختار)۔

بکری کے بچوں پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ اگر صرف بچے ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں اور اگر ان کے ساتھ کوئی ایک سال کی یا اس سے بڑی بکری بھی ہے تو اس کے ساتھ مل کر نصاب میں بچوں کا اعتبار ہوگا، اور مجموعہ چالیس پر

ایک بڑی بکری فرض ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۶۹ جلد ۴ وفقہ الزکوٰۃ ص۲۸۱ جلد اول)۔

جو مواشی جنگل میں چریں اور گھر میں بھی

سوال :۔ گائے (بھینس وغیرہ) جنگل میں بھی چرتی ہیں اور گھر میں بھی چارہ دیا جاتا ہے تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، جبکہ کامل نصاب ہے؟

جواب :۔ غالب خوراک کا اعتبار ہے، اگر جنگل میں چرنے کی خوراک غالب ہے تو زکوٰۃ فرض ہے (یعنی بغیر پیسوں کے چرنا)، اور گھر کا چارہ غالب ہے یا دونوں برابر ہیں تو زکوٰۃ فرض نہیں، البتہ تجارت کے لیے ہوں تو مالِ تجارت کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

مسئلہ :۔ جن مواشی کا غالب چارہ گھر میں ہو یا باہر چرنا کم ہو، ان پر زکوٰۃ فرض نہیں البتہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوں تو اُن کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۷۶ جلد ۴ بحوالہ ردالمحتار ص۲ جلد ۲)۔

تجارتی مواشی کی زکوٰۃ کا حکم

سُوال :۔ ہم بکریوں کی تجارت کرتے ہیں، چالیس پچاس بکریاں موجود رہتی ہیں، مگر خرید و فروخت کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں، کوئی بکری پورے سال نہیں رہتی، یہ بکریاں جنگل میں چرتی ہیں؟

جواب :۔ ان بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری واجب نہیں، بلکہ دوسرے اَموالِ تجارت کی طرح ان بکریوں کی قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۷۷ ج ۴ بحوالہ ردالمحتار ص۱۷ جلد ۲)۔

دودھ فروخت کرنے کی نیت سے پالی ہوئی بھینسوں کا حکم

جو بھینسیں جنگل میں نہیں چرتیں بلکہ اُن کو خود گھر میں کھلایا جاتا ہے، اس لیے اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں، البتہ اگر بھینسوں کی تجارت بھی مقصود ہو، یعنی بھینس خریدتے وقت اس کا دودھ بیچنے کے ساتھ خود بھینس بیچنے کی نیت ہو تو ایسی بھینسوں کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۷۷ ج ۴)۔

زرعی سرمائے پر زکوٰۃ

انسان پر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان اور اس کی ایک بڑی نعمت خود اس زمین کی تخلیق ہے جس سے اللہ تعالیٰ

کے حکم سے ہر طرح کی نباتات اور ہر قسم کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں اور بنی نوع انسان کے لیے نوع بر نوع پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مغربی ماہرینِ اقتصادیات نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ زرعی زمین پر ایک جُداگانہ ٹیکس ہونا چاہیے کہ زمین ہی انسانی معیشت کا حقیقی سرچشمہ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نظرِ بصیرت رکھنے والے کے لیے یہ محض فضلِ الٰہی ہے کہ اس نے زمین کو انسان کے تابع بنا دیا اور اس میں اس کی روزی پنہاں کر دی اور اس میں برکت دے کر تمام انسانوں کی متعین روزی کا ذخیرہ جمع کر دیا۔

اور اگر ذرا ہم اس پر غور کریں کہ ایک دانہ کو پھل دار درخت بننے میں کن کن مراحلِ نشوونما سے گزرنا ہوتا ہے اور کیا قوانین قدرت اس کی افزائش میں کارفرما ہوتے ہیں؟ تو ہم اس کی مہربانی پر سجدۂ شکر بجا لائیں۔

کیونکہ ہر مٹی روئیدگی (پیداوار) کے قابل نہیں ہوتی، بلکہ مٹی میں ایسے ناگزیر عناصر درکار ہوتے ہیں جو نباتات کے پروان چڑھانے میں مددگار بنتے ہیں۔ تو یہ ایسے عناصر پر مشتمل مٹی کس نے پیدا کی ہے؟

ہر نبات کے اُگنے اور نشوونما پانے کے لیے پانی بھی لازم ہے اور اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی برسانے اور پہاڑوں سے چشمے بہا دینے کا بندوبست فرما دیا اور اس کو ایسی مناسب مقدار میں زمین میں جاری کیا کہ مخلوقاتِ انسانی اور وحشی کو نقصان نہ پہونچے اور جان دار غرق نہ ہو جائیں۔ پودوں کو مخصوص گیسوں کی بھی ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ گیس ہوا کے اندر تخلیق فرما دیں اور نباتات کو حکم فرما دیا کہ وہ انسان اور حیوان کے منہ سے نکلنے والی کاربن گیس اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور اس طرح حیوانات اور نباتات میں یہ بے نظیر اور عجیب تبادلۂ گیس وقوع پذیر ہوتا رہے۔

نباتاتی افزائش کے لیے روشنی اور گرمی ایک مناسب اور موزوں مقدار میں درکار ہے کہ گرمی اگر زیادہ بڑھ جائے گی تو پودے جل جائیں گے اور اگر کم ہو جائے گی تو پودے کملا جائیں گے اور حرارت نہ ہوگی تو کائنات میں کسی بھی ذی حیات کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سورج کو پیدا کیا اور اس کو زمین سے اتنے موزوں فاصلہ

پر رکھا کہ زمین تک پہونچنے والی اس کی حرارت (گرمائی) زندگی کے لیے موزوں ہو جائے کہ سورج اگر زمین سے قریب آجائے تو ہر زندہ وجود جل کر خاکستر ہو جائے اور اگر سورج زمین سے کہیں دور نکل جائے تو ہر وجود یخ بستہ ہو کر رہ جائے۔

بیج میں نمو اور افزائش اور بڑھنے و پھیلنے اور پھولنے کی صلاحیتیں کس نے ودیعت کی ہیں؟ کس نے کھجور کی گٹھلی سے آسمان کی جانب اٹھا ہوا، تروتازہ پھول اور پھل والا ذی قامت درخت کھڑا کیا ہے؟ کس نے دانۂ گندم کی سات بالیں پیدا کیں اور ہر بالی میں سَو دانے اُگائے؟

ظاہر ہے کہ اللہ ہی نے یہ سارا انتظام کیا ہے، یہ ساری ترتیب قائم کی اور تخلیق کا اعجاز ظاہر کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ۔ (الواقعہ آیۃ ۶۳ پ ۲۷)۔

(ترجمہ) کبھی تم نے سوچا یہ بیج جو تم بوتے ہو ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو، یا ان کے اُگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو اُلٹی چٹّی پڑ گئی بلکہ ہمارے نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں۔

بلاشبہ زمین کی ہر پیداوار اللہ سبحانہ کا احسان اور اس کا فضل ہے اور حقیقی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور ہم تو ایک تنکا بھی زمین سے نہیں اُگا سکتے، اس عظیم نعمت پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس قدر خوشگوار لذتوں کی حامل غذائیں اس زمین سے ہمارے لیے پیدا فرمائیں۔ اس اظہار شکر کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ (عشر و نصف عشر و خراج) ادا کریں تاکہ محتاجوں کی ضرورتوں کی تکمیل ہو جائے اور اللہ کے دین کی حمایت و نصرت کی جا سکے۔ (فقہ الزکوٰۃ از ص ۴۵۱ تا ص ۴۵۵ جلد اول)

عشر کے واجب ہونے کی دلیل

کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ (عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ) کی دلیل کتاب و سنت سے بھی ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ۔ یعنی فصل کاٹنے کے وقت

حق اللہ نکال دیا کرو۔ پارہ ۸ سورہ الانعام)۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو کھیتی بارش سے سیراب ہو، اس پر عشر (۱/۱۰) واجب ہے اور جس کو ڈول یا جرس یا رہٹ سے سیراب کیا ہو اس میں نصف عشر (۱/۲۰ بیسواں حصہ) واجب ہے۔

اس حدیث شریف میں اس کی تفصیل ہے جس کا ذکر مذکورہ آیت شریفہ میں اجمالی طور پر کیا گیا ہے۔ (کتاب الفقہ ص۱۰۳ ج۱)۔

عشر کا مفہوم کیا ہے؟

لفظِ عشر کے اصلی معنیٰ دسواں حصہ ہے مگر حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واجباتِ شرعیہ کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمین کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک میں عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے اور دوسری میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ عشری زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ عبادت ہے (امداد مسائلِ زکوٰۃ ص۱۸۱ وعشر وخراج کے احکام ص۲۴۷)۔

نصابِ عشر کیا ہے؟

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحہ کے نزدیک عشر کا نصاب نہیں بلکہ ہر قلیل وکثیر میں عشر واجب ہے (فقہ الزکوٰۃ ص۲۰۲ ج۱)

پیداوار جتنی بھی ہو، کم ہو یا زیادہ، ہر حال میں عشر نکالنا واجب ہے، اس کے لیے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں ہے جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے، وجہ اس کی قرآن وحدیث کے الفاظ کا عموم ہے۔ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ الخ پارہ ۳ سورۂ بقرہ۔ (جواہر الفقہ ص۲۷۴ ج. عشر وخراج کے احکام وفتاویٰ دار العلوم ص۶۷ ج۶ وفتاویٰ محمودیہ ص۱۰۱ ج۳)۔

کیا مقروض پر عشر واجب ہے

مسئلہ:۔ عشر باوجود قرض کے بھی لازم ہوتا ہے پس جس جگہ عشر لازم ہے وہاں عشر کے واجب ہونے کے لیے دَین یعنی قرض مانع نہیں، ہے اور جہاں عشر واجب نہیں ہے

وہاں بھی دیدینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۲۶ ج۶)۔

عشر واجب ہونے کی شرطیں

(۱) مسلمان ہونا، کیونکہ عشر خالصۃً عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ (بدائع)۔

(۲) زمین کا عشری ہونا، خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا۔

(۳) زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا۔ اگر کسی بے اختیاری سبب یا اپنی غفلت وکوتاہی کے سبب پیداوار حاصل نہ ہو تو بہرحال عشر ساقط ہوجائے گا۔

(۴) ایسی پیداوار جو بو کر حاصل ہو، خود رو گھاس یا درخت پر عشر واجب نہیں۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص۸۵)۔

مسئلہ: عام احکام شرعیہ میں عاقل وبالغ ہونا بھی شرط ہے مگر زمین پر عشر کے وجوب میں یہ دونوں شرطیں نہیں کیونکہ عشر کے واجب ہونے کے لیے زمین کے مالک کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری نہیں، زمین کا مالک اگر بچہ یا مجنون ہے مگر زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا اور اس کے اولیاء (سرپرستوں) کے ذمہ اس کا ادا کرنا فرض ہے۔ بخلاف زکوٰۃ کے، کہ وہ بچہ اور مجنون کے مال میں واجب نہیں ہوتی۔ (بدائع)۔

مسئلہ: عشر کے واجب ہونے کے لیے زمین کا خود مالک ہونا شرط نہیں چنانچہ وقف کی زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے عاریۃً یا اجارۃً یا کرایہ پر زمین لی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو اس کی پیداوار کا عشر اس شخص کے ذمہ ہے۔ زمین کے مالک کے ذمہ نہیں۔

مسئلہ: عشر کے واجب ہونے کے لیے سال گذرنا بھی شرط نہیں۔ سال میں جتنی دفعہ پیداوار ہوگی یا اور بڑھے گی، اتنی دفعہ ہی عشر واجب ہوگا۔

مسئلہ: قرض کا نہ ہونا بھی عشر کا ادا کرنا لازم ہے اور قرض کی رقم کو منہا بھی نہیں کیا جائے گا (یعنی وضع نہ ہوگا۔ (عشر وخراج کے احکام ص۲۴۲، جواہر الفقہ ص۲۷۱ جلد دوم و احسن الفتاویٰ ص۳۴۵ جلد چہارم)۔

مسئلہ:۔ ایک شرط مزید یہ ہے کہ زمین سے جو پیداوار حاصل ہو جس پر پیداواری یا نمائی کی غرض سے زراعت کی جائے، لہٰذا لکڑی، گھانس، بانس، نرسل اور برگِ خرما پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی اشیاء سے زمین میں نمو نہیں ہوتی، بلکہ کم ہو جاتی ہے البتہ اگر ان کو جدا کر کے ان سے نفع کمایا جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ اس کی قیمت نصاب کو پورا کرتی ہو۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زمین پر فی الواقع زراعت ہوئی ہو بخلاف خراج کے کہ اس پر خراج اسی وقت واجب ہو جاتا ہے جب کہ زمین قابلِ زراعت ہو جائے (گو سرِ دست اس پر کھیتی نہ ہو) اسی طرح ضروری ہے کہ زمین کا مالک زراعت کرنے کے قابل ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص زمین پر زراعت کرنے کی قدرت تو رکھتا ہو، لیکن زراعت نہیں کرتا، تو اس پر زکوٰۃ (عشر) واجب نہیں ہے لیکن خراج بہر حال واجب الادا ہے، کیونکہ اس زمین میں نما (افزونی) کی صلاحیت ہے۔ غرض وجوب زکوٰۃ کی شرط یہ ہے کہ زمین میں پیداواری، نشوونما ہو رہی ہو۔ بخلاف خراج کے اس کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ زمین میں نمو کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہو۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۱۰۰ ج ۱)۔

عشر و خراج کے احکام

عشر و خراج شریعتِ اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لیے اس کو "زکوٰۃ الارض" (زمین کی زکوٰۃ) کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لیے عشر مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور عملی فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار ہے، اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالکِ زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابلِ کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا، کاشت نہیں کی۔ اس صورت میں بھی عشر لازم نہیں ہوگا کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے بخلاف خراج کے کہ وہ قابلِ کاشت زمین پر عائد ہے، اگر مالک نے غفلت برتی اور قابلِ کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت

نہیں کی تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔ (شامی ص۲۴۳ ج ۲)۔

البتہ زمین کا قابلِ کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہونچ سکتا اور بارش اتنی نہیں ہوتی جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہو سکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں ہے۔ (بدائع۔ جواہر الفقہ ص۲۴۷ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ ہر پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے خواہ غلّہ ہو خواہ پھل، پس کھیت اور باغ دونوں میں عشر واجب ہے (امداد الفتاویٰ ص۲۵ ج۲)

عشر اور زکوٰۃ میں فرق

عملی طور پر عشر اور زکوٰۃ میں یہ فرق بھی ہے کہ اموالِ تجارت اور سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھے رہیں ان میں کسی درجہ سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ نقصان بھی ہو جائے مگر نقصان ہو کر مقدارِ نصاب سے کم نہ ہوں تو بھی زکوٰۃ ان اموال کی ادا کرنا فرض ہے۔ بخلاف عشر کے زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا اور اگر پیداوار نہ ہوئی تو کچھ بھی واجب نہیں۔ (جواہر الفقہ ص۲۴۷ ج۲)۔

مسئلہ:۔ حکومت جو خراج لیتی ہے وہ زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۳۸ ج۱۱)

خاتمۂ زمینداری کے بعد مسئلہ عشر

حامداً و مصلیاً۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد جب ہر زمین ملکِ حکومت قرار پا گئی پھر حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو بھی زمین دی ہے تو اس پر عشر واجب ہے نہ نصف عشر، تاہم اگر کوئی شخص عشر یا نصف عشر ادا کر دے تو موجبِ خیر و برکت ہے جس قدر بھی زیادہ غرباء کو دے گا اجر و ثواب پائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۸۹ ج ۳)

کیا ہندوستان کی زمین پر عشر واجب ہے؟

مسئلہ:۔ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کی مملوکہ ہیں وہ عشری ہیں کیونکہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے، پس بحالتِ اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔

مسئلہ:۔ ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے، البتہ جو زمینیں مملوکہ

مسلمانوں کی ہیں اس میں عشر واجب ہے، مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہیئے۔ (جواہر الفقہ ص۲۶۱)

مسئلہ:۔ اور جب کہ عشر بمنزلہ زکوٰۃ ہے تو جیسا کہ زکوٰۃ اموال ہر جگہ واجب ہے اسلامی شہر ہوں یا غیر اسلامی۔ اسی طرح عشر بھی ہر جگہ لازم ہوگا، اور اگر عشری زمین سے خراج لے لیا جائے تب بھی عنداللہ عشر ساقط نہیں ہوتا، اس لیے صاحب زمین کو عشر نکال کر فقراء کو دینا چاہیئے۔ الحاصل احوط یہی ہے کہ مسلمان اپنی اراضی کی پیداوار زمین سے عشر ادا کریں (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۸۹ ج۶)۔

مسئلہ:۔ احتیاط اس میں ہے کہ بغرض حصول خیر و برکت جہاں تک ہو سکے عشر و نصف عشر نکالتے رہنا چاہیئے۔ (نظام الفتاویٰ ص۳۵۷ ج۱)

جو اشیاء محفوظ کرلی جائیں ان کا حکم

مسئلہ:۔ فصلوں کی پیداوار اور پھلوں پر سال گذر جانے سے دوبارہ زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی، یعنی جب ایک مرتبہ فصلوں کی پیداوار پھلوں پر عشر عائد ہو چکا تو دوبارہ ان اشیاء پر کچھ نہیں ہوگا خواہ یہ مالک کے پاس کئی سالوں تک محفوظ رہیں، اس لیے کہ زکوٰۃ کا تکرار (ہر سال عائد ہونا) صرف افزائش پذیر مال میں ہوتا ہے اور زمینی پیداوار اور پھلوں میں سے جو اشیاء محفوظ کرلی جائیں تو چونکہ اب ان کی افزائش ختم ہو چکی ہے اور انہیں اب ختم ہو جانا ہے اس لیے اب ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے (فقہ الزکوٰۃ ص۱۹۲ ج۱)۔

مسئلہ:۔ عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ جس جگہ واجب ہے کل پیداوار پر واجب ہے اور جس وقت غلہ پیدا ہوا اسی وقت واجب ہوتا ہے، سال گذرنے کی قید اس میں نہیں ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۶۵ ج۶)۔

عشر کس پر ہے؟

(۱) **سوال**:۔ عشر کی تعریف کیا ہے؟ (۲) کیا زکوٰۃ کی طرح اس کا بھی نصاب ہوتا ہے؟ (۳) کیا عشر سب زمینداروں پر ہوتا ہے؟ (۴) یہ کن لوگوں کو ادا کیا جاتا ہے؟۔ (۵) ایک آدمی اگر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا عشر بھی دینا ہوگا؟۔ (۶) کیا یہ سال میں ایک مرتبہ دیا جاتا ہے یا ہر نئی فصل پر؟ (۷) کیا مویشیوں کے چارہ کے لیے کاشت کی گئی فصل پر بھی عشر ہوگا؟۔

جواب :- (۱) عشر زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اگر زمین بارانی ہو کہ بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے تو پیداوار اٹھنے کے وقت اس پر دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دینا واجب ہے۔ اور اگر زمین کو خود سیراب کیا جاتا ہے تو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہے۔

(۲) ہمارے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اس کا کوئی نصاب نہیں بلکہ پیداوار کم ہو یا زیادہ، اس پر عشر واجب ہے۔

(۳) جی ہاں! جو شخص بھی زمین کی فصل اٹھائے اس کے ذمہ عشر واجب ہے۔

(۴) عشر کے مستحق وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

(۵) عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اس لیے دوسرے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔

(۶) سال میں جتنی بھی فصلیں آئیں، ہر نئی فصل پر عشر واجب ہے۔

(۷) جی ہاں! مویشیوں کے چارے کے لیے کاشت کی گئی فصل پر بھی حضرت امام صاحب رح کے نزدیک عشر واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص۱۰۴ ج ۳ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۰۱ ج۳ وہدایہ ص۱۸۱ جلد اول)۔

امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک پھلوں، سبزیوں، ترکاریوں اور مویشیوں کے چارے میں بھی جس کو کاشت کیا جاتا ہو، عشر واجب ہے۔ زرعی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، صرف عشر واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص۱۰۹ ج ۳ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۰۱ ج۳)

چارہ والی زمین کا حکم

مسئلہ :- عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اس کھیتی میں بھی ہے جو جانوروں کے چارہ (کھانے) کے لیے ہے اور غلہ یا چارہ اس میں پیدا ہوا ہو واجب ہے۔

مسئلہ :- کھیت کو بغیر دانہ اور بلا پختگی کے کاٹ کر جانوروں کو کھلایا جائے تو عشر نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۸۶ ج ۶)۔

(یعنی اگر غلہ کے لیے کھیت بویا لیکن ارادہ بدل گیا اور کھیت کو پکنے سے پہلے پہلے

ہی کاٹ کر جانوروں کا چارہ بنا دیا تو عشر واجب نہیں ہے، جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے (رفعت)

کھیتی پکنے سے پہلے فروخت کرنے پر عشر کا حکم

مسئلہ:۔ اگر کھڑے کھیت کو تیار ہونے سے پہلے فروخت کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ (عشر) خریدار پر واجب ہوگی۔ اور اگر دانہ پک جانے کے بعد بیچا تو اس کی زکوٰۃ بیچنے والے کے ذمہ ہے۔

مسئلہ:۔ پھل دار درخت کی زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس میں پھل لگ جائیں، اور ان کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ رہے، بایں طور کہ وہ ایسے ہو جائیں کہ ان کو کام میں لایا جا سکے۔ پھر ان پر جو واجب ہوگا وہ کاٹنے کے وقت نکالا جائے، البتہ غلّہ کی زکوٰۃ (عشر) کا وقت وہ ہے جب کہ اس کو توڑا اور صاف کیا جائے، اگر مالک کے اپنے کسی عمل کے بغیر حاصل شدہ پیداوار (از خود) تلف ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ بھی ساقط (ختم) ہو جائے گی اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ جبکہ اس کا توڑنا ناگزیر ہو۔ (کتاب الفقہ ص۱۰۱)

ناکافی پیداوار کا حکم

سوال:۔ بسا اوقات پیداوار میں اس قدر غلّہ بھی نہیں ہوتا جس کی قیمت خرچ شدہ رقم کے برابر ہو، ایسی صورت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

جواب:۔ جو کچھ پیدا ہو اس کا دسواں حصّہ نکالنا چاہیے، خواہ کم ہو یا زیادہ مثلاً اگر سو من غلّہ پیدا ہو تو دس من دیا جائے اور اگر دس من پیدا ہوا تو ایک من دیا جائے، اور اخراجات کو محسوب نہ کیا جائے گا (فتاویٰ دار العلوم ص۶۲ ج۶)۔

بٹائی کی زمین کا عشر کس طرح پر ہے؟

سوال:۔ میں ایک زمیندار کی زمین میں کاشت کرتا ہوں، دس ہزار کی کپاس ہوئی پانچ کی میرے حصہ میں آئی۔ اب کیا میں پورے دس ہزار کا عشر نکالوں یا اپنے حصہ میں سے؟

جواب:۔ آپ اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر نکالیے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ زمین کی پیداوار جس کے گھر آئے گی، زمین کا عشر بھی اسی کے ذمہ ہوگا۔ پس مزارع کے (بٹائی کے) حصہ میں جتنی پیداوار آئے اس کا عشر اس کے ذمہ ہے اور مالک کے حصہ میں جتنی جائے اس کا عشر

اس پر لازم ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۱۲ ج۳ وفتاویٰ دار العلوم ص۱۵۹ ج۶ بحوالہ در مختار باب العشر ص۷۵ جلد ۲)۔

کیا پیداوار کا خرچہ نکال کر عشر ہے؟

سوال:۔ آج کل کیڑے مار اسپرے اور کیمیائی کھاد ٹریکٹر کے ذریعے ہل چلائے جاتے ہیں، کیا خرچ فصل کی آمدنی سے کم کر کے عشر دینا ہوگا یا کل پیداوار پر؟

جواب:۔ شریعت نے اخراجات پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ کر دیا ہے۔ اس لیے اخراجات وضع کر کے عشر نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ تمام پیداوار کا عشر دیا جائے گا۔ (آپ کے مسائل ص۳۱۲ ج۳

مسئلہ:۔ اخراجات کو وضع نہیں کیا جائے گا، بلکہ پوری پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا ہوگا۔ نیز بیج کو بھی اخراجات میں شمار کیا جائے گا۔ (آپ کے مسائل ص۳۱۱ ج۳)۔

کٹائی کا خرچ اور عشر

سوال:۔ ڈھائی ایکڑ زمین میں سو من گیہوں پیدا ہوا، اس گندم کی کٹائی کا خرچ تقریباً پانچ من ہوگا اور تھریشر (گہائی) کا خرچ تقریباً پندرہ من ہوگا۔ بچت آمدنی اسی من ہو گئی۔ کیا عشر سو من پر دینا ہوگا یا اسی من پر؟

جواب:۔ عشر سو من پر ہوگا۔ (آپ کے مسائل ص۳۱۲ ج۳)۔

مسئلہ:۔ عشر میں مزدور کی مزدوری اور دیگر اخراجات کا حساب نہیں ہوتا، یعنی مزدوروں کی مزدوری وغیرہ کی وجہ سے عشر میں کمی نہ ہوگی۔ لہٰذا پیداوار کا دسواں حصہ دینا چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۸۵ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۶۹ ج۲ باب العشر)۔

مسئلہ:۔ عشر تمام پیداوار سے نکالا جائے گا، بونے، کاٹنے اور حفاظت کرنے، اسی طرح بیلوں، مزدوروں اور کمیینوں وغیرہ کے اخراجات عشر نکالنے کے بعد ادا کیے جائیں۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۸۹ وکتاب الفقہ ص۱۰۲۴ جلد اول)۔

مسئلہ:۔ عشر میں محصول سرکاری وغیرہ کچھ وضع نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۸۰ ج۶)۔

کیا کھیت کی قیمت پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ کھیت کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے

دیا ہے جتنی قیمت کا ہو؛ زمین اگر عشری ہے تو اس کی آمدنی پر یعنی جس قدر غلّہ اس زمین میں پیدا ہو اس پر عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر زمین عشری نہ ہو تو کچھ واجب نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۵۷ جلد ۶ بحوالہ عالمگیری مصری ص۱۸۵ ج۱)۔

مسئلہ :- حولان حول یعنی مال پر پورا سال گذر جانے کی شرط کھیتی اور پھلوں کے علاوہ دوسری اشیاء کے لیے ہے، کھیتی اور پھلوں کے لیے سال گذر جانے کی شرط نہیں ہے (بلکہ ہر فصل پر سال میں جتنی بھی ہوں عشر ہو گا)۔ (کتاب الفقہ ص۹۶۴ ج۱)۔

کیا سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے عشر ادا ہو جائے گا؟

مسئلہ: عشر زمین کا زکوٰۃ کی طرح ایک مالی عبادت اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔ اگر کوئی بھی حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اگر زمینداروں یا کاشتکاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہو گا بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہو گا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے مصرف میں خرچ کریں اور یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموالِ تجارت اور نقد کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (جواہر الفقہ ص۲۷۶ ج۲ و امداد الفتاویٰ ص۱۹ ج۲ و فتاویٰ دارالعلوم ص۱۸۲ ج۶)۔

جس غلّہ کا عشر نہ نکالا وہ حلال ہے یا حرام؟

مسئلہ :- جس نے غلّہ میں دسواں حصہ زکوٰۃ (عشر) نہیں نکالی وہ غلّہ حلال ہے۔ لیکن وہ شخص زمین کی زکوٰۃ (عشر) نہ دینے سے گناہ گار اور فاسق ہو جائے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۸۰ ج۶ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۵ ج۳)۔

جن چیزوں میں عشر واجب ہے؟

مسئلہ :- اناج، ساگ ترکاری، میوہ پھل، پھول وغیرہ جو کچھ پیدا ہو سب کا یہی حکم ہے یعنی عشر ہے (فتاویٰ عالمگیری ص۱۸۳)

مسئلہ :- عشری زمین یا پہاڑ یا جنگل میں سے اگر شہد نکلا تو اس میں بھی یہ صدقہ واجب ہے۔ (درمختار ص۱۳۹)۔

مسئلہ :۔ تمام اقسام کی ترکاریوں وغیرہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک عشر لازم ہے جیسے خربوزہ، تربوز، خیارین، لہسن، پیاز، دھنیہ، توری، کدو، کریلا، سنگترہ وغیرہ (در مختار)

غرض جو چیزیں زمین سے پیداوار میں حاصل ہوتی ہیں جیسے گیہوں، جَو، چنا، چاول، مکی، جوار، باجرہ، کپاس اور ہر قسم کے دانے اور ترکاریاں، سبزیاں، پھول، ترکھجوریں، گنے، ککڑی، کھیرے، بینگن اور اسی قسم کی دوسری چیزیں خواہ ان کے پھل باقی رہیں یا نہ رہیں،

مسئلہ :۔ السی کے پیڑوں اور بیجوں میں عشر واجب ہے۔ اسی طرح اخروٹ، بادام زیرہ اور دھنیا میں بھی عشر واجب ہے۔ اسی طرح میتھی، مٹر، جوار، کنوارہ وغیرہ ان میں بھی عشر لازم ہے۔ (امداد ص۸۵ مسائل الزکوٰۃ بحوالہ اسلام کا مالیاتی نظام وفتاوی دارالعلوم ص۱۷۱ ج۶ و قدوری ص۴۲)

مسئلہ :۔ عشری زمین میں جو کچھ پیدا ہو خواہ غلہ، خواہ نیشکر وجری وغیرہ خواہ خشخاش یا خواہ تماکو یا اوراد ویہ یا پھول جو بغرض نفع بوئے گئے ہوں یا اس میں باغ کسی قسم کے پھل کا ہو، ان سب میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اس زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص۳۳)۔

مسئلہ :۔ جب پھل قابلِ اطمینان ہوجائے اس وقت کے حساب سے عشر واجب ہے

مسئلہ :۔ تیاری سے پہلے جس قدر خرچ کرے گا اس سب کا حساب یاد رکھے اس کا بھی عشر دینا پڑے گا (امداد الفتاوی ص۶۹ ج۲)۔

مسئلہ :۔ یہ عشر ہر گونہ زمینی پیداوار پر واجب ہے، مثلاً گندم، جَو، باجرہ، جوار، نیز دوسری قسم کے دانے، سبزیاں، خوشبودار پھول گلاب، گنا، خربوزہ، کھیرا، ککڑی، بینگن، زعفران، کھجور اور انگور وغیرہ خواہ وہ پھل دیرپا ہوں یا نہ ہوں، تھوڑے ہوں یا بہت ہوں ان کے لیے نہ نصاب کی شرط ہے اور نہ سال گذر جانے کی۔ پٹ سن، اس کے بیج، اخروٹ بادام زیرہ اور دھنیا پر بھی زکوٰۃ ہے

مسئلہ :۔ ایسے دانوں پر زکوٰۃ نہیں ہے جن کو زراعت کے کام میں نہیں لایا جاتا۔ (کتاب الفقہ ج۱ ص۷۰۲)

عشر کے چند ضروری مسائل

اگر اپنی زمین کا عشر بونے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں اور اگر بونے کے بعد اُگنے سے قبل ادا کیا تب بھی جائز نہیں اور اگر پھلوں کا عشر پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں۔ اور اگر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد دیا تو جائز ہے (شامی)

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اپنی زمین کو نقد روپے کے عوض کرایہ ٹھیکہ پر دے دیا تو اس کا عشر ٹھیکہ دار کے ذمّہ ہے جو زمین کاشت کر کے پیداوار حاصل کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالکِ زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً دونوں میں نصف نصف ہو یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے زمین تجارت کی نیت سے خریدی اور زمین کی پیداوار کر رہا ہے تو اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا، زکوٰۃ تجارت واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ:۔ مساجد، مدارس اور خانقاہوں پر وقف شدہ زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر بادشاہِ وقت یا اس کا نائب عشری زمین کا عشر کسی شخص کو معاف کر دے تو نہ شرعاً اس کے لیے معاف کرنا جائز ہے اور نہ مالک زمین کے لیے یہ عشر اپنے خرچ میں لانا حلال ہے بلکہ اس کے ذمّہ لازم ہے کہ خود مقدارِ عشر نکالے اور فقراء و مساکین پر صدقہ کر دے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی زمین کی آب پاشی کچھ بارش اور کچھ کنویں وغیرہ سے ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار کیا جائے مثلاً زیادہ بارانی ہو تو دسواں حصہ اور اگر کنویں وغیرہ سے ہو تو بیسواں حصہ اور اگر دونوں طریقوں سے برابر ہو تو آدھی پیداوار کا $\frac{1}{10}$ حصہ اور آدھی پیداوار کا $\frac{1}{20}$ حصہ۔

مسئلہ:۔ گذشتہ زمانہ کا عشر اگر کسی کے ذمّہ ہے اس نے ادا نہیں کیا، تو وہ ساقط

نہیں ہوتا بلکہ گذشتہ زمانہ کا عشر ادا کرنا واجب ہے۔ مرنے لگے تو وصیت واجب ہے۔

مسئلہ:۔عشر ادا کرنے سے پہلے جس قدر غلہ استعمال کرے گا یا کسی کو دے گا اجرت پر یا بغیر اجرت اس کے عشر کا ضامن ہوگا۔ (درمختار)۔

مسئلہ:۔عشر زکوٰۃ کا جو حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے، اگر بجائے اس جنس کے اس کی قیمت دے دی جائے تو بھی جائز ہے۔ (شامی، یعنی عشر و خراج میں پیداوار کی بجائے قیمت دینا جائز ہے۔

مسئلہ:۔افیون کے عشر میں اس کی قیمت بھی دے دینا جائز ہے۔

مسئلہ:۔زمین عشری کی مالگذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا جیسے انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (امداد مسائل زکوٰۃ صـ۸۹ و فتاویٰ دارالعلوم صـ۱۸۹ ج۶ و بدائع صنائع صـ۵۶ ج۲)۔

مسئلہ:۔افیون مال متقدم ہے اور اس میں عشر واجب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۱۷۸ جلد۶)۔

مسئلہ:۔اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں تمباکو بویا تو اس کی پیداوار میں اگر زمین عشری ہے تو عشر (دسواں حصہ) اس میں لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۱۷۹ ج۶)۔

مسئلہ:۔اگر رہائشی پلاٹ کو مستقل باغ سے تبدیل کر دیا تو اس میں عشر یا خراج واجب ہوگا، اگر کوئی عشری زمین اس سے زیادہ قریب ہوگی تو اس پر عشر ہوگا۔ اور اگر خراجی زمین زیادہ قریب ہے تو اس پر خراج ہوگا اور اگر عشری و خراجی دونوں قسم کی اراضی قرب میں برابر ہوں تو اس باغ پر عشر واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔اور اگر مکان رہائشی ہی ہے مگر اس کے صحن میں باغ لگا لیا تو اس پر عشر یا خراج واجب نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ صـ۳۵۷ ج۴)۔

مسئلہ:۔کپاس، اناج اور سبزی ترکاری وغیرہ ہر قسم کی پیداوار پر عشر ہے، مگر بھوسہ اور سوکھی چری وغیرہ یعنی جس سے اناج حاصل کیا گیا ہو، اس میں عشر نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی صـ۳۴۴ جلد۶)۔

مسئلہ :- باغ کے پھل میں عشر واجب ہے۔ سوختہ (جلانے کے قابل) لکڑیوں میں عشر نہیں ہے۔ (فتاوٰی دار العلوم ص۱۹۳ ج۶ بحوالہ ہدایہ ص۱۸۳ ج۱)۔

زمین فروخت کی تو عشر و خراج کس پر ہے؟

مسئلہ :- اگر فاضل زمین ایسے وقت فروخت کی کہ سال ختم ہونے میں تین ماہ یا اس سے زیادہ مدت باقی تھی، اور بائع (بیچنے والے) نے اس سال میں اس زمین سے کوئی فصل نہ اٹھائی تھی تو اس کا خراج خریدنے والے پر ہے، اور اگر بیچنے والے نے بھی کوئی فصل اٹھائی ہو تو خراج بائع اور مشتری دونوں پر تقسیم ہوگا اور اگر سال گزرنے میں تین ماہ سے کم مدت باقی تھی تو پورا خراج بائع پر ہے، اور اگر بیچنے کے وقت زمین میں فصل بھی تھی فصل تیار ہونے سے پہلے بیچنے کی صورت میں خراج خریدنے والے پر ہے، بشرطیکہ بائع نے اسی سال میں کوئی فصل نہ اٹھائی ہو ورنہ خراج دونوں پر (تقسیم) ہوگا اور اگر فصل تیار ہونے کے بعد بیچے تو اس میں وہی تفصیل ہے جو فارغ زمین کی بیع سے متعلق گذرا ہے۔ (احسن الفتاوی ص۲۵۹ ج۴)۔

مسئلہ :- عشری زمین کو مع اس کی تیاری فصل کے مالک نے فروخت کر دیا، یا صرف فصل بیچی تو عشر اس فروخت کنندہ پر واجب ہوگا، خریدنے والے پر نہ ہوگا اور اگر صرف زمین فروخت کی اور فصل ابھی پختہ نہیں ہوئی اور اسی وقت خریدنے والے نے زمین سے فصل کی پیداوار کو الگ کر دیا تو بیچنے والے پر عشر واجب ہے، لیکن خریدار نے فصل اسی وقت جدا نہیں کی بلکہ بدستور باقی رکھا اور زمین پر مع اس کی پیداوار کے قبضہ کرلیا تو اس خریدار پر عشر واجب ہے۔ (عالمگیری ص۳۷ ج۴)۔

مسئلہ :- اگر کھڑے کھیت کو تیار ہونے سے پہلے فروخت کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ خریدار پر واجب ہوگی، اور اگر دانہ پک جانے کے بعد بیچا تو اس کا عشر بیچنے والے کے ذمہ ہے (کتاب الفقہ ص۱۰۲۵ ج۱)۔

مندرجہ ذیل پیداوار میں عشر واجب نہیں ہے

مسئلہ :- زمین کی ایسی پیداوار جس کی مالیت مقصود

نہیں جیسے نرسل معمولی بے قیمت کی لکڑی اور خودرو گھاس، بھوسہ اور کھجور کے پتے، گوند، خطمی اور روئی کی خالی ڈنڈی اور بینگن کی بیل، تربوز اور خربوزہ کے بیج اور دوائیں اور دھنیہ کے پتے وغیرہ ان میں عشر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی مالیت مقصود نہیں ہے۔ ہاں اگر ان سے مالیت مقصود ہو جیسا کہ آج کل کے زمیندار اپنی زمین میں نرسل، بانس وغیرہ بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک اس زمین کی پیداوار شمار کی جاتی ہے، تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ (درمختار)

مسئلہ:- بھوسہ اگر دانہ سے اتارا جائے تو اس میں عشر نہیں کیونکہ مقصودی پیداوار دانہ ہے بھوسہ نہیں۔ (شامی)۔

مسئلہ:- جو گھانس تابع ہو کر کسی کھیت میں ہو، اس سے پیداوار مقصود نہیں تو اس میں عشر لازم نہیں ہوگا۔

مسئلہ:- گندم اور جوار وغیرہ کی سبزی جو اوپر سے کاٹی جاتی ہے جس کو خوید کہتے ہیں اصل اس کی بدستور رہتی ہے جس سے پھر وہ بحال ہو جاتی ہے، اس سبزی میں عشر نہیں ہے۔

مسئلہ:- اگر کسی کے گھر میں پھل دار درخت ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا اگرچہ وہ باغ (گھر میں باغیچہ) ہو، اس لیے کہ وہ گھر کے تابع ہے۔ (شامی)۔

مسئلہ:- ہر پیداوار جو زمین کی مقصودی آمدنی نہ ہو جیسے لکڑی، گھانس، جھاؤ، کھجور کے پٹھے، گوند، لاکھ، رال اور ادویہ جیسے ہلیلہ، کندر، اجوائن، کلونجی اور بھنگ صنوبر، انجیر وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے۔

(اگر کسی کی مذکورہ چیزوں کی کاشت سے آمدنی مقصود ہو تو قاعدے کی رُو سے ان اشیاء میں بھی عشر واجب ہوگا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:- کسی نے اپنے گھر میں ترکاری کی کاشت کی یا اور کوئی پھل دار درخت بویا اور اس میں پھل آیا تو اس میں عشر واجب نہیں۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۸۵ بحوالہ اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام ص۵۱)۔

مسئلہ:- باغ کے پھل میں عشر واجب ہے۔ سوختہ یعنی لکڑیوں میں نہیں ہے

(فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۳ ج ۶ بحوالہ ہدایہ ص۱۸۳ جلد اول)۔

کیا عشر کی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال :۔ باغ بیچنے کے ایک ماہ بعد کسی نے اپنی سالانہ زکوٰۃ نکالی تو کیا اس باغ کی رقم پر جس کا اس نے عشر دیدیا ہے زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟

جواب :۔ اس رقم پر بھی زکوٰۃ آئے گی۔ جب دوسری رقم کی زکوٰۃ دے تو اس کے ساتھ اس کی بھی دے۔ (آپ کے مسائل ص۴۰۹ جلد ۳)۔

(نوٹ) حکومت جو (بعض جگہ) فی ایکڑ کے حساب سے عشر وصول کرتی ہے یہ صحیح نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ جتنی پیداوار ہو اس کا دسواں یا بیسواں حصہ لیا جائے۔ پورے علاقہ کے لیے عشر کا فی ایکڑ ریٹ مقرر کردینا غلط ہے۔ (آپ کے مسائل ص۴۱۰ ج ۳)۔

عشر ادا کرنے کے بعد جو غلہ فروخت کیا اس کا حکم

سوال :۔ فصل سے بروقت عشر نکالا ہے، غلہ سال بھر رکھا رہا، یعنی نہ اپنی کسی ضرورت میں استعمال ہوا ہے نہ فروخت کیا، تو کیا سال گذرنے پر اس میں عشر دیا جائے گا؟

جواب :۔ ایک بار عشر ادا کردینے کے بعد جب تک اس کو فروخت نہیں کیا جاتا، اس پر نہ دوبارہ عشر ہے، نہ زکوٰۃ اور جب عشر ادا کرنے کے بعد غلہ فروخت کردیا تو اس سے حاصل شدہ رقم پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس پر سال گذر جائے گا۔ یا اگر یہ شخص پہلے سے صاحب نصاب ہے تو جب اس کے نصاب پر سال پورا ہوگا، اس وقت اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ (آپ کے مسائل ص۴۱۰ ج ۳ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۰۰ ج ۳)۔

باغ بیچنے پر عشر کون دے؟

سوال :۔ ایک شخص نے اپنا باغ قابل نفع ہونے کے بعد بیچ دیا تو کیا وہ عشر دے؟ یا خریدنے والے پر عشر آئے گا؟

جواب :۔ اس صورت میں خریدنے والے پر عشر نہیں۔ بلکہ باغ کے فروخت کرنے والے پر عشر ہے۔ (آپ کے مسائل ص۴۱۱ جلد ۳)۔

جن صورتوں میں عشر ساقط ہوجاتا ہے

مسئلہ :- اگر پیداوار مالک کے اختیار کے بغیر ہلاک ہوجائے تو عشر ساقط ہوجائے گا۔ اور اگر کچھ حصہ ہلاک ہوجائے تو ہلاک شدہ کا عشر ساقط ہوجائے گا، باقی کا دینا واجب ہوگا۔ (بحر الرائق)

مسئلہ :- اگر مالک پیداوار کو ہلاک کردے تو ہلاک شدہ پیداوار کے عشر کا ضامن ہوگا اور وہ اس کے ذمہ قرض ہوجائے گا اور اگر مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے پیداوار کو ہلاک کردیا تو مالک اس سے ضمان لے کر اس میں عشر ادا کرے گا (بحر الرائق)

مسئلہ :- جس شخص کے ذمہ عشر ہو، اُس کی موت سے وہ ساقط نہیں ہوتا، بلکہ اس کے متروکہ غلّہ میں سے وصول کیا جائے گا۔ (شامی)

مسئلہ :- اگر کسی شخص نے باوجود طاقت کے زراعت نہیں کی تو اس پر عشر واجب نہ ہوگا۔ (درمختار، وامداد مسائل الزکوٰۃ ص ۸۹ بحوالہ اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام ص ۵۱ وفتاویٰ عالمگیری ص ۲۴ جلد ۴)۔

مسئلہ :- عشر اور خراج جمع نہیں ہوتا، عشری زمین سے اگر حکام نے خراج لے لیا تو ما بینہ وبین اللہ اس شخص کو عشر دے دینا چاہیے اور یہ احتیاط ہے اور یہ امر محقق ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۷۱ جلد ۶)۔

مسئلہ :- اگر عشری زمین کی فصل کٹنے سے یا پھل توڑنے سے پہلے یا اس کے بعد ضائع ہوگئی یا چوری ہوگئی تو عشر ساقط ہوجائے گا۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۵۴ جلد ۴)۔

(جتنی فصل باقی بچے اس میں عشر دینا ہوگا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ :- ایسا مسکین جو خود عشر کا مصرف ہے، اس پر عشر نکالنا واجب نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۶۴ جلد ۴ وامداد الفتاویٰ ص ۶۹ جلد ۲)۔

عشر کی رقم کا مَصرف کیا ہے؟

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، اور جس طرح زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ کے مالکانہ طور پر قبضہ کرادیا جائے، اسی طرح عشر کی

ادائیگی کا بھی یہی طریقہ ہے۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۹)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ اور عشر کی رقم صرف فقراء و مساکین کو دی جا سکتی ہے۔ اس کو رفاہِ عامہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۴۱۲ ج ۳ و فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۹ جلد ۶ بحوالہ رد المحتار ص ۴۹ جلد اول)۔

کیا وقتِ ضرورت زکوٰۃ میں تبدیلی ہو سکتی ہے؟

سوال:۔ اسلام کے آغاز میں زکوٰۃ کی مقررہ مقدار (ڈھائی فی صد) جدید معاشرے کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے کیونکہ آج کے اقتصادی حالات میں بڑے انقلاب آ چکے ہیں، اب اس مسئلہ پر نئے سرے سے غور کی ضرورت ہے۔ اور اس شرح میں اضافہ کرنا چاہیے؟

جواب:۔ یہ رائے درج ذیل دلائل کی وجہ سے غلط ہے۔ (۱) یہ رائے (موجودہ شرح زکوٰۃ میں اضافہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ صحیح احادیث اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کے برخلاف ہے۔ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سنتِ نبویؐ اور سنتِ صحابہؓ کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اس کی مخالفت سے ڈریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورہ نور پ۱۸) "رسولؐ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ میں گرفتار نہ ہو جائیں، یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔"

(۲) یہ رائے اُمتِ اسلامیہ کے اجماع کے برخلاف ہے اور چودہ سو ۱۴۰۰ سال سے ہر طرح کے اقتصادی تغیرات اور سیاسی اختلافات کے باوجود یہ اجماع چلا آ رہا ہے، اور مختلف اَدوار میں اُمتِ مسلمہ داخلی اور خارجی مصائب سے دوچار ہو چکی ہے، اور اُمراء کے دور میں کئی مرتبہ خزانے خالی ہو چکے ہیں اور اُمت کو شدید مالی دشواریاں پیش آ چکی ہیں، مگر ان سب باتوں کے باوجود کبھی کسی فقیہہ نے یہ نہیں کہا کہ شرح زکوٰۃ میں اضافہ جائز ہے۔

(۳) اس اجماع کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ فقہائے کرام رح کے درمیان عہدِ قدیم سے یہ اختلاف موجود ہے کہ کیا علاوہ زکوٰۃ کے بھی اسلامی حکومت اور حق وصول کر سکتی ہے؟ ۔ اگر زکوٰۃ کی مقررہ شرح ثابت اور ناقابلِ تغیر نہ ہوتی تو اس اختلاف کی کوئی وجہ نہیں تھی ۔ اس اختلاف سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقررہ شرح ثابت اور غیر متغیر ہے اور اسی لیے یہ سوال پیدا ہوا کہ اس کے علاوہ کوئی اور حق (ٹیکس) عائد کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(۴) فقہا میں سب سے زیادہ قیاس کا استعمال فقہائے احناف رح کے یہاں ہے مگر وہ بھی کہتے ہیں کہ مقداروں کے بارے میں قیاس مؤثر نہیں ہے کیونکہ تقدیر (کسی چیز کی مقدار کا بیان) اور تحدید (کسی شے کی حدود مقرر کرنا) صرف شارع کا حق ہے جو آپ نے مقرر کر دی ہے ، جب مقداروں کی تعیین میں قیاس مؤثر ہی نہیں ہے تو نص اور اجماع سے ثابت شدہ مقداریں قیاس سے کیوں کر تبدیل ہو سکتی ہیں ؟

(۵) زکوٰۃ کے تمام پہلوؤں میں یہ پہلو سب سے اہم ہے کہ وہ ایک دینی فریضہ ہے اور دینی فرائض میں ثابت ہمیشگی اور یکتائی ہوا کرتی ہے ۔ زکوٰۃ بالاجماع ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن اور عظیم بنیادوں میں سے ایک اہم اساس ہے ، اگر اجتماعی حالات و اقتصادی تغیرات کے تحت اس کی مقداروں میں تغیر و تبدل کیا جاتا رہا تو اس میں ثبات ہمیشگی اور یکتائی کی صفت باقی نہیں رہ سکتی ۔ اگر ایسا ہوا تو زکوٰۃ حکمرانوں کی خواہش کی بھینٹ چڑھ جائے گی اور کوئی حکومت اسے مستزائد ٹیکس بنا دے گی ۔ حالانکہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اور ہر جگہ اور ہر مقام پر اسلامی فرائض مسلمانوں میں ایک اور یکساں رہیں اور یہی درحقیقت اُمتِ مسلمہ کی بنائے وحدت ہے ،

(۶) پھر جس شئے میں زیادتی ہو سکتی ہے اس میں کمی بھی کی جا سکتی ہے اور بالکلیہ ختم بھی کی جا سکتی ہے ، اس لیے اگر کسی قوم کے پاس معاشی فراوانی کا دَور آجائے اور یا حکومت کے پاس دولت کی آمد کے زرخیز ذرائع موجود ہوں ، مثلاً تیل کی دولت سے ملک مالا مال ہو گیا ، ایسی صورت میں وہ شخص جو آج زیادتی کا مطالبہ کر رہا ہے

وہ کل شرحِ زکوٰۃ میں کمی کرنے یا بالکلیہ ختم کر دینے کا مطالبہ نہیں کرے گا؟ اور اس طرح زکوٰۃ کی معنویت وحقیقت اور اس کے غیر متغیر عبادت ہونے کی حیثیت اور ابدی اسلامی شعار ہونے کی کیفیت پامال ہو جائے گی، اور زکوٰۃ جو ایک اسلامی عبادت ہے، حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے گی۔

(۷) اگر ایک مرتبہ اسلامی ارکان میں رد و بدل کا دروازہ کھل گیا اور احکام شرعی میں تغیر و تبدل کیا جانے لگا تو اس سے تمام احکام میں تغیر اور تبدیلی کی جانے لگے گی۔ اور جہاں تک عصری، اجتماعی ضروریات کی کفالت کا تعلق ہے اور ایک دورِ جدید کی حکومت کے ضروری مصارف کے پورا کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لیے علاوہ زکوٰۃ کے اور ٹیکس بھی عائد کیے جا سکتے ہیں۔ (فقہ الزکوٰۃ از ص۳۲۹ تا ص۳۳۱ جلد اول)۔

کیا مقدارِ نصاب ہمیشہ کے لیے ہے؟

حق تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے، یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے اس (زکوٰۃ) میں کمی وبیشی کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی مقدار بھی بتلانے کا کام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا، اور اسی لیے آپؐ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام رضؓ کو صرف زبانی بتلا دینے پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروقِ اعظمؓ اور عمرو بن حزام رضی اللہ عنہما کے سپرد فرمائے جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور ہر نصاب میں سے مقدارِ زکوٰۃ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے واسطہ سے متعین کر کے بتلا دیئے ہیں، اس میں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کسی کو کمی بیشی یا تغیر و تبدل کا کوئی حق نہیں ہے۔ (معارف القرآن ص۳۹۴ جلد ۴)

شریعت کا اصل منشا کیا ہے؟

شریعت میں اہلِ دولت کو جو خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس میں کوئی تحدید نہیں ہے بلکہ اپنی ضروریات سے جو فاضل مال ہے جس کے بغیر ان کے کام بند نہ ہوں وہ سب ضرورت مندوں پر خرچ کر دینا اصل منشاء شریعت ہے لیکن ظاہر ہے اس کی ہمت ہر ایک

نہیں کرسکتا تھا، اس لیے اس کو لازمی تو نہیں قرار دیا لیکن پسند اسی کو کیا ہے اور ترغیب بھی اسی کی دی کہ جتنا مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ سب راہِ خدا میں خرچ کردو۔
یسئلونک ماذا ینفقون ط قل العفو۔ (سورۃ بقرہ پارہ ۲ آیت ۲۱۹) ترغیب ج ۱
(اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی مقدار و تعین وغیرہ میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، اس پر اُمت کا اجماع ہے ہاں جو اضافہ کے خواہشمند ہیں وہ اس آیت پر عمل کریں جو ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہو، وہ سب راہِ خدا میں دے کر ثواب حاصل کریں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

فلاحی ادارے میں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ کوئی "خدمتی ادارہ" یا کوئی وقف ٹرسٹ، یا فاؤنڈیشن" کو زکوٰۃ دینے سے کیا زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے؟

جواب:۔ جو فلاحی ادارے زکوٰۃ جمع کرتے ہیں، وہ زکوٰۃ کی رقم کے مالک نہیں ہوتے، بلکہ زکوٰۃ دہندگان کے وکیل اور نمائندے ہوتے ہیں، جب تک ان کے پاس زکوٰۃ کا پیسہ جمع رہے گا وہ بدستور زکوٰۃ دہندگان کی ملک ہوگا۔ اگر وہ صحیح مصرف پر خرچ کریں گے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۴۰۶ ج۳)۔

مسئلہ:۔ جن اداروں اور تنظیموں کے بارے میں پورا اطمینان ہو کہ وہ زکوٰۃ کی رقم کو ٹھیک طریقہ سے صحیح مصرف میں خرچ کرتے ہیں ان کو زکوٰۃ دینی چاہیے، اور جن کے بارے میں یہ اطمینان نہ ہو، ان کو دی گئی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، زکوٰۃ دینے والوں کو چاہیے کہ اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں۔ (آپ کے مسائل ص۴۰۳ جلد۳)۔

مسئلہ:۔ یہ ادارے اس زکوٰۃ کی رقم میں مالکانہ تصرف کرنے کے مجاز نہیں بلکہ صرف فقراء اور محتاجوں اضرورت مندوں کو بانٹنے کے مجاز ہیں، اس لیے اس رقم کو کسی کو قرض پر دینے کے مجاز نہیں، البتہ اگر مالکان کی طرف سے اجازت ہو تو درست ہے۔ (آپ کے مسائل ص۴۰۶ ج۳)۔

دینی مدارس کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ مدارسِ عربیہ میں زکوٰۃ

دینا جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے کیونکہ غرباء ومساکین کی اعانت کے ساتھ ہی ساتھ علوم دینیہ کی سرپرستی بھی ہوتی ہے۔ (آپ کے مسائل صـ۲۰۴ ج ۳ وفتاویٰ محمودیہ صـ۳۴ ج ۳)

انجمنوں یا تنظیموں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں فقراء کا مالک بنانا ضروری ہے بغیر اس کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، پس اگر انجمن میں طلباء محتاج ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ اور ملازمین انجمن اور واعظین کی تنخواہ میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ اس میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے، زکوٰۃ کا مال خاص محتاجوں کی ملک میں بلا کسی عوض کے دینا چاہیئے۔ انجمن کے مختلف اخراجات میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور مدارس اسلامیہ میں جو زکوٰۃ کا روپیہ آتا ہے وہ بھی خاص طلباء ومساکین کی خوراک وپوشاک میں صرف ہوتا ہے، کسی مدرس وملازم کی تنخواہ میں دینا یا تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۲۳۴ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۸۵ ج ۲ باب الغنم)۔

مسئلہ:۔ ایسی انجمن یا ادارہ قائم کرنا جس میں زکوٰۃ کا مال مساکین وغیرہ پر صرف ہوتا ہو درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۲۳۸ ج ۶)۔

زکوٰۃ کی تقسیم غیر مسلم سے کرانا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی تقسیم کا کام غیر مسلم کے سپرد کرنا جائز نہیں، اس میں مسلمانوں کی توہین لازم آتی ہے اور ایک غیر مسلم کی سرداری مسلمانوں پر ہوگی اور زکوٰۃ کی رقم کا غلط استعمال ہوگا اور زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اس کے ذمہ دار انجمن کے منتظمین ہوں گے (یعنی جو شخص بھی یہ زکوٰۃ کی تقسیم کا کام غیر مسلم کو دے گا وہی ذمہ دار ہوگا۔ رفعت قاسمی)۔ فتاویٰ رحیمیہ صـ۱۵۸ جلد ۵)۔

مسئلہ:۔ کسی کافر یا فاسق یا مسائل زکوٰۃ سے ناواقف شخص کو اس کام پر مامور نہ کیا جائے (زکوٰۃ کی تقسیم نہ کرائی جائے)۔ (کتاب الفقہ صـ۱۰۱۶ ج ۱ وفقہ الزکوٰۃ صـ۳۹۴ ج ۲)۔

زکوٰۃ میں مال دیا جائے یا اس کی قیمت؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ دینے میں اختیار ہے خواہ وہ چیز

دی جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، یا اس کی قیمت دے دی جائے، اور قیمت اسی زمانے کی معتبر ہوگی جس زمانہ میں زکوٰۃ دینا چاہتا ہے خواہ وہ زمانۂ وجوب کے اعتبار سے اس وقت اس چیز کی قیمت زیادہ ہو یا کم ہو۔ مثلاً آخر سال میں جب زکوٰۃ فرض ہوئی تھی، ایک بکری کی قیمت تین سو روپے تھی اور ادا کرتے وقت چار سو روپے ہو جائے یا دو سو روپے ہو جائے تو اس کو چار سو روپے یا دو سو روپے دینا ہوں گے۔ (علم الفقہ صفحہ ۲۹ ج ۴)

زکوٰۃ میں کیسا مال دیا جائے؟

سوال:۔ اگر کل مال عمدہ ہے تو زکوٰۃ میں عمدہ مال دینا چاہیے، اور اگر سب مال خراب ہے تو خراب مال دیا جائے۔ اور اگر کچھ مال عمدہ ہے اور کچھ خراب ہے تو زکوٰۃ میں متوسط درجہ کا مال دینا چاہیے۔

اگر ادنیٰ درجہ کی چیز دی اور اس میں جس قدر کمی ہو اس کے بدلے میں کچھ قیمت دی جائے، یا اعلیٰ درجہ کی چیز دی جائے اور اس میں جس قدر زیادتی ہے اس کی قیمت واپس لے لی جائے تو جائز ہے۔ (علم الفقہ صفحہ ۳۰ ج ۴)۔

زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال:۔ میں چاندی کو لے کر دوکان پر جاؤں تو اس کو آدھی قیمت کے حساب سے خریدیں گے، اور اگر لینے جاؤں تو اصل بھاؤ میں دیں گے، تو اب کس حساب سے زکوٰۃ دیں گے؟

جواب:۔ حامداً و مصلیاً، اگر زکوٰۃ میں آپ چاندی (و سونا) نہیں دیتے، بلکہ اس کی قیمت دیتے ہیں، تو جس قیمت پر وہ بازار میں فروخت ہوگی، اس قیمت کا اعتبار ہوگا (فتاوےٰ محمودیہ صفحہ ۹۶ جلد ۱۳)۔

کیا حکومت زکوٰۃ کاٹ سکتی ہے؟

مسئلہ:۔ بینکوں سے حکومت کی کٹوتی، زکوٰۃ کا موجودہ طریقہ کار قابلِ اصلاح ہے۔ مالکان کی زکوٰۃ اس طرح پر ادا ہو جانا نہایت مشکوک ہے، اس لیے فریضۂ زکوٰۃ سے یقیناً سبکدوش ہونے کے لیے اپنی زکوٰۃ خود ادا کر دیا کریں (اعداد مسائل زکوٰۃ صفحہ ۹۰)

استعمال شدہ چیز زکوٰۃ میں دینا کیسا ہے؟

سُوال:- ایک شخص ایک چیز چھ ماہ استعمال کرنے کے بعد وہی چیز اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر کے آدھی قیمت پر بغیر بتائے مستحق زکوٰۃ کو دیدیتا ہے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:- اگر بازار میں وہ چیز فروخت کی جائے اور اتنی قیمت (جتنی صاحب نصاب نے لگائی) مل جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۲ ج۳)۔

نہ فروخت ہونے والی چیز زکوٰۃ میں دینا کیسا ہے؟

سُوال:- ایک دوکاندار سے ایک چیز نہیں بکتی کیا وہ چیز زکوٰۃ میں دی جاسکتی ہے؟

جواب:- ردّی، خراب چیز زکوٰۃ میں دینا اخلاص کے خلاف ہے۔ تاہم اس چیز کی جتنی مالیت بازار میں ہو اس کے دینے سے اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۲ ج۳)

ردّی (خراب) چیز زکوٰۃ میں دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:- بعض لوگ زکوٰۃ میں ایسی چیز دیتے ہیں جو ردّی اور ناکارہ ہو مثلاً تاجرِ کتب ایسی کتابیں دیں جن کی نکاسی نہ ہوتی ہو، اسی طرح تاجر پارچہ پرانے تھان نکالے، تاجرِ غلّہ پرانا نہ بکنے والا اناج نکالے، اسی طرح ہر تاجر، تو جس حساب میں اس نے یہ چیزیں لگائی ہیں اگر بازار (مارکیٹ) میں اتنے کو نہ نکل (فروخت ہو) سکے تب تو زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوئی۔ بقدر کمی قیمت اس کے ذمہ رہ گئی اور اگر اتنی قیمت کی ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی مگر بقدر کمی خلوص کے مقبولیت میں کمی رہی۔ (ا، ادمسائل زکوٰۃ ص۴۲ وکتاب الفقہ ص۹۷۳ ج۱)

زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے اس رقم کا خود استعمال کرنا؟

سُوال:- ایک شخص نے زکوٰۃ کی رقم دینے کے لیے نکالی لیکن عین وقت پر اسے کچھ رقم کی ضرورت پڑ گئی تو کیا وہ زکوٰۃ کی رقم سے بطورِ قرض لے سکتا ہے؟

جواب:- زکوٰۃ کی رقم تو اس کی ملکیت ہے جب تک کہ کسی کو ادا نہیں کر دیتا، اس لیے اس کا استعمال کرنا صحیح ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۴ جلد۳ وفتاوی محمودیہ ص۱۴۲ جلد۱۱)۔

مسئلہ:۔ جب تک وہ روپیہ جو زکوٰۃ کی نیت سے علٰحدہ رکھدیا ہے، فقراء و مساکین کو نہ دے دیا جائے، ان کو مالک نہ بنا دیا جائے، اس وقت تک وہ روپیہ صاحبِ نصاب ہی کی ملک ہے۔ (فتاوٰی دارالعلوم ص۲۱۸ ج۶ و شامی ص۱۴ ج۲)۔

سُود کی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ سود کی رقم صدقہ کی نیت سے کسی کو نہیں دینی چاہیئے بلکہ ثواب کی نیت کیے بغیر کسی محتاج کو دے دینی چاہیئے، صدقہ تو پاک چیز دیا جاتا ہے، سود کا نہیں؛ پس سود کی رقم سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جا سکتی۔ (آپ کے مسائل ص۳۴۱ ج۳ و احسن الفتاوی ص۲۸۳ ج۴)

زکوٰۃ میں کس کرنسی کا اعتبار ہے؟

سُوال:۔ اپنے ملک کے مستحقین کو زکوٰۃ کی رقم بھیجنا چاہتے ہیں لیکن وہاں کی کرنسی اور ہماری کرنسی (سکہ، نوٹ) میں فرق ہے۔ مثلاً یہاں سے ۵۰،۰۰۰ روپے بھیجیں گے تو ان کو ۴۰،۰۰۰ روپے ملیں گے، معلوم یہ کرنا ہے کہ زکوٰۃ ۵۰،۰۰۰ روپے کی ادا ہوگی یا ۴۰،۰۰۰ روپے کی ادا ہوگی کیونکہ وہاں کے یہاں کے دام میں یہی فرق چلتا ہے، اسی طرح اگر ہم اپنے وطن میں زکوٰۃ بھیجیں جہاں کی کرنسی کی قیمت یہاں کی کرنسی سے کم ہو؟

جواب:۔ زکوٰۃ دہندہ نے جس ملک کی کرنسی سے زکوٰۃ ادا کی ہے وہاں کی کرنسی کا اعتبار ہوگا۔ اس ملک کی کرنسی سے جتنے مال کی زکوٰۃ ادا کی اتنے مال کی زکوٰۃ شمار ہوگی۔ دوسرے ملک کی کرنسی خواہ کم ہو یا زیادہ۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ جو رقم کسی محتاج یا محتاجوں کو دی گئی ہے وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے مال کا چالیسواں حصہ ہونا چاہیئے جس کرنسی میں زکوٰۃ ادا کی گئی ہو، اس کرنسی کے حساب سے چالیسویں حصے کا اعتبار ہوگا (آپ کے مسائل ص۳۶۱ ج۳)۔

غیر ملکی سکّہ سے اَدائے زکوٰۃ کا طریقہ

مسئلہ:۔ حامدًا و مصلیًا۔ ادائے زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ مقدارِ واجب مستحقین کے پاس پہونچ جائے اور اس پہونچانے میں جو کچھ خرچ ہوگا اس کا تحمّل خود مزکّی ہوگا (یعنی زکوٰۃ دینے والا خرچہ برداشت کرے گا)۔ زکوٰۃ کی رقم سے اس کا

وضع کرنا درست نہیں ہے ورنہ مقدارِ واجب میں نقصان (کمی) رہ جائے گا، اور زکوٰۃ پوری ادا نہیں ہوگی۔ جو حکم فیس منی آرڈر کا ہے وہی حکم اس کا ہے (فتاوی محمودیہ ص۱۴۱ ج۱۲)

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ صاحب نصاب ہو جانے سے زکوٰۃ کا نفس وجوب آجاتا ہے اور حولانِ حول یعنی ایک سال پورا ہونے کے بعد وجوب ادا یعنی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اگر کوئی وجوب ادا سے پہلے زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بعد میں ادا کرنا ضروری نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۹ ج۵ بحوالہ مراقی الفلاح ص۴۱۵ ج۱ و درمختار مع شامی ص۳۶ ج۲ وفتاویٰ دارالعلوم ص۲۴۵ ج۶ وفقہ الزکوٰۃ ص۲۶۵ ج۲)۔

پیشگی زکوٰۃ دینے کی تفصیل

مسئلہ:۔ مالکِ نصاب ہونے کے بعد سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے، ہاں نصاب پورا ہونے سے پہلے دینا درست نہیں۔

پیشگی زکوٰۃ دینے کے لیے تین شرطوں کا لحاظ ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ پیشگی زکوٰۃ نکالتے وقت نصاب کا سال شروع ہوگیا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس نصاب کی زکوٰۃ دی جارہی ہے وہ اختتامِ سال پر ناقص نہ ہو جائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ درمیانی سال میں اصل نصاب ضائع نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس سونا یا چاندی یا تجارتی مال کا نصاب دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) سے کچھ کم مقدار میں موجود ہے مگر اس شخص نے اس کی زکوٰۃ پیشگی دے دی اور نصاب بعد میں پورا ہوا، یا یہ صورت ہوئی کہ نقد دو سو درہم یا دو سو درہم کا تجارتی مال موجود تھا، اس شخص نے زکوٰۃ کے پانچ درہم خیرات کر دیئے اور (ان پانچ درہم کے نکل جانے کی وجہ سے) نصاب پورا نہ رہا اور اسی ناقص نصاب پر سال بھر گذر گیا۔

یا یہ صورت ہوئی کہ پیشگی دینے کے وقت نصاب تو پورا تھا مگر بعد میں (سال پورا ہونے سے پیشتر) یہ پورا نصاب ضائع ہوگیا تو اب جو رقم زکوٰۃ کے طور پر دی تھی وہ صدقہ شمار ہوگی۔ (طحطاوی)۔

جس طرح ایک نصاب کی پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح متعدد نصاب اگر ہوں تو ان کی زکوٰۃ بھی پیشگی ادا کی جا سکتی ہے۔ (فتاوی قاضی خاں)۔

مسئلہ:۔ ایک شخص کے پاس دو سو درہم ہیں مگر اس نے پیشگی ہزار درہم کی زکوٰۃ دے ڈالی تو اب (سال کے اندر اندر) اس کے پاس مزید کچھ مال آ گیا یا اسی موجودہ سرمائے سے اس نے اتنا نفع کما لیا تو جب سال پورا ہوا تو اس کے پاس ہزار روپے تھے، اس صورت میں پیشگی زکوٰۃ درست ہوگی اور اس کے ذمے سے ہزار روپے کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، ہاں اگر یہ صورت ہوئی کہ پیشگی زکوٰۃ دینے کے بعد سال پورا ہو گیا اور دوران سال میں اس کے پاس کوئی مال نہ آیا، بلکہ سال گذرنے کے بعد اسے کوئی مزید سرمایہ بہم پہونچا تو اب یہ ہزار روپے کی پیشگی زکوٰۃ کافی نہ ہوگی۔ نیا مال حاصل ہونے کے بعد اس پر سال بھر گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی (بحر الرائق)۔

چوں کہ سبب زکوٰۃ موجود ہے اس لیے ایک سال سے زیادہ کی بھی پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (ہدایہ)

مسئلہ:۔ اگر دو ہزار کی زکوٰۃ دی اور اس کے پاس ہزار درہم موجود ہیں اور نیت یہ کی کہ اگر ایک ہزار درہم اور (اس سال میں) میرے پاس آ جائیں تو یہ اس کی پیشگی زکوٰۃ ہے ورنہ اسی ایک ہزار کی اگلے سال کی زکوٰۃ ہو جائے گی تو یہ نیت درست ہوگی۔

مسئلہ:۔ ایک شخص کے پاس چار سو درہم ہیں مگر اس کو یہ خیال ہے کہ پانچ سو درہم ہیں اور اس نے پانچ سو درہم ہی کی زکوٰۃ دے دی پھر اس کو پتہ چلا، تو اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ زکوٰۃ کی زائد دی ہوئی رقم کو سال آئندہ میں شمار کر لے (محیط السرخسی و فتاوی عالمگیری ص۱۵ جلد ۴)۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سال ختم ہونے سے پہلے یا کئی سال کی پیشگی دیدے تو جائز ہے (علم الفقہ ص۳۱ جلد ۴)

جس غریب کو پیشگی زکوٰۃ دی، اگر وہ مالدار ہو گیا یا مر گیا؟

مسئلہ:۔ اگر کسی محتاج کو پیشگی

زکوٰۃ دے دی تھی اور سال پورا ہونے سے پہلے وہ محتاج شخص دولت مند بن جائے یا اس کا انتقال ہوگیا، یا اسلام سے نعوذ باللہ پھرگیا تو جو زکوٰۃ اس کو دی تھی وہ جائز ہے یعنی ادا ہوگئی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۱۵ ج ۲)

مسئلہ:- اس لیے کہ فقیر کو جس وقت زکوٰۃ یا عشر دی گئی ہے یا دی جائے اس وقت کا اعتبار ہے، بعد میں کیا ہوا اس کا اعتبار نہیں ہے اور دینے کے وقت اگر وہ فقیر تھا تو ادائگی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (عالمگیری ص۴۸ ج ۲)۔

مجوّزہ پیشگی زکوٰۃ کی رقم سے قرض دینا کیسا ہے؟

سوال:- میں ہر ماہ زکوٰۃ کی رقم الگ کردیتی ہوں اور رمضان میں دیتی ہوں، اگر کوئی عام دنوں میں قرض مانگے تو کیا میں اس میں سے دے سکتی ہوں؟

جواب:- جب تک وہ رقم آپ کے پاس ہے، آپ کی ملکیت ہے آپ اس کا جو چاہیں کرسکتی ہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۸ ج ۳)۔

موجودہ رقم سے زکوٰۃ دے یا الگ سے؟

سوال:- زید کے پاس دوسو روپے ہیں تو کیا منجملہ اس رقم کے پانچ روپے زکوٰۃ دینا چاہیئے یا یہ کہ زید اصل اپنے پاس رکھ کر اور علٰحدہ سے کچھ انتظام کرکے قرض وغیرہ سے پانچ روپے زکوٰۃ کے دے؟

جواب:- یہ اختیار ہے کہ خواہ ان دوسو روپے میں سے پانچ روپے زکوٰۃ کے دیدے یا الگ سے اس کے پاس ہوں تو اُن میں سے دیدے لیکن اگر اس کے پاس دوسو روپے سے کچھ زیادہ ہوگا تو اس زائد کی بھی زکوٰۃ اسے ادا کرنی ہوگی اور قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے، غرض نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر روپیہ اس کے پاس ہے اس کی زکوٰۃ حساب کرکے اس میں سے دیدے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۵ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار باب زکوٰۃ المال ص۴۱ ج ۲)

(اگر مالک نصاب نہیں ہے تو صرف دوسو روپے میں زکوٰۃ نہیں ہے، جس زمانہ میں دوسو روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی آتی تھی اس وقت کا یہ مسئلہ

ہے، اختیار ہے ان میں سے یا الگ سے اگر زائد ہے تو مزید زکوٰۃ ہو (رفعت)

زکوٰۃ دینے میں شک ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں شبہ پیش آجائے۔ یعنی معلوم نہ ہوسکے کہ زکوٰۃ دی ہے یا نہیں دی تو احتیاطاً دوبارہ زکوٰۃ دیدے۔ (فتاویٰ عالمگیری صـ۲۴ ج ۴ وعلم الفقہ صـ۳۱ ج ۴)۔

فی سبیل اللہ میں کون لوگ داخل ہیں؟

سوال:۔ فی سبیل اللہ میں کون کون مصارف داخل ہیں؟ کیا تبلیغ وحفاظت اسلام کی تنخواہ اور مصارفِ خوراک وسفر وغیرہ اس میں داخل ہیں؟

جواب:۔ فی سبیل اللہ میں بے شک صاحب بدائع کی تفسیر کے مطابق جملہ مصارفِ خیر داخل ہیں لیکن جو شرائط ادائے زکوٰۃ کی ہیں وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ بلامعاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے اس لیے حیلۂ تملیک اول کرلینا چاہیے تاکہ تملیک کے بعد تبلیغ وغیرہ کے ملازمین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا اس کا درست ہوجائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۲۸۲ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار باب المصرف صـ۸۳ جلد اول)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں جو تملیک فقراء وغیرہم ضروری ہے یہ شرط کسی وقت اور کسی طرح ساقط نہیں ہوسکتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۲۹ ج ۶)۔

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو کام اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے کیے جائیں وہ سب اسی مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر وبیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں، یہاں ان کو یہ مغالطہ ہوگیا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ کو دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کردیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں مثلاً مساجد، مدارس شفاخانوں، مسافرخانوں وغیرہ کی تعمیر کرانا، کنویں اور پُل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انہوں نے "فی سبیل اللہ" میں داخل کرکے زکوٰۃ کا مصرف قرار دے دیا، جو سراسر غلط ہے اور اجماعِ اُمت کے

خلاف ہے۔ اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجت مند تو خود ہی مصارفِ زکوٰۃ میں سب سے پہلے مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحقِ زکوٰۃ تھے۔

اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو وہ بات تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو، تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارفِ صدقات متعین کرنے کا کام نبیؐ کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے۔ تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشادِ نبویؐ بالکل غلط ٹھہرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو نا واقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے بلکہ مراد وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ رضؓ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے معارف القرآن ص ۴۰۰ ج ۴)۔

مصارف کی قدرتی ترتیب

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کیے ہیں، اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب یہی ہے۔ سب سے پہلے اُن دو گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدم ہیں، کیونکہ زکوٰۃ کا اولین مقصود اُنہی کی اعانت ہے یعنی "فقراء" اور "مساکین"۔ پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور اس اعتبار سے اس کا تقدم ظاہر ہے۔ لیکن چونکہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا، اس لیے اولین جگہ نہیں دی جا سکتی تھی، پس دوسری جگہ پائی، یعنی "العاملین علیہا" پھر "المؤلفة قلوبهم" کا درجہ ہوا کہ ان کا دل ہاتھ میں لینا، ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت

کے لیے ضروری تھا۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کو بارِ قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے، جو نسبتہً موقت اور محدود تھے۔ پھر "فِی سَبِیْلِ اللّٰہ" کا مقصد رکھا گیا کہ اگر مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہوگئی ہوں، یا مقتضیاتِ وقت نے ان کی اہمیت کم کردی ہو، یا مالِ زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہوگئی ہو، تو ایک جامع و حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین و اُمت کے مصالح کی ساری باتیں آجائیں سب سے آخرمیں "ابنَ السَّبِیْل" کی جگہ ہوئی، کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا۔ (حقیقت الزکوٰۃ ۴۵)

کیا زکوٰۃ تمام مصارف میں تقسیم کرے؟

سُوال :۔ ان مصارف کے بیان سے مقصود کیا ہے؟ یہ ہے کہ "زکوٰۃ کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے یا یہ ہے کہ خرچ ان ہی میں کی جاسکتی ہے؟

جواب :۔ اس بارے میں فقہاءؒ نے اختلاف کیا ہے، لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تمام مصارف میں بیک وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو، اُسی کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے اور یہی مذہب قرآن و سنت کی تصریحات اور روح کے مطابق ہے۔ ائمہ اربعہ رحؒ میں صرف امام شافعی رحؒ اس کے خلاف گئے ہیں (حقیقت الزکوٰۃ ص۲۴ وکتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۱۰۱۳ ج۱ وعلم الفقہ ص۳۴ ج۴)۔

زکوٰۃ وصول کنندہ کے اصول و فضائل

اسلامی حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے جو لوگ بھیجے جاتے ہیں ان کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، ان میں سے اکثر ہدایات کا تعلق ان لوگوں سے بھی ہے جو مسلمانوں کی کسی نمائندہ تنظیم یا کسی اسلامی ادارے (مدارس ومکاتب) کی طرف سے زکوٰۃ کی وصول یابی کے لیے (سفیر وغیرہ) جاتے ہیں اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کسی حکومت کی طرف سے ٹیکس وصول کرنے پر مقرر ہیں۔ مندرجہ ذیل احادیث میں ان لوگوں کو اگر یہ صحیح طور پر اپنی ذمہ داری سے ادا کریں تو مختلف قسم کی خوش خبریاں اور بشارتیں دی گئی ہیں، اور جو لوگ بے پروائی سے کام لیں اور حدودِ شرع کی پابندی نہ کریں،

ان کے لیے وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عامل صدقات (زکوٰۃ وصول کرنے والا) جو صحیح طریقے پر اللہ کے لیے کام کرتا ہو وہ جب تک اپنے گھر نہ لوٹ آئے راہِ خدا کے غازی کی طرح ہے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہترین کمائی عامل کی کمائی ہے، بشرطیکہ وہ خیر خواہی سے (صحیح طریقہ پر) کام کرے۔

تشریح:- جس کام میں انسان کے پھسلنے کے مواقع زیادہ ہوں، اس سے اگر وہ صحیح سالم اور بے داغ نکل آئے تو علاوہ اس عمل کے اجر وثواب کے اس آزمائش میں پورا اُترنے کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سا مال ودولت انسان کے ہاتھ میں آتا ہو اور اگر اس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہو تو بہت کچھ مواقع گڑبڑ کرنے کے ہوتے ہیں، ایسے مرحلے میں آدمی تقویٰ وپرہیزگاری پر قائم رہے اور خدا کے حکموں کی رعایت رکھے، یہ یقیناً بہت بڑا مجاہدہ اور نفس کے خلاف بڑا جہاد ہے۔ (ترغیب ص۱۹۴ ج ۲)

کیا عاملِ زکوٰۃ ہدیہ قبول کرسکتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا، پھر اس کو روزی (تنخواہ) دے دی، اب اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا وہ خیانت ہے"۔

اگلی حدیث سے اس مضمون کی مزید وضاحت ہوتی ہے:۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن لُتَیبہ کو صدقہ (یعنی زکوٰۃ) وصول کرنے پر مقرر فرما کر بھیجا، جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال سپرد کرتے ہوئے) کہا، یہ تو آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے، یعنی یہ مالِ زکوٰۃ میں وصول ہوا، اور اتنا تحفہ کے طور پر مجھے دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے عام حکیمانہ طریقے کے مطابق ان سے مُنہ درمُنہ کچھ نہیں فرمایا بلکہ آپؐ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوگئے اور حمد وثناء کے بعد فرمایا "اما بعد" میں تم میں سے

ایک شخص کو ان کاموں میں سے کسی کام کے لیے مامور کرتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے ذمہ دار بنایا ہے، وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ وہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے، وہ اپنی اماں اَبا کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا تاکہ اگر وہ سچا ہے تو اس کا ہدیہ اس کے پاس آتا، خدا کی قسم تم میں سے جو بھی کوئی شخص ناحق کوئی چیز لے گا تو ضرور قیامت کے دن اپنے اوپر لادے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ پس ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں پہچانوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مل رہا ہے اور بلبلاتا ہوا اُونٹ یا ڈکراتی ہوئی گائے یا ممیاتی ہوئی بکری کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ اُٹھائے، یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، اور فرمایا:۔ اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہونچا دیا۔ (ترغیب ص۱۹۶ ج ۱)۔

تشریح:۔ جب کوئی شخص ایسے سرکاری (وغیرہ) محکمے میں ہوتا ہے جس سے عام لوگوں کے کام پڑتے رہتے ہیں تو اس شخص کو جو بھی ہدیئے تحفے (گفٹ) ملیں گے، بیشتر ان میں اسی غرض سے دیئے گئے ہوں کہ شاید کسی وقت ہمارا ان صاحب سے کچھ کام پڑے (ترغیب ۱۹۶)

مطلب یہ ہے کہ اس شخص (زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے والے) کو تحفہ تحائف کی پیش کش اس کی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے عہدہ کی وجہ سے ہے، اگر وہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل مقرر نہ کیا جاتا بلکہ وہ اپنے گھر بیٹھا رہتا تو اس کو کوئی تحفہ (گفٹ) کیوں دیتا؟ ــــ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عامل کو اس کا کوئی عزیز دوست تحفہ دے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے لیے تحفہ کی پیش کش اس کے عامل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ تعلقات اور دیرینہ مراسم کی وجہ سے ہے اور یہ ہمیشہ کا معمول ہے تو وہ تحفہ اس کے لیے جائز ہوگا اور اگر تحفہ کی پیش کش محض اس کے عہدے کی وجہ سے ہوگی تو وہ تحفہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا (مظاہر حق جدید ص۴۹۶ جلد ۲)۔

عاملین کون ہیں؟ عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات و زکوٰۃ و عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کرکے بیت المال

میں جمع کرنے کی خد... ہیں، یہ لوگ ہوں کہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں... ہے ان کی ضروریا... ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے قرآن کریم کی اس آیت " العاملین علیہا " نے مصارفِ زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مدِ زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات و... کرنے کا فریضہ براہِ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے جس کا ذکر اسی سورت میں آگے آیت میں ہے " خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً " یعنی وصول کریں آپ مسلمانوں کے مال میں سے صدقہ۔" اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات وصول کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ امیر خود اس کام کو پورے ملک میں بغیر اعوان و مددگاروں کے نہیں کرسکتا، انہی اعوان و مددگاروں کا ذکر مذکورالصدر آیت میں " وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا " کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

انہی آیات کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر مختلف خطوں میں بھیجا ہے، اور آیت مذکورہ کی ہدایت کے مطابق زکوٰۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، ان میں وہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں جو اغنیاء (مالدار) تھے۔

بیانِ مذکور سے معلوم ہوا کہ عاملینِ صدقہ کو جو رقم مدِ زکوٰۃ سے دی جاتی ہے، وہ اس رقم کے مستحق ہیں اور زکوٰۃ سے ان کو دینا جائز ہے، اور مصارفِ زکوٰۃ کی آٹھ مدات میں سے صرف ایک یہی مد ایسی ہے جس میں زکوٰۃ کی رقم کو بطور معاوضہ خدمت دی جاتی ہے ورنہ زکوٰۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضۂ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر سے کوئی خدمت لے کر زکوٰۃ کا مال دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ (معارف القرآن صفحہ ۳۹۷ ج ۴)۔

دُو سوالوں کا جواب

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مالِ زکوٰۃ کو معاوضۂ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرے یہ کہ مالدار

کے لیے یہ مالِ زکوٰۃ حلال کیسے ہوا؟

ان دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ عاملینِ صدقہ کی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ کہ یہ حضرات (عاملین) فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لیے کسی کو وکیل و مختار بنا دے، اور قرضدار یہ قرض وکیل کو سپرد کردے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرضدار بری ہوجاتا ہے، تو جب زکوٰۃ کی رقم عاملینِ صدقہ نے فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کرلی تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطورِ وکیل وصول کی ہے، اب جو رقم بطورِ حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے وہ مالداروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی۔ اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں (عاملین) سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضۂ خدمت دیں۔

عاملین کو وکیل کس نے بنایا؟

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا یا نہیں، یہ عاملین اُن (فقراء) کے وکیل کیسے بن گئے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غرباء کا وکیل ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس (امیر) پر عائد ہوتی ہے، امیرِ مملکت جس جس کو صدقات کی وصولیابی پر عامل بنا دے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہوجاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ عاملینِ صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی بلکہ زکوٰۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضۂ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنا دے اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ سے حاصل شدہ مال سے ادا کردے، تو یہاں نہ تو دینے والا بطورِ زکوٰۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔ (ماخوذ معارف القرآن از ص ۳۹۷ تا ص ۳۹۹ جلد ۴)

کیا مدارس کے سفراء عاملین میں داخل ہیں؟

آج کل جو مدارسِ اسلامیہ اور انجمنوں کے مہتمم، یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات، زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لیے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں ہے جو عاملین صدقہ کا آیت شریفہ میں مذکور ہے کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جا سکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمنوں کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے، زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جا سکتی، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ (سفیر و مہتمم) فقراء کے وکیل نہیں، بلکہ اصحابِ زکوٰۃ مالداروں کے وکیل ہیں، ان کی طرف سے زکوٰۃ کے مال کو مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی لیے ان کا قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں۔ فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لیے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل بنایا نہیں، اور امیر المؤمنین کی ولایتِ عامہ کی بناء پر جو خود بخود وکالتِ فقراء حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں، اس لیے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحابِ زکوٰۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی رقم خود مال والے کے پاس رکھی ہو۔

اس معاملہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے۔ بہت سے ادارے زکوٰۃ کا فنڈ وصول کر کے اس کو سالہا سال رکھتے رہتے ہیں، اور زکوٰۃ دینے والے سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہو گئی، حالاں کہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہو گی جب ان کی رقم مصارفِ زکوٰۃ میں صرف ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے لوگ ناواقفیت سے ان لوگوں کو عاملینِ صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ کر زکوٰۃ ہی کی رقم سے ان کی تنخواہ دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کے لیے جائز ہے اور نہ لینے والوں کے لیے۔ (معارف القرآن ص۳۹۹ ج۴)۔

زکوٰۃ کی تشہیر کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی تشہیر اس نیت سے تو درست ہے کہ اس سے زکوٰۃ دہندگان کو

ترغیب ہو، اور ریاکاری اور نمود و نمائش کی غرض سے زکوٰۃ کی تشہیر جائز نہیں بلکہ اس سے ثواب باطل ہوجاتا ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۷ ج۳)۔

مسئلہ:۔ فقہاءؒ نے کہا ہے کہ جب آدمی زکوٰۃ ادا کرے تو علی الاعلان ادا کرنا افضل ہے اور نفلی صدقات وخیرات کو پوشیدہ طور پر ادا کرنا بہتر ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲۔ جلد۴)۔

(یہاں بھی یہ ضروری ہے کہ ریاکاری نہ ہو تو جائز ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

دُوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا کیسا ہے؟

سوال:۔ زید اپنی زکوٰۃ وفطرہ اپنے شہر کے غریبوں کو نہیں دیتا بلکہ دُور دراز کے شہروں میں بھیجتا ہے، کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟

جواب:۔ دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے، مگر وہاں کوئی رشتہ دار مسکین (غریب) ہو یا اپنے شہر کے مساکین سے کوئی زیادہ مستحق حاجت مند ہو یا زیادہ نیک ہو، یا طالب دین ہو یا دوسری جگہ بھیجنے میں عامۃ المسلمین کا زیادہ فائدہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، بلکہ اہل قرابت کا حق اپنے شہر کے مساکین سے زیادہ ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص۲۶۹ ج۴ بحوالہ در مختار ص۔ ج۲ وفقہ الزکوٰۃ ص۳۵۳ ج۲ وعلم الفقہ ص۴۴ ج۴

مسئلہ:۔ جب دوسری جگہ کے لوگ غریب، محتاج ہوں یا اعزاء واقارب ہوں، اور وہ ضرورت مند ہوں، یا اس جگہ کے لوگ دینی تعلیم میں مشغول ہوں تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کے پیسے بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بعض مواقع میں زیادہ ثواب ملے گا جب کہ اخلاص نیت ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۰۹ ج۳ وفتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۵ ج۵ بحوالہ ہدایہ ص۱۸۸ ج۱ ومعارف القرآن ص۱۴۱ ج۴)۔

مسئلہ:۔ مقدم وہ لوگ ہیں جو خویش واقارب غریب مفلس ہیں۔ ان کے بعد دوسر شہر کے غرباء وفقراء ہیں۔ تھوڑا تھوڑا جس جس کو ہوسکے دیدے، کچھ رشتہ دار محتاجوں کو دے، اور کچھ دوسرے غرباء کو دے۔ الحاصل زکوٰۃ ہر ایک غریب ومفلس کو دینے سے ادا ہوجاتی ہے، لیکن اقارب غرباء کو دینے میں زیادہ ثواب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم

صفحہ ۲۸۵ ج ۶ بحوالہ رد المحتار صفحہ ۹۴ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا روپیہ غیر ممالک کے مسلمانوں محتاجوں کو دینا بھی درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جن کو دیا جائے وہ مالکِ نصاب نہ ہوں اور ان کو مالک بنا دیا جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۲۷۷ جلد ۶)۔

مسئلہ:۔ غرض یہ ہے کہ سب کا خیال رکھا جائے اگر گنجائش زکوٰۃ کے روپے پیسے میں ہو تو حتی الوسع ہر ایک صاحب حاجت اور اہلِ قرابت کو دیدے۔ اور اگر گنجائش کم ہو تو اہلِ قرابت کو مقدم کرے پھر دوسرے محتاجوں اور طلبہ کا خیال کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۲۶۷ ج ۶ بحوالہ رد المحتار صفحہ ۹۳ ج ۲ باب المصرف)۔

مستحق نہ ملنے پر زکوٰۃ کی رقم دیر سے دینا کیسا ہے؟

سوال: بعض مرتبہ مستحق نہ ملنے پر زکوٰۃ کی رقم بچی رہتی ہے اور دوسرا رمضان آجاتا ہے تو سابقہ رقم بھی اگلی زکوٰۃ کی رقم کے حساب میں لکھ کر تقسیم کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ کل رقم کا فوراً رمضان میں (یعنی جس وقت واجب ہو) خرچ کر دینا ضروری نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دینے سے بھی (جیسا کہ سوال میں ذکر ہے) ادا ہو جاتی ہے۔ البتہ دیتے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے اور جلدی ادا کرنا احوط (زیادہ احتیاط) ہے۔ (نیز) زکوٰۃ کے ادا کرنے میں دیر کرنا مناسب نہیں بلکہ مکروہ ہے (بغیر عذر کے)۔ (فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۲۳ ج ۳ بحوالہ رد المحتار صفحہ ۲ ج ۲)۔

زکوٰۃ کی رقم کو فقراء کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنانا کیسا ہے؟

سوال:۔ زید کے پاس زکوٰۃ کی بڑی رقم جمع ہے اس کو ایک بارگی نہ دیتے ہوئے اس رقم سے کوئی پراپرٹی یا زمین خرید کر اس کی آمدنی سے مستحقین مدارس اور دینی و دنیوی طلباء جو اس کے مستحق ہوں ان کو وظیفہ دینا چاہتا ہے تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کا سامان کر کے آمدنی میں سے مستحقین پر خرچ کر سکتا ہے؟

جواب:۔ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے تملیک یعنی مستحقین کو بلا عوض مالک بنا دینا شرط ہے

اگر آمدنی کے لیے پراپرٹی قائم کی گئی یا کوئی زمین خریدی گئی تو یہ شرط نہیں ہوئی لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس لیے زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کے لیے جائداد فراہم کرنا جائز نہیں ہے (فتاویٰ رحیمیہ ص۸ ج۲ و فتاویٰ دارالعلوم ص۲۴۴ جلد۶)۔

زکوٰۃ کی رقم سے غریبوں کو تجارت کرانا کیسا ہے؟

سوال:۔ ہمارے یہاں ایک سوسائٹی (خدائی خدمت گار) کے نام کی ہے، نوجوان طبقہ نے چندہ کرکے کافی رقم جمع کی ہے، چندے کی کثیر رقم زکوٰۃ کی ہے۔ اب اس سے غریب طبقہ کو بطور قرض دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ اس سے تجارت کریں۔ منافع ہونے پر اصل رقم بلا سود کے واپس کر دیتے ہیں تو غریب کو یہ رقم دینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کی جائے، کسی غریب کو قرض کے طور پر دینے کی اجازت نہیں ہے، اگر صاحب زکوٰۃ کی طرف سے اجازت ہو تب بھی جائز نہیں ہے اور جب تک اس کے مصرف میں تملیکاً نہ دی جائے۔ یعنی جب تک اس ضرورتمند غریب کو جس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی، اس رقم کا مالک نہ بنا دیا جائے، زکوٰۃ ادا نہ ہوگی لہٰذا زکوٰۃ کے حقدار کو بطور قرض کے نہیں بلکہ ویسے ہی دیدی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۰۳ ج۲ و فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۴ ج۲)۔

زکوٰۃ میں مبیع کی قیمت کم کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ صاحب نصاب نے ایک غریب کو کوئی چیز فروخت کی جس کی قیمت تین روپے ہوتی تھی، غریب نے اللہ کے لیے چھوٹ مانگی اپنی غربت کی وجہ سے اس نے ایک روپے کی چھوٹ اللہ کے لیے کر دی تو کیا یہ ایک روپیہ زکوٰۃ میں شمار کر سکتا ہے؟

جواب:۔ اس طرح زکوٰۃ میں شمار کرنا جائز نہیں بلکہ اس چیز کے دو حصے کرلے، ایک حصہ کو دو روپے میں فروخت کرے اور ایک حصہ جس کی قیمت ایک روپیہ ہے وہ بلا قیمت لیے زکوٰۃ میں دیدے، یا وہ چیز تین روپے میں فروخت کرکے رقم وصول کرے

تین روپے وصول کرنے کے بعد ایک روپیہ زکوٰۃ میں دیدے۔ (فتاوی محمودیہ ص۳۵/۳۶ بحوالہ شامی ص۱۲ جلد ۲)۔

زکوٰۃ کی رقم فقراء کے فائدہ کے لیے خرچ کردینا کیسا ہے؟

مسئلہ جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مالِ زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدہ کے لیے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہونچتا ہو جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں۔ مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ص۴۰۹ جلد ۴)۔

زکوٰۃ کس کو لینا اور دینا جائز ہے؟

مسئلہ: جس شخص کے پاس اس کی ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ نصاب مال نہ ہو، اُس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے، اور ضروریاتِ اصلیہ میں رہنے کا مکان، استعمالی برتن اور کپڑے اور فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں۔ نصاب یعنی سونا ساڑھے سات تولہ ۸۷ گرام ۴۸۵ ملی گرام یا چاندی ساڑھے باون تولہ ۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام یا اس کی قیمت، جس کے پاس ہو، اور وہ قرض دار بھی نہ ہو، نہ اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے نہ دینا، اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی یا کچھ پیسے نقد ہیں اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہوجائے وہ بھی صاحبِ نصاب ہے، اس کو زکوٰۃ دینا اور لینا [illegible] ہے۔ (معارف القرآن ص۳۹۶ جلد ۴)۔

[illegible] کے حالات کی تفتیش ضروری ہے؟

سوال: جو شخص اپنے آپ کو

اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجتمند ظاہر کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے، کیا دینے والوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں، اور بغیر اس کے نہ دیں؟

جواب:۔ اس کے متعلق روایاتِ حدیث اور اقوالِ فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے، آپؐ نے ان کے لیے لوگوں سے صدقات (وغیرہ) جمع کرنے کے لیے فرمایا، کافی مقدار جمع ہوگئی تو ان کو دے دی گئی (زکوٰۃ وغیرہ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے، (معارف القرآن صہ۴۱۲ ج ۴ بحوالہ قرطبی)۔

زکوٰۃ کے زیادہ مستحق مدارس ہیں یا کالج؟

سوال:۔ میں زکوٰۃ کی رقم غرباء، خویش واقارب اور دینی مدارس میں دیتا ہوں۔ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ مدارسِ عربیہ کے بجائے ہائی اسکول یا کالج میں پڑھنے والوں کو بطور اسکالرشپ (امداد وظیفہ) دینا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے، کیا میرے دوست کی یہ رہبری اور عمل درست ہے؟

جواب:۔ ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ دینی و مذہبی تعلیم سب سے افضل ہے اور نہایت ضروری ہے ؎ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

واقعہ یہ ہے کہ علومِ دینیہ کے طلباء کو مقدم رکھنے میں شریعت کی ترویج اور اشاعت ہے کیونکہ حاملینِ شریعت یہی طلباء ہیں، انھیں کے ذریعہ ملتِ مصطفویہؐ ظہور فرما ہے، قیامت کے دن شریعت ہی کی پوچھ ہوگی، جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے وابستہ ہے، انبیاء علیہم السلام نے جو تمام کائنات میں سب سے افضل ہیں، احکامِ شریعت کی دعوت دی ہے اور احکامِ شریعت کی پابندی پر ہی نجات کو موقوف رکھا ہے اور ان (انبیاء علیہم السلام) کو بھیجنے کا مقصد تبلیغ شریعت ہی ہے۔

پس سب سے بڑی خیرات یہ ہے کہ شریعت کو رائج کرنے ہی کی کوشش کی جائے۔

قابلِ توجہ بات

اس کے علاوہ قابلِ توجہ یہ بھی ہے کہ اسکولوں، کالجوں کو سرکاری ایڈ امداد و حمایت حاصل ہے، اس کے برخلاف ان دینی مدارس کا مدار آپ جیسے اہلِ خیر مسلمانوں کی امداد پر ہے۔ اب معمولی عقل والا انسان بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کہاں اور کس کو امداد دینے میں اجر و ثواب زیادہ ہے؟

خلاصہ یہ کہ دینی مدارس جو حقیقت میں اسلام کے قلعے ہیں ان کو باقی اور مضبوط رکھنے، نیز ان کی بقاء و ترقی کے لیے ایثار اور مالی امداد کی از حد ضرورت ہے، لہٰذا آپ کا طرزِ عمل و طریقۂ فکر بہتر ہے، اور آپ کے دوست کی رہبری غلط اور گمراہ کن ہے۔

دینی مدارس اور ان میں پڑھنے پڑھانے والوں اور خادموں اور کارکنوں کو نظر انداز کر کے اُن کو بے بسی اور بے کسی کے عالم میں چھوڑ کر توجہ کرنا بہتر تو کیا ہے مؤاخذہ سے نجات مل جائے تو غنیمت جانیے گا۔

احیاء العلوم میں تحریر ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ دینے کے لیے ایسے دیندار لوگوں کو تلاش کرے جو دنیا کی طمع و طلب چھوڑ کر تجارتِ آخرت میں مشغول ہوں۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ: "تم پاک غذا کھاؤ اور پاک آدم زاد کو کھلاؤ۔" نیز یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ کارِ خیر کرنے والے ہی کو اپنا کھانا کھلاؤ! کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں جب وہ لوگ تنگدست ہوتے ہیں تو ان کی توجہ بٹ جاتی ہے۔ ایک شخص کو متوجہ الی اللہ کر دینا یہ بہت افضل ہے، ایسے ہزارہا اشخاص کو دینے سے جن کی توجہ دنیا ہی کی طرف ہوتی ہے، اور پرہیزگاروں میں سے بھی ایسے اہلِ علم کو خاص کرے جو اپنے علم سے لوجہ اللہ لوگوں کو نفع پہونچا رہے ہیں اور مذہبِ اسلام کی پختگی اور اشاعت علومِ دینیہ اور تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ علم پڑھنا پڑھانا تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمہ ہمیشہ اپنی زکوٰۃ و خیرات اہلِ علم پر ہی خرچ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں درجہ نبوت کے بعد علماء کے درجہ سے افضل کسی کا مرتبہ نہیں دیکھتا ہوں کیونکہ اگر اہلِ علم تنگدست ہوں گے تو دینی خدمت نہ ہو سکے گی جس کی وجہ سے دینی امور میں نقص آجائے گا لہٰذا

علمی خدمت کے لیے ان کو فارغ اور بے فکر کردینا سب سے بہتر ہے۔ خلاصۂ جواب۔ فتاویٰ رحیمیہ ص۵ جلد۲ وکفایت المفتی ص۲۷۵ جلد۴)۔

جن کے عقائد خراب ہوں ان کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سُوال:- ہمارے یہاں فقیر وغریب جن کے یہاں شرک، بدعت، تعزیہ پرستی وغیرہ ان کا کام ہے۔ نماز روزہ نہیں کرتے اور وہ جھوٹ، فریب، زنا، چوری کو برا نہیں جانتے، بچنا تو درکنار۔ ایسی حالت میں ان لوگوں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟ ان لوگوں کو زکوٰۃ دینا اگر جائز ہو تو خیر، ورنہ میرا جی چاہتا ہے کہ دوسری جگہ باہر مظلومین کے پاس بھیج دوں؟

جواب:- اپنی بستی کے ان لوگوں کو جن کا حال آپ نے لکھا ہے زکوٰۃ دینا درست ہے۔ پس جو رقم آپ نے زکوٰۃ کی ان لوگوں کے لیے رکھی ہے وہ انھیں کو دینا درست ہے کیونکہ اپنے اہلِ شہر کے غرباء کا بھی حق ہے بلکہ زیادہ حق ہے، اور باہر کے (دوسری جگہ کے) مظلومین اگرچہ زیادہ مستحق ہیں مگر اس میں خرچ کرنے والے کی بے احتیاطی کا اندیشہ ہے جس سے یہ خوف ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ ہو، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں فقراء کی زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنانا شرط ہے جس کی وجہ سے (زکوٰۃ کی رقم) مسجد اور مکان وغیرہ کی مرمت میں اس کا صرف کرنا درست نہیں اور تجہیز و تکفین میت میں بھی صرف کرنا درست نہیں ہے۔

پس معلوم نہیں جس کے پاس باہر رقم زکوٰۃ بھیجی جائے گی وہ اس شرط کا پورا لحاظ کرے گا یا نہ کرے گا، اور وہ مصارفِ زکوٰۃ سے پوری طرح واقف ہو یا نہ ہو۔ آپ کے اہلِ شہر جن کا حال آپ نے لکھا ہے اگرچہ خرابی ان کے اعمال وعقائد کی ظاہر ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ کلمہ گو اور مدعیٔ اسلام ہیں اگرچہ اعمال وعقائد ان کے خراب ہوں تو عموماً ان کی تکفیر کا حکم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ہاں جس شخص سے کوئی کلمہ موجب کفر سنا گیا ہو یا اس کا حال متحقق طور سے معلوم ہو گیا کہ اس کے عقائد کفریہ ہیں تو اس پر حکمِ کفر کردیا جائے گا۔ مگر عموماً عام مسلمان

پر ایسا حکم نہ کیا جائے گا۔ پس جب کفر کا حکم عموماً ان پر عائد نہیں کیا جا سکتا تو زکوٰۃ دینا ان کو درست ہے کہ غریب و محتاج ہیں اور اپنے پڑوسی ہیں (اپنے شہر کے ہیں) اس سے زیادہ کنج وکاؤ کی حاجت نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا صدقہ دینے کا (عام ہے کہ وہ صدقہ نفل ہو یا فرض) یعنی زکوٰۃ اول دن (غلطی سے) چور کو دیا گیا، پھر دوبارہ زانیہ کو دیا گیا، پھر مالدار کو دیا گیا، اس کا اس کو افسوس ہوا تو اس کو خواب میں یہ کہا گیا کہ تیرے تینوں صدقے قبول ہوئے کہ چور کو شاید عبرت ہو کہ وہ چوری سے تائب ہو جائے اور زانیہ زنا سے توبہ کر لیوے اور مالدار کو نصیحت ہو کہ وہ بھی صدقہ و زکوٰۃ وغیرہ دینے لگے۔ اور تینوں صورتوں میں ہمارے فقہائے حنفیہ ادائے زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۳ جلد۶ بحوالہ مشکوٰۃ باب الانفاق ص۶۵ جلد اول و ردالمختار ص۹۲ ج۲ باب المصرف)۔

زکوٰۃ کا اندازاً دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ پورا حساب کرکے دینی چاہیئے، اگر اندازہ کم رہا تو زکوٰۃ کا فرض ذمہ رہے گا۔ اگر پورے طور پر حساب کرنا ممکن نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ کا اندازہ لگانا چاہیئے۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۳ جلد۳)۔

بغیر حساب لگائے زکوٰۃ دیتے رہنا کیسا ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص سالانہ زکوٰۃ نہ نکالتا ہو بلکہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ کسی ضرورت مند کو دیتا رہتا ہو، اور اس کا حساب بھی اپنے پاس نہ ہو تو کیا یہ زکوٰۃ دینے میں شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی نیت سے جو کچھ دیا ہے اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کی زکوٰۃ پوری ہوگئی یا نہیں؟ اس لیے حساب کرکے جتنی زکوٰۃ ہو وہ ادا کرنی چاہیئے، البتہ یہ اختیار ہے کہ اکٹھی (یک مشت) دے دی جائے یا تھوڑی تھوڑی کرکے سال بھر میں ادا کردی جائے مگر حساب رکھنا چاہیئے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا ضروری ہے، جو چیز زکوٰۃ کی نیت سے

نہ دی جائے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اگر زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم الگ رکھ لی جائے پھر اس میں وقتاً فوقتاً دیتے رہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۹ ج۳)

زکوٰۃ کی رقم سے مہینہ مقرر کر دینا

سوال:۔ میں نے جتنی زکوٰۃ نکالی تھی وہ رقم الگ کر کے رکھ دی ہے، اب ایک دو گھروں کو جن کو میں زکوٰۃ دینا چاہتا ہوں ان کو ہر مہینے اس میں سے نکال کر دے دیتا ہوں کیونکہ اگر ایک ساتھ یہ رقم دی جائے تو یہ خرچ کر لیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ آپ کا یہ فعل درست ہے کہ زکوٰۃ کی رقم الگ نکال کر رکھ لی، اور حسبِ موقع ادا کرتے رہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۸ ج۳ و فتاویٰ محمودیہ ص۳۲ ج۳ و فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۹۲، جلد ششم ج۶)

تھوڑی تھوڑی کر کے زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ سال کے آخر میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بجائے ہر ماہ کچھ رقم زکوٰۃ کی نیت سے نکالتا رہے، یعنی ہر مہینے تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ نکالتے رہنا درست ہے۔

مسئلہ:۔ اگر تھوڑی تھوڑی کر کے سال بھر میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور جب سال شروع ہوا اسی وقت سے تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ پیشگی ادا کرتے رہیں تو یہ بھی درست ہے تاکہ سال کے ختم ہونے پر زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے۔ بہر حال جتنی مقدار زکوٰۃ کی واجب ہو اس کا ادا ہو جانا ضروری ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۹ جلد۳ و فتاویٰ محمودیہ ص۳۲ جلد۳ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۲۸ جلد۱۱)

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ نکال کر علیحدہ (یا بغیر نکالے ہی لکھتے رہیں اور آخر سال میں حساب لگا لیں) رکھ لی جائے بطور امانت کے اور پھر اس کو آہستہ آہستہ بتدریج حسبِ موقع اشخاص کو دیتا رہے یہ جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۹۲ ج۶ بہ حوالہ ردالمحتار ص۲۶ ج۲ باب الزکوٰۃ الغنم)۔

مسئلہ:۔ کسی شخص مسکین کی زکوٰۃ سے کچھ رقم ماہوار مقرر کر دی تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی

ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۷ جلد ۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۲ ج ۲)

مسئلہ: مسکینوں اور غریبوں کو متفرق طور سے جو کچھ زکوٰۃ کی نیت سے دیا جائے جائز ہے اور زکوٰۃ اس میں ادا ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۳۴ ج ۶)۔

جتنی زکوٰۃ واجب ہے اس سے زیادہ دینا کیسا ہے؟

اگر زکوٰۃ حساب سے تین سو یا چار سو ہو، اس کے بجائے ایک دو سو روپیہ زیادہ دیدے تو کیا زکوٰۃ اس کی بیکار ہو جائیگی؟

جواب:۔ اس صورت میں ثواب زیادہ ہوا۔ زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی اور ایک دو سو زیادہ دینے کا ثواب زیادہ ہوا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۷ ج ۶)۔

کیا زائد دی گئی رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں لگا سکتے ہیں؟

سوال: جو رقم زکوٰۃ کی واجب ہوئی ہے اگر اس سے زائد خرچ ہو جائے تو اس زیادہ خرچ شدہ رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر زائد رقم بہ نیت زکوٰۃ دی گئی تو وہ آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۹۳ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار ص۳۶ ج ۲ باب زکوٰۃ الغنم)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے ایک کپڑا زکوٰۃ میں دیا اور اس کی قیمت دینے کے وقت آٹھ روپے لگائی، دینے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی قیمت بارہ روپے تھی تو اس صورت میں اگر وہ کپڑا یا چیز وغیرہ جس کو دیا تھا اس کے پاس موجود ہو تو بارہ روپے زکوٰۃ میں شمار کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۹۵ ج ۶)

زکوٰۃ میں وکیل بنانا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ آپ کسی دوسرے شخص، یا ادارہ کو اپنی رقم دے کر وکیل و مختار بنا سکتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف سے مال زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے صحیح مصرف میں خرچ کر دے، لیکن اس میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں:۔

(۱) اول یہ کہ اس وکیل پر پورا اعتماد ہو کہ وہ اس زکوٰۃ کی رقم کو صرف مستحقین زکوٰۃ پر ہی

صرف کرے گا، دوسری مدات خیرات میں خرچ نہ کر ڈالے گا۔

(۲) دوسری یہ کہ جب تک آپ کا زکوٰۃ کا مال اس وکیل کے قبضہ میں رہے گا وہ ایسا ہی ہے جیساکہ آپ کے پاس رکھا ہے زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوگی جب یہ شخص یا ادارہ زکوٰۃ کے مال کو زکوٰۃ کے مستحقین میں خرچ ڈالے۔

بہت سے ادارے زکوٰۃ کی رقم جمع کر لیتے ہیں اور سالہا سال زکوٰۃ کی رقم رکھی رہتی ہے، صرف نہیں ہوتی، یہ بڑی بے احتیاطی ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۵ وفقہ الزکوٰۃ ص۲۹۴ ج۲)

شرائط کے ساتھ وکیل بنانا کیسا ہے؟

سوال:۔ زید نے عمر کو اس شرط پر زکوٰۃ کا وکیل بنایا کہ کسی خاص مستحق کو زکوٰۃ مثلاً خالد کو دینے کے لیے، اگر عمر بکر کو کہ وہ بھی مستحق زکوٰۃ ہے دیدے تو زید کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ شامی میں ہے کہ اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور دوسرا یہ کہ ادا نہ ہوگی اور وکیل ضامن ہوگا۔ پس احتیاط یہ ہے کہ کسی دوسرے کو زکوٰۃ نہ دے بلکہ اسی کو دے جس کو مؤکل (صاحب زکوٰۃ) نے متعین کیا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۶۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۵ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

مسئلہ:۔ اگر تم نے کسی کو روپے نہیں دیئے بلکہ اتنا کہہ دیا کہ تم ہماری طرف سے زکوٰۃ دے دینا، (اس کہنے کے بعد) اس نے تمہاری طرف سے زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اور جتنا اس نے روپیہ تمہاری طرف سے دیا ہے اب وہ تم سے لے لے۔ (اشرف ص۱۴۲ جلد۲ و بہشتی زیور ص۲۹ جلد۳)

کیا وکیل اپنا نائب بنا سکتا ہے؟

مسئلہ:۔ تم نے ایک شخص کو اپنی زکوٰۃ میں دو سو روپے دیئے تو اس کو اختیار ہے کہ خواہ خود کسی غریب کو دیدے یا کسی کے اپنے نائب کے سپرد کر دے کہ تم یہ روپیہ زکوٰۃ میں دیدینا اور نام کا بتلانا ضروری نہیں کہ فلاں کی طرف سے یہ زکوٰۃ دینا، اور وہ شخص روپیہ اگر اپنے کسی رشتہ دار یا ماں باپ کو غریب دیکھ کر دیدے تو بھی درست ہے لیکن

اگر وہ خود ہی غریب ہو تو آپ ہی (خود) لینا درست نہیں البتہ اگر تم نے یہ کہہ دیا ہو کہ جو چاہے کرو اور جسے چاہو دو، تو اسے آپ بھی لے لینا درست ہے۔ (امداد، مسائل زکوٰۃ ص۱۱ بحوالہ فتاویٰ قاضی خاں)۔

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم میں ردّ و بدل کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ کی حد سے کوئی رقم مساکین کو دینے کے لیے دی، اس وکیل نے وہ رقم بدل دی مثلاً اس میں سے دس دس روپے کے دس نوٹ لیے اور سو کا ایک نوٹ اس میں رکھ دیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ یا جو رقم ملی ہے وہی مساکین کو دینا ضروری ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ بہرحال ادا ہو جائے گی، البتہ تبدیلی کا جواز اس پر موقوف ہے کہ مؤکل کی طرف سے تبدیلی کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً موجود ہو، عرف میں اس کی اجازت ہے اس لیے صراحۃً اجازت نہیں بمعہذا صراحۃً اجازت لے لینا بہتر ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۰ ج۴)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم بغیر اجازت مزکی کے زکوٰۃ دینے والے نے جس کو اپنا وکیل بنایا ہو اس کو اپنے مال میں ملا دینا جائز نہیں ہے، اور زکوٰۃ مزکی اس وقت ادا ہوگی کہ مصرف کے پاس پہونچ جائے۔ اور اگر وکیل نے اپنے روپے میں مؤکل (جس نے وکیل، اپنا نمائندہ بنایا) کی رقم زکوٰۃ کو ملا لیا، پس اگر یہ ملانا مؤکل کی اجازت سے ہے تو جس وقت رقم زکوٰۃ علیحدہ کر کے بہ نیتِ زکوٰۃ مزکی کی طرف سے دے گا اسی وقت زکوٰۃ اس کی ادا ہوگی اور اگر بلا اجازت مؤکل کے وکیل نے ایسا کیا تو اس کی (صاحب زکوٰۃ کی) زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور جو کچھ وکیل نے فقراء وغیرہ کو دیا ہوگا وہ وکیل کی طرف سے ہبہ یا صدقہ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۶۳ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۴ ج۲)۔

مسئلہ:۔ کسی غریب کو دینے کے لیے تم نے زکوٰۃ کی رقم کسی کو اپنے نمائندہ یا وکیل کو دی، لیکن اس نے بعینہٖ وہی روپے فقیر کو نہیں دیئے جو تم نے دیئے تھے بلکہ اس نے اپنے پاس سے روپے دیدیئے اور یہ خیال کیا کہ وہ روپے میں لے لوں گا، تب بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی بشرطیکہ تمہارے روپے اس کے پاس موجود ہوں اور اب وہ شخص اپنے روپے کے بدلے میں تمہارے روپے

لے لے، البتہ اگر تمہارے دیئے ہوئے روپے اس نے (وکیل نے) پہلے خرچ کر ڈالے، اس کے بعد اپنے روپے غریب کو دیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی یا تمہارے روپے رکھے تو ہیں لیکن اپنے روپے دیتے وقت یہ نیت نہ تھی کہ میں وہ روپے لے لوں گا، تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اب وہ روپے پھر زکوٰۃ میں دے۔ (بہشتی زیور ص۲۹ ج۳ بحوالہ شامی ص۱۴ ج۲)۔

وکیل کا مدّ زکوٰۃ سے کوئی چیز خرید کر دینا؟

سوال:۔ کیا وکیل زکوٰۃ کی رقم سے کوئی چیز مثلاً کپڑا، جوتہ، غلہ، پھل وغیرہ خرید کر دے سکتا ہے؟

جواب:۔ یہ بھی مؤکل کی اجازت پر موقوف ہے، اگر اس کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اس کی اجازت موجود ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹ ج۴)۔

کیا وکیل اپنے ذی رحم کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کسی کو زکوٰۃ دینے کے لیے وکیل بنایا تو یہ وکیل اپنے ذی رحم کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۸ ج۴)

(یعنی جن رشتہ داروں کو یہ وکیل اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا، لیکن وکیل ہونے کی وجہ سے دوسروں کی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مسئلہ:۔ کسی شخص کا وکیل اپنے لڑکے کو بڑا ہو یا چھوٹا یا اپنی بیوی کو زکوٰۃ دیدے تو جائز ہے بشرطیکہ یہ محتاج ہوں یعنی صاحب نصاب نہ ہوں، البتہ وکیل خود نہ رکھے (درمختار ص۱۳ جلد اول و فتاویٰ عالمگیری ص۲ جلد۴)۔

مسئلہ:۔ زید نے عمر کو زکوٰۃ کا روپیہ تقسیم کرنے کے لیے دیا، عمر صاحب نصاب ہے مگر اس کی بیوی یعنی وکیل کی، مسکین ہے (صاحب نصاب نہیں ہے) تو اس صورت میں عمر اپنی بیوی کو زید کی زکوٰۃ کا روپیہ دے سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۶ جلد۶۔ بحوالہ ردالمحتار ص۱۴ ج۲)۔

کیا وکیل خود زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

سوال:۔ زید نے عمر کو وکیل بنایا کہ سو روپے مستحقین زکوٰۃ کو میری طرف سے

دے دو، اتفاقاً عمر خود ہی فقیر (غریب) ہوگیا۔ وکیل بنانے کے وقت وہ مالدار تھا تو کیا عمر وہ زکوٰۃ خود لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ وکیل کو مؤکل کی زکوٰۃ اپنے مصرف میں لانا اور خود رکھ لینا جائز نہیں ہے مگر جب کہ اس نے یہ کہد یا ہو کہ جہاں چاہے صرف کر۔ پس اگر بعد میں وکیل فقیر ہوگیا اور مؤکل نے یہ کہا تھا کہ جس جگہ چاہے صرف کرلو تو وہ خود رکھ سکتا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم ص۲۸۷ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۵ ج ۲)۔

کیا وکیل زکوٰۃ کو اپنے نفس پر خرچ کرسکتا ہے؟

سوال:۔ زید ایک مسجد میں امام ہے زید کو اہل محلہ صدقاتِ نافلہ یا واجبہ دیدیتے ہیں جو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ مدرسہ کو دے دینا، زید مدرسہ میں دے دیتا ہے، اور جو یہ کہہ دیں کہ کسی طالب علم کو دے دینا تو وہ اپنی صواب دید پر کسی طالب علم کو دے دیتا ہے کبھی کوئی یوں کہہ دیتا ہے کہ جسے آپ مناسب سمجھیں دے دیں، کسی سے بے تکلفی کی بنار پر زید یوں بھی تصریح کرالیتا ہے کہ جو مستحق ہو اُسے دیدوں؟ طالب علم ہو یا غیر طالب علم، وہ یوں کہہ دیتا ہے جی ہاں، جسے چاہیں دیدیں۔ کسی سے زید یوں بھی کہہ دیتا ہے کہ آپ مجھے پیسے دیدیں میں ان شاء اللہ صحیح مصرف میں صرف کردوں گا، وہ دیدیتا ہے، مذکورہ رقوم سے زید کچھ تو مصارف میں صرف کردیتا ہے اور کچھ اپنی ناداری و مفلسی او مقروض ہونے کی بنار پر خود استعمال کرلیتا ہے۔

زید نے یہ مسئلہ سنا ہوا تھا کہ اگر معطی (دینے والا) کہے کہ "جسے چاہو دے دو" تو مستحق ہونے کی بنار پر وکیل خود بھی رکھ سکتا ہے، اب زید کو احساس ہوا کہ شامی کے جزیہ کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ زید متفکر و مغموم ہے کہ یہ میں نے کیا کیا، نہ تو اب حساب یاد ہے کہ کس کے کتنے پیسے خود صرف کیئے اور کتنے دیئے اور اگر تخمینہ لگایا جائے تو پیسے کہاں؟ اور نہ ہی دینے والوں کو آگاہ کیا جاسکتا ہے، یہ بہت شرمندگی کی بات ہے کیونکہ اس کو اچھا تصور کرتے ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟

بہشتی زیور اختری ص۳۱ جلد ۳ میں ہے کہ اگر تم نے یہ کہہ دیا ہو کہ جو چاہے کرو اور

جسے چاہے دے دو تو آپ (وکیل کا) بھی لے لینا درست ہے، اور "جسے چاہے دے دو" اگر عطف تفسیری ہے تو ظاہر ہے، بصورتِ دیگر یہ کس کا ترجمہ ہے؟۔

جواب :۔ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، شامی کا جزیہ "ضعها حيث شئت" کا ترجمہ ہے "جہاں چاہو خرچ کرو"، یہ جملہ تملیک ہے، اور "جسے چاہو دے دو" توکیل ہے، عرفِ عام میں "بہشتی زیور" کے دوسرے جملہ کو جملۂ اُولیٰ پر تفریع قرار دیا جاتا ہے، یعنی بعد تملیک چاہو اپنے مصرف میں لاؤ یا دوسرے کو دے دو۔

گزشتہ کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے، بہ صرف ایک تدبیر ہوسکتی ہے کہ مُزکّی یعنی جن لوگوں نے زکوٰۃ کا وکیل بنایا تھا، ان سے کہے کہ "لاعلمی کی وجہ سے مجھ سے رقم غیر مصرف میں لگ گئی ہے جس کا ضمان مجھ پر واجب ہے اور میری ہمت واستطاعت نہیں کہ آپ کا یہ قرض ادا کرسکوں، اس لیے آپ مجھے اتنی رقم مقدار مذکورہ سے دے کر، تو مجھ سے واپس لے لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی ص۲۹۰ جلد۴)۔

مسئلہ :۔ خود رکھ لینے اور صرف کرلینے میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس کے (زید کے) ذمہ ضمان اس روپیہ کی واجب ہے اور بعد صرف کرلینے کے زید کا جائز رکھنا کافی نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۹۰ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۲ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)

وکیل کے پاس سے زکوٰۃ کی رقم ضائع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سُوال :۔ زید نے خالد کو زکوٰۃ کی رقم کسی مسکین کو ادا کرنے کے لیے دی، جو خالد کے پاس سے ضائع ہوگئی، ایسی صورت میں زید کے ذمہ جو زکوٰۃ واجب الادا تھی وہ ادا ہوگی یا نہیں؟ تو کیا خالد کے ذمہ اس رقم کا زید کو واپس کرنا واجب ہوگا؟

جواب :۔ زید کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اگر خالد نے حفاظت میں غفلت نہیں برتی تو خالد اس رقم کا ضامن نہ ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۸۹ جلد۴)۔

زکوٰۃ میں حیلہ کرنا کیسا ہے؟

سُوال :۔ مدارس میں چندہ دوامی بہت کم ہے اور مد زکوٰۃ وصدقہ واجبہ مثلاً کفارہ (روزہ)

وچرم قربانی وغیرہ وغیرہ کا روپیہ زیادہ جمع ہوتا ہے چوں کہ چندہ دوامی میں سے مدرسین کی تنخواہ پوری نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کا روپیہ جمع ہوتا ہے، اس لیے مدرسہ والے اس طرح حیلہ کراتے ہیں کہ کسی غریب کو وہ روپیہ دے کر مالک بنا دیتے ہیں اور اس سے یہ کہدیتے ہیں کہ تم اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدو، اس طرح حیلہ کرکے زکوٰۃ کا روپیہ مدرسین کی تنخواہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:- یہ حیلہ درست ہے اور اس حیلہ کے بعد مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرنا جائز ہے اور جس قدر روپے کا حیلہ چاہے ایک وقت کرے (کیونکہ) اس میں قدرِ نصاب کی شرط لازمی نہیں ہے صرف اَولیٰ اور غیر اَولیٰ کا فرق ہے اور حیلہ کرنے والوں اور کرانے والوں کو کچھ گناہ نہیں ہے۔ نیتِ صالح پر ثواب کی امید ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۱۰۴ جلد ۲ بحوالہ رد المحتار صـ۱۶ جلد ۲ وفتاویٰ محمودیہ صـ۳۰ جلد ۳ وکفایت المفتی صـ۲۸۶ جلد ۴)۔

حیلہ میں شرط لگانا کیسا ہے؟

سُوال:- زکوٰۃ کی رقم غریبوں کو یوں کہہ کر دیوے کہ اس کو قبول کرکے فلاں مدرسہ میں دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب:- مدار نیت پر ہے، وہ درست ہوگی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی ورنہ ادا نہ ہوگی صورتِ مسئولہ میں ادائیگی کے سلسلہ میں شبہ ہے۔ کوئی شخص حیلہ کرنے پر مجبور ہو تو زکوٰۃ کی رقم حقدار کو کچھ کہے بغیر مالک بنادے پھر اس کو مدرسہ وغیرہ میں دینے کی ترغیب دے اگر وہ خوش دلی سے دیدے تو فبہا، ورنہ اس پر کوئی الزام نہیں۔ یعنی اگر وہ خرچ کرنا قبول نہ کرے تو اس پر کسی قسم کا الزام نہیں کیونکہ وہ شخص مالک ہوچکا۔ نیت وطریقہ کار کی درستگی پر پورا دار ومدار ہے وہ درست ہو تو زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی، تملیک کے لیے ظاہری ردّ وبدل کافی نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صـ۹ جلد ۲ وفتاویٰ محمودیہ صـ۵۵ ج ۳)

حیلہ میں تملیک کی شرط کیوں ہے؟

سُوال:- دین کی خدمت انجام دینے والوں کو زکوٰۃ سے مشاہرہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور امام صاحبؒ نے تملیک کی شرط کیوں لگائی ہے "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ"

میں لام منفعت کے لیے بھی ہو سکتا ہے، اس کو تملیک پر محمول کرنے کا کیا منشا رہے، اس بارہ میں کوئی صریح حدیث ہے یا نہیں؟

جواب: ۔ زکوٰۃ میں تملیک فقراء وغیرہم شرط ہے جیسا کہ آیت "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الآیۃ" سے مستفاد ہے کیونکہ اول تو صدقہ کا لفظ ہی تملیک فقیر کو چاہتا ہے اور پھر لام تملیک اس کی صریح دلیل ہے، اور نفع کے لیے کہنا بھی اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ نفع تام بعد تملیک کے مملک لہٗ کو ہوا جس کو مالک بنایا گیا، ہو سکتا ہے اور حدیث شریف میں تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ إِلَىٰ فُقَرَائِهِمْ (رد المحتار ص۸۳ ج ۲ باب المصرف) بھی اس کی دلیل ہے، کیونکہ "تؤخذ" سے خروج عن ملک الاغنیاء ثابت ہے (یعنی مالداروں کی ملکیت سے نکلنا مال کا ثابت ہو رہا ہے)۔ اور "الی فقرائهم" ملک فقراء کو مقتضی ہے۔

بہر حال جب کہ زکوٰۃ میں تملیک فقراء ضروری ہوئی اور صدقہ کا لفظ اس کو چاہتا ہے کہ بلا کسی معاوضہ کے ہو، ورنہ صدقہ نہ رہے گا تو ملازمین و مدرسین کی تنخواہ میں دینا زکوٰۃ کا جائز نہ ہوا اور ایسے مصارف میں خرچ کرنے کے لیے حیلۂ تملیک ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ چنانچہ صاحب ہدایہ جگہ جگہ عدم تملیک کو عدم علت جواز قرار دیتے ہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۷۴ جلد ۶ بحوالہ ہدایہ باب من یجوز دفع الصدقات ص۱۸۸ جلد اول و فتح القدیر ص۲۲۳ جلد)

اگر حیلہ میں تملیک مقصود نہ ہو؟

سوال: ۔ بعض حضرات زکوٰۃ کا روپیہ تبلیغ کے لیے دیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ حیلہ کر لیا جائے جبکہ تملیک میں لینے والا اور دینے والا دونوں بخوبی جانتے ہیں کہ تملیک مقصود نہیں ہے تو کیا اس حیلہ سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی؟ اور وہ روپیہ اس غرض کے لیے جائز بھی ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب: ۔ حیلہ فقہاء نے لکھا ہے اور شرعاً جائز ہے اور یہ امور جن کو آپ نے لکھا ہے مانع اس حیلہ سے نہیں ہیں یعنی باوجود ان خیالات کے یہ حیلہ صحیح ہے اور اس حیلہ کا کر لینا

ضروری ہے تاکہ زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے۔ پھر مہتمم وغیرہ منتظمین کو اختیار ہوتا ہے کہ جس مصرف مناسب میں چاہیں صرف کریں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۹۹ ج۲)

مسئلہ: زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ تملیک فقراء ہو یعنی محتاجوں کو اس کا مالک بنایا جائے اور تملیک فقراء نہ ہوگی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی پس اگر سوائے زکوٰۃ کی رقم کے اور کوئی صورت چندہ کی نہیں ہے تو زکوٰۃ کے روپے کو اس کام میں خرچ کرنے کے جواز کی یہ صورت ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا مالک اول کسی ایسے شخص کو بنا دیا جائے کہ وہ مالکِ نصاب نہ ہو پھر وہ اپنی طرف سے جلسہ مذکورہ کے مصارف میں صرف کر دے تو اس صورت میں زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور جلسہ کے مصارف کا بھی انتظام ہو جائے گا اور اس کی تشریح زبانی کسی واقف سے کرلیں وہ تملیک کی صورت کو پوری طرح سمجھا دیں گے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۶۹ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۶ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)

(حیلہ کا مقصد اگر خواہ مخواہ بلا وجہ اور بلا ضرورت شدیدہ شریعت کے ایک حکم کو بے معنی بنا دینا اور اپنی خواہشات کی تکمیل اور نفع کی تحصیل ہو تو ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہوگا اور عند اللہ اس کی باز پرس بھی ہوگی لیکن اگر کسی واقعی دینی مصلحت کے پیش نظر ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے تو اجازت ہے، کیونکہ حیلہ کی اصل یہ ہے کہ قانونی اور اصولی بات طے ہو جاتی ہے مثلاً زکوٰۃ کا مصرف فقیر و محتاج اور مستحق ہے، وہ اسے مل گئی، اب وہ بحیثیت مالک ہونے کے جو چاہے کر سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ حیلہ خواہ مخواہ کرنا کرانا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحقین ہیں وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں اسی لیے حضرت مفتی علام رح فرما رہے ہیں کہ اگر انتہائی مجبوری ہے کہ کوئی رقم عطیہ وغیرہ کی نہیں ہے اور نہ ملنے کی امید ہو تو اس مجبوری کے تحت یہ صورت اختیار کی جائے۔ واللہ اعلم۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسجد کے لیے حیلہ تملیک کرنا کیسا ہے؟

سوال: ایک مسجد میں پنکھے کی ضرورت تھی، متولی مسجد خود مصرف زکوٰۃ

تھا، میں نے زکوٰۃ کی نیت سے پنکھا متولی کو دے دیا، اور اس نے وہ پنکھا اپنی طرف سے مسجد میں لگا دیا۔ کیا میری طرف سے زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہوگی؟

جواب: اگر آپ نے متولی کو مالک بنا دیا ہو خواہ مسجد میں دینے کی شرط سے یا بغیر شرط، اس نے آپ کی مروت میں بلا طیب خاطر مسجد کو دے دیا، بہرحال زکوٰۃ ادا ہوگی، مگر شرط لگائے یا بلا شرط مروۃً مسجد کو دینے کا آپ کو گناہ ہوگا اور پنکھا مسجد میں لگانا جائز نہ ہوگا، بطیب خاطر ہو تو جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۶ جلد۴)

مسئلہ: زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کا جنریٹر نہیں خریدا جا سکتا ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی غریب آدمی قرض لے کر جنریٹر خرید کر مسجد کو دیدیے اور زکوٰۃ کی رقم اس غریب کو قرض ادا کرنے کے لیے دیدی جائے۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۵ جلد۳)۔

حیلہ کے ذریعہ قبرستان کے لیے زمین وقف کرنا

سوال: ایک شخص زکوٰۃ کی رقم سے قبرستان کے لیے زمین خرید کر وقف کرنا چاہتا ہے اس طور سے کہ زکوٰۃ کا مال کسی محتاج کو دیدیا جائے اور وہ زمین خرید کر قبرستان کے لیے وقف کردے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور ثواب محتاج کو ہوگا یا زکوٰۃ دہندہ کو بھی؟

جواب: اس طریق سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اول کسی محتاج کو وہ روپیہ زکوٰۃ کا دیدیا جائے اور اس کو مالک بنا دیا جائے، پھر اس کو مشورہ دیا جائے کہ وہ اس روپیہ سے زمین خرید کر قبرستان کے لیے وقف کردے تو یہ صورت جائز ہے لیکن مالک ہونے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ وہ ایسا کرے یا نہ کرے، اور اگر وہ ایسا کرے تو ثواب دونوں کو ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۸۶ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۶ جلد۲ و فتاویٰ محمودیہ ص۹۹ جلد۱۳)۔

زکوٰۃ کی رقم سے قبرستان پر قبضہ لینا کیسا ہے؟

سوال: ہمارے شہر میں چند مساجد اور قبرستان غیر مسلم کے قبضہ میں آگئے ہیں اور ان میں نہایت بے ادبی ہوتی ہے۔ آیا ان کو چھڑانے کے لیے زکوٰۃ کا روپیہ کام آسکتا ہے یا نہیں؟

جواب :۔ زکوٰۃ کے روپے سے یہ کام نہیں ہو سکتا کیونکہ زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی محتاج یا چند محتاجوں اور مساکین کو بلا معاوضہ اس روپے کا مالک بنادیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۶۶ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۸۵ ج۲ وفتاویٰ محمودیہ ص۹۹ ج۱۳)۔

قبرستان میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

سوال :۔ ایک قبرستان میں مسجد ہے اور اس کے چار طرف تالاب ہے تو اگر بغرض حفاظت اراضی قبرستان میں زکوٰۃ کا روپیہ صرف کریں تو کیسا ہے؟

جواب :۔ مسجد کی تعمیر اور قبرستان دونوں جگہ زکوٰۃ کا روپیہ صرف کرنا درست نہیں ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۳ جلد۶ بحوالہ عالمگیری باب المصارف ص۱۸۸ جلد اول)۔

مقدمہ میں زکوٰۃ کی رقم دینا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ اگر وہ (صاحب مقدمہ) مستحق زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ کا روپیہ دے دیا جائے اور وہ اس روپیہ پر قبضہ کرکے اپنے مقدمہ میں خرچ کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اگر زکوٰۃ کا روپیہ (صاحب مقدمہ کو) نہ دیا بلکہ برادری (پنچایت وغیرہ) جمع کرکے اس کے مقدمہ میں خرچ کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۵۲ ج۳)

(نوٹ :۔ چوں کہ برادری کے جمع کرنے کی صورت میں مستحق کو مالک بنا کر دینا نہیں پایا گیا جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے، اس لیے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

اشیاء کی شکل میں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ زکوٰۃ کے روپے سے کسی مستحق کو کپڑے بنا کر دیدیئے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۶ جلد۶)۔

مسئلہ :۔ زکوٰۃ کی رقم سے چاول خرید کر سال بھر تک فقیروں کو بھیک دینے (تقسیم کرنے) سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۳ ج۶ بحوالہ ردالمحتار باب الغنم ص۲۹ ج۲)

مسئلہ :۔ اگر اپنا عزیز (مستحق زکوٰۃ) زکوٰۃ کے نام سے روپیہ لیتا ہوا شرمائے تو اس طرح دیدینا درست ہے کہ اس رقم سے بچوں کے کپڑے (میری طرف سے) بنوا دینا، اپنی نیت

دل میں زکوٰۃ کی کرلینا کافی ہے، جس کو دی جائے اس پر ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے (فتاویٰ دار العلوم ص۱۹۷ جلد۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۷ جلد اول)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم سے مستحقین کو کھانا پکا کر کھلا دیا جائے (یعنی ان کو دیدیا جائے مالک بنا دیا جائے) یا کوئی چیز خرید کر دے دی جائے تو درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۰۵ جلد۶ وفتاویٰ محمودیہ ص۱۱۴ جلد۱۳)۔

مسئلہ:۔ مدرسہ میں جو روپیہ زکوٰۃ کا آتا ہے اس کا مدرسہ کے مہتمم کو اختیار ہے کہ خواہ نقد طلبہ کو دے خواہ کپڑا خرید کر تقسیم کردے یا کتابیں خرید کر دیدے سب جائز ہے (فتاویٰ دار العلوم ص۲۱۵ جلد۶)۔

(لیکن مستحقین کو مالک بنا دینا چاہیئے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا غلہ فروخت کر کے کسی مسکین کو کھانا کھلا دے (مالک بنا دے) یا کپڑا بنا دے تو درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۱ جلد۶)۔

مسئلہ:۔ مستحقین کو اشیاء (سامان وغیرہ) کی شکل میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، لیکن یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ ردّی وخراب قسم کی چیزیں نہ دی جائیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۲ ج۳)

مسئلہ:۔ اپنی زکوٰۃ میں روپے (رقم، نقد کیش) کے بجائے غلہ یا کپڑا خواہ گھر سے (اگر موجود ہو) غلہ کپڑا وغیرہ حساب کر کے دیدے یا بازار سے خرید کر دیدے، دونوں صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۸۵ ج۶)

زکوٰۃ کی رقم افطاری یا شبینہ میں خرچ کرنا؟

مسئلہ:۔ رمضان المبارک کی افطاری یا شبینہ میں زکوٰۃ کا دینا (خرچ کرنا) اس طرح تو جائز ہے کہ وہ افطاری کھانے والے یا شبینہ کا کھانا کھانے والے مسکین ہوں (غیر صاحب نصاب) اور تملیکاً ان کو کھانا یا افطاری تقسیم کردیا جائے اور اگر (کھانا) کھلاتے ہیں، مالدار غنی ہوں تو جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۵۵ جلد۴)۔

زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتب و قرآن مجید تقسیم کرنا؟

سوال:۔ ایک دینی کتاب چھپوائی گئی، اور تاجرانہ نرخ

پر قیمت لگا کر مستحقینِ زکوٰۃ کو دی گئی، بقدر رقم زکوٰۃ سے زائد نسخے اہلِ علم (حضرات جو کہ مستحقین زکوٰۃ نہیں) کو بطور ہدیہ دیے گئے تو کیا اس صورت میں شرعاً زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی قباحت تو نہیں؟

جواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بلاشبہ بغیر کسی قباحت کے زکوٰۃ ادا ہوگئی، بلکہ یہ کتبِ دینیہ کی اشاعت کا بہترین ذریعہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ صـ۲۸۳ جلد۴)۔

مسئلہ:۔ مدِّ زکوٰۃ میں ہر چیز رائج قیمت پر لگا کر دی جاسکتی ہے بشرطیکہ بصورتِ تملیک دی جائے یعنی فقیر کو اس کا مالک بنا دیا جائے، پس دینی کتابیں اگر مستحقین کی ملک میں دے دی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، ہاں اگر مدرسہ میں وقف کردیں یا طلبہ کو عاریۃً مطالعے کے لیے دیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ صـ۲۹۲ جلد۴)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے روپے سے طلبہ کو کتابیں یا سیپارے دلا دینا درست ہے۔ (فتاوٰے دار العلوم صـ۲۰۰ جلد۶)۔

مسئلہ:۔ قرآن شریف زکوٰۃ کے روپے سے خرید کر اگر غریب لڑکوں یا بڑوں کو تقسیم کردیئے جائیں تو یہ جائز ہے اور زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔ اور جو قرآن شریف امیروں کو دیا اس کی قیمت کے موافق زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، وہ پھر دینی ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۲۶۳ ج۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۱۷ جلد۲)۔

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر یا چھپوا کر مستحق علماء اور طلباء کو مالک بنا دیا جائے یا مدِّ زکوٰۃ سے دینی کتابیں چھپوا کر تاجرانہ نرخ (ریٹ) پر قیمت لگا کر مستحقِ زکوٰۃ اہلِ علم کو دے دی جائیں تو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۲۱۵ جلد۶ و احسن الفتاویٰ صـ۲۰۲ جلد۴)۔

زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر وقف کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ مالِ زکوٰۃ سے اگر کوئی شخص کسی مدرسہ اسلامیہ کے کتب خانہ (لائبریری) کے لیے کتابیں خرید کر وقف کردے؟

جواب:۔ زکوٰۃ میں تملیکِ محتاج شرط ہے، مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، یا تو

زکوٰۃ کی رقم ویسے ہی غریب طلباء کو تقسیم کردے اور اگر کپڑے یا کتابیں اس سے بنا دے یا خرید دے تو وہ مملوک غرباء کی کردے یعنی ان کو دے دے اور تقسیم کردے مالک بنادے کسی مدرسے کے کتب خانہ میں وہ کتابیں رکھنے (وقف کرنے) سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۶۲ جلد ۶)۔

زکوٰۃ کی رقم سے خریدی ہوئی کتابیں مطالعہ کرانے کے لیے رکھنا

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر اپنے پاس (اس طور پر) رکھے کہ جس کو ضرورت ہو وہ دیکھے (مطالعہ کرے) مگر کسی کو لے جانے کی اس طور سے اجازت نہیں کہ وہ مالک بن جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۸ ج ۶)۔

زکوٰۃ کی رقم سے اسکول کا سامان خریدنا؟

سوال:۔ ایک شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم سے اسکول میں بچوں کے لیے کرسی تخت وغیرہ بنانا چاہتا ہے تو اس رقم کو کس طرح استعمال کرے؟

جواب:۔ ادائے زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے یعنی زکوٰۃ کے حقدار کو رقم بلاعوض مالک ومختار بنا دینا ضروری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مدرسہ واسکول کے ساز وسامان کے بنانے میں یہ علت نہیں پائی جاتی، لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ہاں اگر مستحق زکوٰۃ کو بلاعوض مالک بنا دے اور پھر وہ اپنی طرف سے بخوشی سامان بنانے کے لیے رقم دے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور اس کو بھی ثواب ملے گا لیکن پہلے سے رقم واپس لینے یا سامان بنا دینے کے متعلق گفتگو نہ کرے، کیونکہ ظاہری لینے دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، حقیقۃً تملیک شرط ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۱۱ ج ۲)۔

زکوٰۃ کی رقم سے رسالہ جاری کرانا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ کا روپیہ کوئی شخص کسی رسالہ کے ادارے میں دیدے اس خیال سے کہ رسالہ کسی نادار مفلس کو یا طالب علم کو سال بھر تک پہونچایا جائے تو کیا زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

جواب:۔ جاری رسالہ جتنی قیمت کا رسالہ مفلس کے پاس پہونچے گا اتنی زکوٰۃ ادا ہوجائے

ایسا کرنا ادارہ کو وکیل بنانا ہے کہ تم اولاً اپنا رسالہ ہمارے ہاتھ فروخت کردو، پھر ہماری طرف سے وکیل ہوکر وہ رسالہ فلاں شخص (مستحق زکوٰۃ) کو دے دو۔ یا خود خرید کر فلاں شخص کو قبضہ کے لیے وکیل بنانا ہے اور بعد القبض اس کو مالک بنانا ہے اور دونوں طرح زکوٰۃ کا ادا کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ صنہ جلد۳)۔

زکوٰۃ کی رقم سے کارخانہ لگانا؟

سوال:۔ کیا زکوٰۃ کی رقم سے "مل اور صنعتی کارخانے لگائے جاسکتے ہیں تاکہ غرباء، ونادار مستحقین زکوٰۃ کی بہترین اور مستقل طور پر مدد کی جاسکے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے فقیر کو مالک بنانا شرط ہے۔ صنعتی کارخانہ لگانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

ہاں! اگر کارخانہ لگاکر ایک فقیر (مستحق) کو یا چند فقراء کو آپ اس کا مالک بنادیتے ہیں جتنی مالیت کا وہ کارخانہ ہے اتنی مالیت کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (آپ کے مسائل صـ۳۸۳ جلد۳)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم جب تک کسی فقیر محتاج (یعنی غیر صاحب نصاب) کو مالک نہیں بنادیا جائے گا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ان کو اس رقم کا مالک بنا دینے کے بعد اگر ان کی اجازت و توکیل سے کوئی (کاروبار کا) انتظام کیا جائے تو درست ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل صـ۳۸۲ جلد۳)۔

زکوٰۃ کی رقم سے مکان بناکر کسی غریب کو دیدینا؟

مسئلہ:۔ کسی نے زکوٰۃ کی رقم اصل مال سے الگ نہیں کی ہے اور مجموعہ رقم سے ذاتی طور پر ایک مکان تعمیر کرکے جو رقم خرچ ہوئی اس کا حساب لگاکر زکوٰۃ کی نیت سے کسی نادار بے گھر فقیر کو مکان کا مالک بناکر فقیر کے نام رجسٹری کراکے قبضہ دلادیا اور اس میں اپنا کوئی حق و تعلق باقی نہیں رکھا تو اس طرح مکان بنادینا بلاکراہت جائز اور درست ہے، اس لیے کہ فقیر کو اس سے مالدار صاحب نصاب نہیں بنایا گیا بلکہ صرف ضرورت کا مکان فراہم ہوا ہے۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھدی ہے اور اپنی ذاتی رقم سے مکان بناکر زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو مالک بناکر رجسٹری قبضہ دیدیا ہے پھر مدِ زکوٰۃ سے اتنی رقم واپس لے لیتا ہے تو یہ صورت بھی بلاکراہت جائز ہے۔

مسئلہ:۔ فقیر کو نصاب سے کچھ کم کر کے قسط وار رقم دیتا رہے اور وہ فقیر رقم کو تعمیر میں خرچ کرتا جائے۔ اگر فقیر کے پاس زمین نہیں تو پہلے زمین خرید کر مالک بنا دیا جائے۔ اور اس کے بعد قسط وار زکوٰۃ کی رقم دیتا رہے اور فقیر تعمیر کرتا رہے اور اس طرح مکان مکمل کرلے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ (ایضاح المسائل ص۱۱۵ و احسن الفتاوی ص۲۹۹ ج۴)

زکوٰۃ کی رقم سے سوسائٹی کے ذریعہ مکان بنوانا؟

مسئلہ:۔ کسی کمیٹی یا سوسائٹی کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے اور وہ زکوٰۃ کی رقم سے مکان کی تعمیر کراکر فقیر کو مالک بنا دے جیسا کہ بعض جگہ ایسا عمل جاری ہے اس میں زکوٰۃ تو ادا ہو جاتی ہے لیکن اس میں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم کا فقیر کو مالک بنانے سے پہلے وہ رقم اسبابِ تعمیر کی خریداری میں صرف کردی جاتی ہے اور زکوٰۃ کی اصل رقم فقیر تک نہیں پہونچ پاتی ہے اور درمیان میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔ تو ایسی صورت میں اگرچہ زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے لیکن یہ امر ممنوع ہے۔ اب اس صورت کا بہترین حل یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے کمیٹی کو اپنی مجموعی اصل رقم سے مکان بنانے کا وکیل بنایا جائے اور جب مکان تیار ہوجائے تو اس کے بعد حساب لگا کر زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو مکان کا مالک بناکر رجسٹری و قبضہ دیدیا جائے اور اتنی رقم مدِ زکوٰۃ سے وصول کرلی جائے تو بلاکراہت جائز ہوسکتا ہے، لیکن اگر کمیٹی سے رقم ضائع ہوجائے تو کمیٹی ضامن بھی نہیں ہوگی کیونکہ کمیٹی محض وکیل اور امین ہے اور امانت کی رقم ہلاک ہونے سے تاوان لازم نہیں آتا۔

مذکورہ چاروں صورتوں میں صاحبِ نصاب اگر اپنے احسان کی وجہ سے فقیر پر کسی قسم کا یا کسی بات میں دباؤ ڈالتا ہے تو سارا ثواب رائیگاں ہوجائے گا اور فقیر کی ملکیت میں کوئی بھی فرق نہیں آئے گا۔ (ایضاح المسائل ص۱۱۶ و فتاوی رحیمیہ ص۱۶۱ جلد ۵)۔

زکوٰۃ کی رقم سے شرائط کے ساتھ مکان تقسیم کرنا

سوال: معلوم یہ کرنا ہے کہ زکوٰۃ کی مَد سے تعمیر کیے گئے فلیٹ حسب ذیل شرائط پر مستحقین زکوٰۃ کو دیئے گئے ہیں، تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ شرائط یہ ہیں:۔

(۱) یہ فلیٹ کم از کم پانچ سال تک آپ کسی کے ہاتھ بیچ نہیں سکیں گے، زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ (۲) متعلقہ فلیٹ آپ کو استعمال کے لیے دیا جا رہا ہے، اس میں آپ کرایہ دار نہیں رکھیں گے، پگڑی پر نہیں دے سکیں گے اور دوسرے شخص کو استعمال کے لیے بھی نہیں دے سکیں گے۔ (۳) اگر آپ نے یہ فلیٹ کسی کو پگڑی پر دیا یا کرایہ پر دیا تو اس کی اطلاع جماعت (کمیٹی) کو ملنے پر آپ کے فلیٹ کا حق منسوخ کر دیا جائے گا۔ (۴) فلیٹ کی رقم جو جماعت مقرر کرے وہ ہر ماہ ادا کر کے اس کی رسید حاصل کرنی پڑے گی۔ (۵) فلیٹ کی وساطت کسی دوسرے فلیٹ کے قبضہ دار سے بدلی نہیں کیا جا سکے گا۔ (۶) اس عمارت کی چھت جماعت کے قبضہ میں رہے گی۔ (۷) مستقبل میں فلیٹ بیچنے یا چھوڑنے کی صورت میں جماعت سے نوابجکشن سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد مزید کارروائی ہو سکے گی۔ (۸) بیان کردہ شرائط کے علاوہ جماعت کی جانب سے عمل میں آنے والے نئے احکامات اور شرائط کو مان کر ان پر بھی عمل کرنا ہوگا۔

بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی کرنے والے ممبر سے جماعت فلیٹ خالی کرا سکے گی، اور اس میں رہنے والے کو اس پر عمل کرنا اور قانونی حق سے چھوڑنا ہوگا۔

براہِ مہربانی جواب عنایت فرمائیں، کیونکہ ہمارے یہاں اس اسکیم میں کروڑوں روپے زکوٰۃ کی مَد میں لوگوں سے وصول کر کے لگائے جا رہے ہیں۔

جواب:۔ زکوٰۃ جب ادا ہوتی ہے جب کہ محتاج کو زکوٰۃ کے مال کا مالک بنا دیا جائے اور زکوٰۃ دینے والے کا اس (رقم) سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ رہے، آپ کے ذکر کردہ شرائط نامہ میں جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں وہ عاریت کی ہیں (عارضی طور پر دینے کی) تملیک کی نہیں۔ لہٰذا ان شرائط کے ساتھ اگر کسی کو زکوٰۃ کی رقم سے فلیٹ (مکان وغیرہ) بنا کر دیا گیا

تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ زکوٰۃ کے ادا ہونے کی صورت یہی ہے کہ جن لوگوں کو یہ فلیٹ دیئے جائیں ان کو مالک بنا دیا جائے اور ملکیت کے کاغذات سمیت ان کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں کہ یہ لوگ ان فلیٹوں میں جیسے چاہیں مالکانہ تصرف کریں، اور جماعت (کمیٹی یا سوسائٹی) کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ ہو۔ اگر ان کو مالکانہ حقوق نہ دیئے گئے تو ان زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور ان پر لازم ہوگا کہ اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں (آپ کے مسائل ص۳۸۹ جلد۳)۔

زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر مستحقین کو معمولی کرایہ پر دینا؟

سوال:۔ ہم لوگوں نے ایک قطعۂ زمین کرایہ پر لیا ہے، اس میں مکانات تعمیر کرکے غرباء کو معمولی کرایہ پر دینے کا ارادہ کیا ہے اور یہ مکانات زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کیے جائیں گے اور زمین کا کرایہ ہمیں ادا کرنا پڑیگا تو اس طرح مکانات کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟۔

جواب:۔ صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کے پیسوں سے زمین خریدنا یا مکانات تعمیر کرانا درست نہیں ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کے حقداروں کو بلا شرط عوض مالک بنا دیا جائے اور وہ شرط یہاں پائی نہیں جا رہی ہے (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۱ جلد۵)۔

غریب کو بغیر کرایہ کے زکوٰۃ کی نیت سے رکھنا؟

مسئلہ:۔ مال کے ایک حصہ کا مالک مسلمان مستحق کو بنا دینا زکوٰۃ ہے۔ مال کا حصہ کہنے سے نفع خارج ہوگیا یعنی نفع زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی نے فقیر کو اپنے گھر میں (بغیر کرایہ کے) سال بھر ادائے زکوٰۃ کی نیت سے رکھا، تو اس سے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں گھر والے نے نفع کا مالک بنایا ہے مال کا نہیں بنایا۔ کیونکہ یہ منفعت (یعنی رہائش کا فائدہ) عین متقوّمہ (قیمتی مادی شے) نہیں ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۱۹۸ جلد اول)۔

زکوٰۃ کی رقم سے غریب کے مکان کی مرمت کرانا؟

مسئلہ:۔ اگر مستحق

کو زکوٰۃ کی رقم نہ دی بلکہ اس کے گھر کی مرمت (ٹھیک کرانے) میں خرچ کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ رقم زکوٰۃ کے مستحق کو دے کر اس کو قطعی طور پر مالک بنا دیا جائے پھر وہ اپنی طرف (مرضی) سے مکان بنائے یا مرمت کرائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۴۱ جلد۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۵ جلد۲)۔

حکومت سے ملحق مدارس میں زکوٰۃ دینا؟

سوال :- جو مدارس گورنمنٹ سے ملحق ہوں، ان میں صدقہ فطر، زکوٰۃ چرم قربانی وغیرہ دینا کیسا ہے، جب ہمیں خوف اس بات کا ہے کہ آج نہیں تو کل یہ مدارس ہمارے ہاتھوں سے نکل سکتے ہیں اور حکومت ان پر قبضہ کر سکتی ہے۔

جواب :- اگر ان مدارس میں ان رقوم کے مستحقین اور مصارف موجود ہوں تو یہ رقوم بلا کراہت ان پر دینا جائز رہیں گی۔ (نظام الفتاویٰ ص۴۶۲ جلد اول)

مسئلہ :- جب کہ مدرسہ کے مصارف دوسرے ذرائع سے پورے ہو جاتے ہیں تو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے خرچ نہ کرنی چاہیئے اور اب چونکہ وہ نیم سرکاری مدرسہ ہو گیا ہے اس لیے غربا اور طلبا مدارس اسلامیہ اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۱۱ جلد۳)

جس مدرسہ میں زکوٰۃ کی مَدّ نہ ہو وہاں زکوٰۃ دینا؟

سوال :- زکوٰۃ ایسے مدارس اسلامیہ میں دینا جس میں علاوہ تنخواہ مدرسین صاحب نصاب کے دوسری مَد نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۵۱ جلد۶ بحوالہ رد المحتار باب المصرف ص۷۹ جلد۲)۔

فرضی مدرسہ کے نام سے زکوٰۃ وصول کرنا

سوال :- کسی شخص نے زکوٰۃ و فطرہ و چرم قربانی وغیرہ کا روپیہ وصول کر لیا تھا کہ فلاں جگہ مدرسہ قائم کروں گا اور وہ قائم نہیں ہوا تو کیا دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے؟ اگر خرچ نہ کرے تو عند اللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

جواب :- زکوٰۃ کو اس کے مصرف میں صرف کر دینا چاہیئے، اگر ایک مصرف میں کسی وجہ سے

صرف نہیں ہو سکا تو دوسرے میں صرف کر دے، جس کا بہترین مصرف طلبا، علم دین ہیں اگر یہ شخص اس کو اس کے مصرف میں صرف نہیں کرے گا تو عنداللہ ماخوذ (پکڑا ہوا) ہوگا، اس کو اس کے خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۵۳ جلد ۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۴۲ جلد ۲)۔

مستحق طلباء کی آمد کی امید پر چندہ کرنا؟

سوال:- ایک مولوی صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جس میں خالص عربی و فارسی کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور وہ ہر قسم کا چندہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ رقوم جمع ہو جائے تو یہاں پر کھانے کا انتظام کیا جائے گا۔ کیا اس امید پر ہر قسم کا چندہ لینا جائز ہے؟

جواب:- اگر فی الحال غریب مستحق طلباء کے لیے رقم ناکافی ہونے کی وجہ سے کھانے کا انتظام نہیں، اور وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس کا انتظام کریں اور اس کی غالب توقع ہو تو وہ اسی رقم بھی لے سکتے ہیں مگر اس کا خیال رہے کہ جو رقم جس مد کے لیے لی جائے اسی مد میں اس کا خرچ کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۳۴ جلد ۱۲)

وبعض دینی درسگاہوں اور فلاحی اداروں کی ناکامی کا ایک بڑا اور اولین سبب یہی ہے کہ چندوں کے ذریعے حاصل ہونے والا جو سرمایہ خرچ ہوا اس میں یہ حقیقت پیش نظر نہیں رکھی گئی کہ اس میں مالِ حرام کس قدر شامل ہے اور غصب کے یہ پتھر، مدارس کی بنیادوں میں نصب ہو گئے، گئے جو ان کی ناکامی، خرابی اور ویرانی کی اصلی اور حقیقی وجہ بن گئے بلکہ "اَكّٰلِهِمُ السُّحْتَ" (حرام کھانے پر گرتے ہیں) کے عادی سرمایہ داروں کی رفاقت خود علمائے امت کی نیک نامی کو داغدار کر گئی۔ حاشیہ فقہ الزکوٰۃ ص۴۲۵ جلد دوم)۔

مہتمم طلباء کا وکیل ہے یا معطی کا؟

مسئلہ:- حامداً ومصلیاً۔ مہتمم مدرسہ کو ارباب اموال (مالداروں) نے صراحۃً وکیل بنایا ہے کہ ہمارا مال حسب صوابدید مصارف میں صرف کردیں۔ غرباء کا بھی وکیل ہے اس طرح کہ طلبہ نے جب اس کے اہتمام کو تسلیم کر لیا تو گویا یہ کہدیا کہ آپ ہمارے واسطے ارباب

اموال سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کرکے ہماری ضروریات (کھانا کپڑا وغیرہ) میں صرف کردیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۴۵ جلد۳ وفتاویٰ محمودیہ ص۲۲ جلد ۱۲)

مسئلہ:- اگر ارباب مدرسہ کو طلبہ کا وکیل تسلیم کرلیا جائے تو یہ شبہ ہی (کہ روپیہ زکوٰۃ بتدریج خرچ ہوگا) وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کا قبضہ طلبہ کا قبضہ ہے۔ اگر اصحاب اموال کا وکیل مانا جائے تو نفس الامر میں زکوٰۃ اس وقت ادا ہوجائے گی جب کہ طلبہ پر تقسیم ہوجائے گی، لیکن اگر خدانخواستہ (زکوٰۃ وغیرہ کی رقم) تقسیم سے قبل اضطراراً ضائع ہوگئی تو ارباب مدرسہ پر ضمان لازم نہیں ہے جیسا کہ ساعی پر لازم نہیں اور اصحاب اموال کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۴ جلد۳)۔

مسئلہ:- اگر باوجود حفاظت پوری سعی وانتظام کے ایسا ہوجائے (یعنی رقم زکوٰۃ اگر مہتمم مدرسہ یا اس کے نائب سے کسی ناگہانی حادثے یا کسی اور وجہ سے تلف ہوجائے) تو ضمان لازم نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۴۷ ج۳ بحوالہ عالمگیری ص۲۴۲ ج۲)۔

کیا غریب مہتمم مدرسہ کی زکوٰۃ استعمال کرسکتا ہے؟

سوال:- مدرسہ کا مہتمم صاحب حاجت اور قرض دار ہے کیا اس کو اپنے اہل وعیال پر اس کھانے وغیرہ کی چیزوں کا صرف کرنا جو طلبہ کے لیے مالِ صدقہ وزکوٰۃ لوگوں نے دی ہے صرف کرسکتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- مہتمم وقفِ زکوٰۃ وصدقہ دینے والوں کا وکیل ہوتا ہے۔ اس کو دینے والوں کی شرط کے خلاف تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں جبکہ لوگوں نے کچھ اشیاء خاص طلبہ کے لیے دی ہیں، مہتمم کو خود یا مدرسین کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۵۵ جلد۴)

کیا زکوٰۃ کی رقم مہتمم کو دینے سے ادا ہوجائیگی؟

سوال:- مدرسہ یا کسی اور اسلامی انجمن میں جب زکوٰۃ کا روپیہ بھیجا جاتا ہے، اس پر کسی مسکین مستحق کا قبضہ نہیں ہوتا، بلکہ مہتمموں کے قبضہ میں دی جاتی ہے اور وہ مہتمم مسکین نہیں ہوتے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

جواب:- مدارس میں جو رقم زکوٰۃ کی آتی ہے اس میں مدرسہ کے مہتمم ایسی صورت کرلیتے ہیں

جس سے معطی (دینے والے) کی زکوٰۃ ادا ہونے میں کچھ شبہ نہ رہے، وہ یہ کہ اس رقم زکوٰۃ کو اول کسی مسکین کو جو مصرف زکوٰۃ ہو دے دی جاتی ہے اور اس کی ملک کر دی جاتی ہے پھر وہ شخص مدرسہ کے مصارف کے لیے مہتمم مدرسہ کو دے دیتا ہے، چونکہ زکوٰۃ میں تملیکِ مسکین ضروری ہے اس لیے طریقہ مذکورہ پہلے ہی کر لیا جاتا ہے تاکہ کچھ شبہ نہ رہے۔ علاوہ بریں طلبہ و مساکین عمدہ مصرف زکوٰۃ کے ہیں، ان کی خوراک و پوشاک میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا بلاشبہ درست ہے، اور مدارس میں زکوٰۃ کا روپیہ طلبہ و مساکین کے مصارف میں صرف ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کچھ تردد نہ کیجئے، بے تکلف رقمِ زکوٰۃ سے امداد طلبہ فرمائیے کہ اس کا اجر و ثواب ڈبل ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۸۶ جلد۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۶ جلد۲)۔

مسئلہ: زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوگی جس وقت طلبا کو وہ رقم کسی صورت سے پہونچ جائے، مثلاً کپڑا یا کھانا یا نقد ان کی ملک کر دی جائے اور مدارس میں اکثر ایسا کر لیا جاتا ہے کہ مہتمم مدرسہ و کارکنانِ مدرسہ اول ہی رقم زکوٰۃ کی تملیک کرا کر خزانہ میں رکھتے ہیں تاکہ حسبِ ضرورت صرف کرتے رہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۸۹ جلد۶ ورد المحتار ص۱۵ جلد۲ باب الزکوٰۃ)۔

مختلف مدّات کا روپیہ یکجا جمع کرنا؟

سوال: ایک مدرسہ میں چند مدّات میں روپیہ وصول ہوتا ہے مثلاً زکوٰۃ، تعمیر مسجد، خیرات وغیرہ۔ مہتمم مدرسہ جملہ مدّات کا روپیہ ایک جگہ کر کے رکھتا ہے اور حساب میں آمد و جمع علیحدہ علیحدہ کرتا ہے، خرچ کے وقت جس کھاتے کی جو رقم ہوتی ہے اس میں خرچ ڈالتا ہے تو کیا اس طریقے میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ کیونکہ جس نے تعمیرِ مسجد کی مد میں رقم دی تھی اس کی دو ہی رقم اس میں لگی یا نہیں؟

جواب: اگر عرف یعنی رواج مخلوط کر دینے مہتمم کا مختلف مدات کی رقوم کو نہ ہوگا تو یہ فعل (طریقہ) مہتمم کا ناجائز اور موجب ضمان ہوگا، اور اگر عرف ہوگا تو یہ فعل مہتمم کا جائز ہوگا اور موجب ضمان نہ ہوگا۔ بشرطیکہ ان مختلف مدات کی رقم دینے والوں کو بھی علم اس عرف پر ہو

اوراس جواز کی صورت میں مہتمم بمقدار رقم ہر مالک موکل کی رقوم مخلوط میں سے لے کر اس کے مصرف معین پر صرف کردے گا تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ اور مسجد کی تعمیر کنندہ کی طرف سے مسجد تعمیر ہوجائے گی۔ اور اگر مہتمم زکوٰۃ کی رقم کو جان کر غیر مصرف میں خرچ کردے گا اور زکوٰۃ دہندہ کو خبر نہ ہوگی تو اس کا مؤاخذہ اخروی مہتمم پر ہوگا، لیکن زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اور اگر زکوٰۃ دہندہ کو خبر ہوجائے گی تو اس کا حق نہ ہوگا کہ مہتمم سے اپنی رقم تلف شدہ کا ضمان لے کر ادا کرے۔

(۲) فقہائے کرام رح نے یہ حکم دیا ہے کہ جب کہ رقوم جمع شدہ مختلطہ اپنی اپنی مد میں صرف کردی جائیں اور اختلاط کا عرف ہونے کی وجہ سے مالکوں کی جانب سے دلالۃً اذن بالخلط ہوجائے تو زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور مہتمم پر بھی کوئی گناہ یا ضمان نہ ہوگا۔ (کفایت المفتی ص۲۶۲ ج۴)

مدارس کے روپے کا حکم

مسئلہ:۔ مدرسہ کا روپیہ مہتمم کے پاس امانت ہے اس کو اپنے ذاتی کام میں صرف کرنا درست نہیں۔ اگر صرف کرے گا تو وہ (اس کے ذمہ) قرض ہوجائے گا، امانت نہ رہے گا یعنی اس کا تاوان واجب ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ ص۱۱ جلد۳)۔

مدارس میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا ایک اور طریقہ

سوال:۔ ہمارے یہاں ایک مکتب ہے جس میں ناظرہ قرآن مجید، اردو دینیات وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے، مدرسہ کی آمدنی صرف چندہ (جو چھ ہزار ہوتا) ہے اور فی بچہ ماہانہ آٹھ آنے اس طرح سے کل دس ہزار آمدنی ہوجاتی ہے اور خرچ اٹھارہ ہزار ہے، باقی آٹھ ہزار زکوٰۃ کے پیسوں میں خرچ کیے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ فیس بڑھا کر ایک روپیہ یا کم وبیش کردی جائے اور زکوٰۃ کی رقم مستحقین طلبہ کو ماہانہ بطور امداد یا وظیفہ دے دیا جائے اور پھر فیس میں وصول کرلی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور اس کے بعد یہ رقم تنخواہ وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا۔ (فتاوی رحیمیہ ص۱۵۰ جلد۵)۔

زکوٰۃ کی رقم کو مدرسین کی تنخواہ میں دینے کی ایک صورت

مسئلہ: زکوٰۃ کے اصل حقدار فقراء و مساکین ہیں، مدارس میں بقدر رقم دینی چاہیئے، غریب طلباء کو دینا افضل ہے لیکن عام طور پر لوگ مدارس میں زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں، اگر مہتمم مدرسہ قبول نہ کرے تو مدرسہ چلانا اور مدرسین کی تنخواہ دینا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے ایسی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت زکوٰۃ کی رقم لے کر شرعی حیلہ کر کے مدرسین کی تنخواہ میں دینے کی گنجائش ہے۔ تعمیری کام میں اچھا تو یہی ہے کہ استعمال نہ کی جائے، اس کے لیے بقدر رقم حاصل کی جائے۔ فتاوی رحیمیہ صـ ۱۵۴ جلد ۵ و فتاوی دار العلوم صـ ۲۱۱ جلد ۶)۔

زکوٰۃ کے روپے سے مدرسہ کی تعمیر اور مکان خریدنا؟

مسئلہ: زکوٰۃ کے روپیہ سے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر کرانا درست نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک فقراء شرط ہے۔ فقیر (ضرورت مند) کو زکوٰۃ کا مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔ (فتاوی دار العلوم صـ ۲۰۱ جلد ۶ بحوالہ رد المحتار صـ ۱۶ جلد ۲)

مسئلہ: زکوٰۃ وعشر اور تمام صدقات واجبہ جیسے صدقۂ فطر اور کفارات تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ہے (نہ تعمیرات میں بلکہ) طلباء، مساکین و غرباء کے صرف میں جائز ہے (فتاوی دار العلوم صـ ۲۰۷ جلد ۶)۔

مسئلہ: زکوٰۃ کے روپے سے مکان خریدنا اس غرض سے کہ اس کی آمدنی سے مدرسین کی تنخواہیں دیدی جائیں جائز نہیں ہے، اس میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی (فتاوی دار العلوم صـ ۲۷۹ ج ۶ بحوالہ رد المحتار صـ ۱۶ جلد ۲)۔

مسئلہ: بغیر تملیک کے زکوٰۃ کی رقم مدرسہ و مسجد و تنخواہ میں نہیں ہو سکتی، اس کی تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی محتاج (مصرف زکوٰۃ) قرض لے کر مدرسہ میں دیدے، اور زکوٰۃ کی رقم سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے یعنی زکوٰۃ کی رقم اس کو دیدی جائے جس سے وہ اپنا قرض ادا کرے۔ (فتاوی محمودیہ صـ ۵۴ جلد ۳)

زکوٰۃ کی رقم غریب مدرس کو دینا؟

سوال: مکتب کے معلم کی تنخواہ مجلس کی،

طرف سے آتی ہے اور کچھ رقم لوگ چندہ کر کے تنخواہ کے ساتھ ان کو دیتے ہیں، مگر اب وہ دینا بھی مشکل ہو رہا ہے، ایک صاحب نے زکوٰۃ کی رقم دی ہے کیا وہ معلم کی تنخواہ میں دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی رقم میں سے زکوٰۃ دینے والے کی اجازت سے مستحق زکوٰۃ مدرس کو ماہ بماہ بطور امداد کے تھوڑی تھوڑی رقم دیتے رہو تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور مدرس کی امداد بھی ہو جائے گی، بطور تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر تنخواہ میں ہی دینا ہو تو زکوٰۃ کی رقم کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو کسی قسم کے عہد و پیمان کے بغیر بطور تملیک دے دی جائے پھر اس کے بعد اس کو مشورہ دیا جائے کہ اپنی بستی کا مدرسہ بہت غریب ہے، اگر تم یہ رقم مدرسہ میں اللہ کے لیے دے دو تو استاذ کی تنخواہ کا انتظام ہو جائے گا، اور تم کو اجر عظیم ملے گا۔ وہ غریب یہ مشورہ قبول کر کے رقم مدرسہ میں دیدے تو اس کے بعد وہ رقم تنخواہ میں دینا جائز ہو گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۷ جلد ۵)

زکوٰۃ کی رقم اپنے استاذ کو دینا؟

سوال:۔ میرے استاذ معذور اور صاحب عیال و مقروض ہیں تو کیا ان کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

جواب:۔ بے شک یہ بہتر اور موجب اجر و ثواب ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ بقدر ضرورت اپنے استاذ صاحب عیال کو دیا جائے اور باقی دیگر غرباء و مساکین و طلبہ مساکین کو دے دیا جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۵۴ جلد ۶ بحوالہ رد المحتار ص۷۹ جلد ۲)

زکوٰۃ کی رقم سے سفیر کی تنخواہ وغیرہ دینا؟

سوال:۔ ایک شخص مدرسہ میں بچوں کے لیے کھانا پکاتا ہے اور دوسرا شخص بچوں کے لیے کھانے کا سامان چاول گھی وغیرہ لے کر آتا ہے، زکوٰۃ کے پیسے اس کو بطور اجرت دے سکتے ہیں یا نہیں؟۔ اسی طرح مدرسہ کا ایک سفیر ہے اس کے اخراجات میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر بچوں کو پڑھنے کے لیے دینا اور سال پورا ہونے پر ان سے واپس لے لینا درست ہے یا نہیں؟ اور پانی و بجلی و مکان کا ٹیکس زکوٰۃ کی رقم سے ادا کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- زکوٰۃ کی رقم اجرت (کسی کام کے بدلہ) میں دینا درست نہیں ہے۔ مزدوری اور کرایہ میں بھی نہیں دی جاسکتی۔ سفیر کے اخراجات میں اور کھانے پینے میں یہ رقم صرف نہیں ہوسکتی، مستحق زکوٰۃ کو بلاعوض دی جائے، زکوٰۃ کی رقم سے کتب خانہ کے لیے کتابیں خریدنا بھی جائز نہیں، بجلی، پانی اور مکان کے ٹیکس میں استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، طلبا کو دے کر مالک بنادیا جائے اور وہ اپنے لیے کتابیں خریدیں اور واپس لینے کی شرط نہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۳ ج ۵)۔

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم تبدیل کرنا

سوال :- زید مدرسہ کا چندہ کرتا ہے اور چندہ میں زکوٰۃ، فطرہ بھی ملتا ہے، چندہ کی مد میں زید کے پاس مثلاً پانچ ہزار روپے جمع ہوگئے اور اس نے اپنے گھر پر بھائی کو لکھدیا کہ مدرسہ میں میرے نام لے کر پانچ ہزار روپے جمع کرادینا۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

مقصد سوال یہ ہے کہ چندہ میں جو رقم جمع ہوئی ہے اس کے بدلے دوسری اتنی ہی رقم مدرسہ میں جمع کرادی جائے تو درست ہے یا نہیں؟

جواب :- مدرسہ کے چندہ کی زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں بھیجنے کے بجائے اپنے بھائی وغیرہ کو یہ لکھ دیا کہ پانچ ہزار روپے مدرسہ میں جمع کرادو، یہ صورت جائز ہے، ارباب مدرسہ جب زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کریں گے اس وقت زکوٰۃ ادا ہوگی۔

نوٹ :- مدرسہ میں رقم جمع کرا دینے کے بعد اگر مدرسہ کی رقم اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرنا چاہے تو استعمال کرسکتا ہے، مدرسہ میں رقم جمع کرانے سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۰ جلد۵)۔

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا

سوال :- چندہ کے لیے جانے والے بعض سفیر مالدار ہوتے ہیں، وہ اپنے ذاتی پیسے ختم ہوجانے کی وجہ سے چندہ میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی رقم استعمال کرتے ہیں، اور گھر پہونچ کر صرف شدہ رقم اپنی طرف سے جمع کرادیتے ہیں، تو کیا اس طرح کرسکتے ہیں؟

جواب :- زکوٰۃ کی رقم سفیر خرچ نہیں کرسکتا۔ اس کو چاہیئے کہ گھر سے منگوالے یا کسی سے قرض

لے لے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۴ جلد ۵ وفتاویٰ محمودیہ ص۲۲۴ جلد ۱۲)۔

اگر سفراء کے ہاتھ سے زکوٰۃ کی رقم ضائع ہوجائے؟

مسئلہ:۔ اگر مدارس کے سفراء کے ہاتھ سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے یا مہتمم کے ہاتھ سے چوری ہوجائے یا ضائع ہوجائے اور ان کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں رہی تھی تو ان لوگوں پر تاوان لازم نہ ہوگا اور مالک کی بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ اس لیے کہ یہ لوگ عملاً وعرفاً فقیر ضرورت مند یعنی مستحق طلبہ کے وکیل ہیں اور وکیل کا قبضہ گویا فقیر کا قبضہ ہے۔ اور اگر ان لوگوں نے حفاظت میں کوتاہی کی ہے یا زکوٰۃ کی رقم میں تبدیلی کی ہے، یا اپنی رقم کے ساتھ مخلوط کردیا ہے تو ان لوگوں پر تاوان واجب ہوگا۔ اور اپنی جیب سے اتنی رقم فقراء کو دینا لازم ہوگا۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۱۲۰ ودرمختار ص۲۶۹ جلد ۲ وامداد الفتاویٰ ص۱۴ ج ۲ وفتاویٰ محمودیہ ص۲۱ ج ۳)

طالب علم کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ ردالمحتار باب المصرف ص۸۰ جلد دوم سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم غنی (مالدار) کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، طالب علم کی مشغولی کی وجہ سے صرف یہ اجازت ہے کہ کسب یعنی کمائی میں مشغول ہونا اس کو ضروری نہیں ہے۔ غریب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۴۴ جلد ۶ واحسن الفتاویٰ ص۲۵۲ جلد ۴ وفقہ الزکوٰۃ ص۳۲ ج ۲)

مسئلہ:۔ فی سبیل اللہ میں اگرچہ طالب علم داخل ہوسکتے ہیں لیکن محتاج ہونا اس کا شرط ہے (یعنی صاحب نصاب نہ ہو)۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۵۲ جلد ۶)۔

مسئلہ:۔ طالب علم غنی غیر مسافر کو زکوٰۃ دینا اور اس کو لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۶۳ جلد ۶)۔

مسئلہ:۔ علامہ شامیؒ نے طالب علم غنی (مالدار صاحب نصاب) کے لیے بھی زکوٰۃ لینے کی [illegible] کو راجح فرمایا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۸۰ جلد ۶ بحوالہ ردالمحتار باب المصرف

جو طلبہ علم دین کے ساتھ صنعت و حرفت وغیرہ سیکھتے ہوں ان کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا روپیہ خوراک و لباس طلبہ و مساکین میں خرچ ہو سکتا ہے، اگرچہ وہ صنعت وحرفت و علم دین کے ساتھ انگریزی بھی بغرض زبان دانی سیکھتے ہوں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۵۱ جلد ۶ بحوالہ ردالمحتار ص۸۵ جلد ۲ وفتاویٰ محمودیہ ص۹۰ جلد ۳)

جو طلبہ قوانینِ مدرسہ کی پابندی نہیں کرتے ان کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ قواعد مدرسہ جو طلبہ پر ضروری ہیں اگر وہ ان کے پورا کرنے میں کمی کریں تو زکوٰۃ جو اُن کو دی جاتی ہے ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قاعدہ مدارس کا یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مال کی پہلے تملیک کرا دی جاتی ہے پھر اس مالک (تملیک کرنے والے) کی طرف سے روپیہ مدرسہ کے مصارف کے لیے لے لیا جاتا ہے لہٰذا قواعد مدرسہ طلبہ کے متعلق جاری کرنے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کچھ فرق نہیں ہوتا، زکوٰۃ پہلے ہی تملیک کے وقت ادا ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۷ جلد ۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۵ ج۲)

جن طلباء کے بارے میں علم نہ ہو کہ مستحق ہیں یا نہیں ان کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ اگر مہتمم مدرسہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کے ماں باپ یا پرورش کرنے والے صاحب نصاب ہیں یا نہیں، تو اس صورت میں طالب علم کی استعانت مدِ زکوٰۃ سے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ معلوم کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر طالب علم خود کہے کہ میں غریب ہوں اور میرے والدین بھی غریب ہیں تو موافق اس کے کہنے کے اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۰ جلد ۶ بحوالہ عالمگیری مصری ص۱۹۰ جلد اول باب المصارف)۔

مسئلہ:۔ طلبہ مستحقین کو زکوٰۃ کی رقم سے وظائف بھی دیئے جا سکتے ہیں (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۰ ج۶)

مسئلہ:۔ لیکن مالدار یعنی صاحب نصاب کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ کی رقم سے وظیفہ دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۸۹ جلد ۶ بحوالہ عالمگیری ص۱۷۷ جلد اول)۔

طالبِ علم کو سوال کرنا کیسا ہے؟ مسئلہ :- حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے مسکین طالبِ علمِ دین کو سوال کرنے کی اجازت تحریر فرمائی ہے، مگر یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ عوام میں علمِ دین سے نفرت نہیں تھی، علمِ دین اور اس کے پڑھانے والوں سے نفرت کے اس دَور میں طالبِ علمِ دین کو بھی سُوال کی اجازت نہیں، اس میں دین کی تذلیل وتحقیر ہے، اہلِ ثروت (مالداروں) سے استغنار اور توکل علی اللہ ہونا چاہیئے۔ (احسن الفتاویٰ صـ۲۵۸ جلد ۴)۔

طلبار کو زکوٰۃ دینے کے لیئے ان کی اہلیت کی تفتیش کی جائے یا نہیں؟ مسئلہ :- یہ قید طلبہ میں بھی ہے کہ وہ بھی مصرفِ زکوٰۃ ہوں یعنی مالکِ نصاب نہ ہوں، سیّد نہ ہوں، اور اگر وہ طلبہ نابالغ ہیں تو ان کے والدین صاحب نصاب اور غنی نہ ہوں۔ بالغ کے لیئے تو ماں باپ کا غنی ہونا مانع نہیں ہے جب کہ وہ خود فقیر (صاحب نصاب نہ) ہوں، اور زکوٰۃ سے کپڑے یا کتابیں اسی وقت دینا درست ہے کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ ہوں، غنی نہ ہوں، اور مالداروں کی اولاد صغار (بچے) نہ ہوں، اس کی تحقیق کر لینی چاہیئے۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۲۱۹ جلد ۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۸۸ جلد ۲ باب المصرف)۔

کیا کھانا پکاکر کھلانے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ مسئلہ :- زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے تملیک (اس کا مالک بنا دینا) شرط ہے، طلبار کو کھانا پکاکر کھلانے میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے (کیونکہ ملکیت نہیں ہوتی جب تک کہ ان کو کھانے کا مالک نہ بنایا جائے، بٹھا کر نہ کھلائے بلکہ کھانا دیدیا جائے) لہٰذا مستحق طلبہ کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے اور ہدایت کی جائے کہ کھانے کی فیس ادا کریں پھر وہ رقم کھلانے میں خرچ کی جائے، اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور طلبار کو کھانا بھی مل جائے گا، یا کھانا مستحقین کو دے کر مالک بنا دیا جائے جیسا کہ دار العلوم دیوبند و سہارن پور میں ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صـ۱۶۲ ج۵ وفتاویٰ محمودیہ صـ۸ ج۳)

مسئلہ :- اگر کھانا مستحقین کے ہاتھ میں دے دیا جائے کہ ان کو اختیار رہے لے جانے کا،

اور وہ کھانا قیمت میں جتنی زکوٰۃ واجب تھی، اس قدر ہو، تب تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر لے جانے کا اختیار نہ ہو بلکہ بٹھلا کر (دعوت کے طریقہ پر) کھلایا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ دعوت میں ملکیت نہیں ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر پکا ہوا کھانا یا سلا ہوا کپڑا وغیرہ اتنی قیمت کا نہ ہو جتنی زکوٰۃ واجب تھی مثلاً کھانا یا سلا ہوا کپڑا وغیرہ بگڑ گیا تو بقدر گھٹنے کے اور اتنی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص۴۳ وفتاویٰ محمودیہ ص۵۲ جلد۳)۔

مسئلہ:۔ جتنی زکوٰۃ واجب ہے، اگر اتنا سامان خور و نوش لے کر اس کا کھانا پکا کر کسی مستحق طالب علم (وغیرہ) کو دیدیا جائے (مالک بنا دیا جائے کہ کھائے یا کسی دے یا فروخت کرے دعوت کے طور پر نہ ہو تو) تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۵۵ جلد، ودر مختار ص۲۵۷ جلد۲

بلا تملیک مطبخ سے کھانا دینا؟

سوال:۔ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ کے روپے سے مطبخ قائم کرے اور بلا تملیک طلبہ مدرسہ کو کھانا کھلائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ طلبہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے کھانے کو لے جائیں یا جو چاہیں کھلائیں؟ کون سی ایسی صورت ہوگی جس سے زکوٰۃ کا روپیہ اس کے مصرف میں صرف ہو؟

جواب:۔ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہ صورت طلبہ کو کھانا کھلانے کی جو آپ نے لکھی ہے تملیک کی صورت نہیں ہے اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس کی تدبیر یہ ہے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس زکوٰۃ کی تملیک کرا دی جائے پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۴ جلد۶ بحوالہ ردالمختار ص۱۶ ج۲)

(مدارس والے جو زکوٰۃ کی رقم وصول کرتے ہیں ان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ یہ رقم زکوٰۃ یا تو ایسے بالغ بچوں کی ضروریات پر صرف کی جائے جو خود نصاب زکوٰۃ کے مالک نہ ہوں، یا ایسے نابالغ بچوں پر خرچ کی جائے کہ جن کے والدین اتنے مال کے مالک نہ ہوں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے، اور نہ ہی زکوٰۃ کسی کو

بطورِ اجرت دی جائے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

کیا ملازمین مدرسہ کے مطبخ سے کھانا کھاسکتے ہیں؟

سوال: بعض مدارس میں مدرسین کی تنخواہ میں خور ونوش کے علاوہ (کھانے پینے کے) متعین کی جاتی ہیں گویا کہ مکمل تنخواہ میں سے خور ونوش کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے تو اب اگر مدرسہ کے اندر مد زکوٰۃ وصدقات کوئی مال آئے تو اس کا کھانا (مدرسین کے لیے)، جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اساتذہ کھانے کی قیمت ادا کر رہے ہیں؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً جتنی مقدار اساتذہ جزواً تنخواہ (حق الخدمت) کے طور پر کھائیں گے اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس کا حساب رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح دیگر ملازمین وغیر مستحقین پر صرف کرنے کا حال ہے۔ (فتاوی محمودیہ صـ۲۲۳ جلد ۱۲)

طلبا کے کھانا پکانے کی اُجرت مدّ زکوٰۃ سے دینا؟

مسئلہ:۔ جو باورچی صرف طلبہ کے لیے کھانا تیار کرتا ہو اُس کی تنخواہ زکوٰۃ وعشر سے دی جاسکتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ صـ۲۹۲ جلد ۴)

(اس سے ایسے طلبہ مراد ہیں جو مستحق زکوٰۃ ہوں، ان کے کھانا پکانے کی اجرت دینا تو جائز ہے، لیکن عام طور پر مدارس کے مطبخ سے مستحق وغیر مستحق اور مدرسین بھی کھانا کھاتے ہیں، اس لیے اس مسئلہ میں احتیاط ضروری ہے۔ رفعت قاسمی)

مؤذن وامام کو زکوٰۃ وعشر دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ مصرف عشر کا وہی ہے جو مصرف زکوٰۃ کا ہے، پس جیسا کہ زکوٰۃ کو امامت کی اجرت میں دینا نا جائز ہے، اسی طرح عشر وصدقہ فطر بھی اجرت امامت میں دینا نا جائز ہے، اس صورت میں عشر وصدقہ فطر وغیرہ صدقاتِ واجبہ ادا نہ ہوں گے اور عدم جواز کے قائلین تمام فقہاء عظام ہیں۔ (فتاوی دار العلوم صـ۲۷۶ جلد ۶ بحوالہ رد المحتار صـ۹۰ جلد ۲ باب المصرف)۔

مسئلہ:۔ اگر امامِ مسجد محتاج اور فقیر (صاحب نصاب نہیں) ہے تو زکوٰۃ دینا جائز ہے

ورنہ نہیں۔ (بغیر اجرت کے)۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۵ جلد۶ بحوالہ ہدایہ ص۱۸۶ جلد اول)

مسئلہ:۔ محض امام مسجد ہونے کی وجہ سے تو کوئی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہو جاتا۔ امامت کی اجرت کے طور پر زکوٰۃ دینا بھی صحیح نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۱۰۴ ج۳ و فتاویٰ محمودیہ ص۲۶۶ ج۷)

(مقصد یہ ہے کہ اگر امام مسجد و مؤذن غریب ہیں، صاحب نصاب نہیں ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینی اور لینی جائز ہے، اجرت کے طور پر نہ ہونی چاہیئے، الگ سے محتاج سمجھ کر دی جائے اور وہ مستحق زکوٰۃ ہیں تو درست ہے۔ رفعت قاسمی)

امام کو رسم کے طور پر زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں امام کے لیے کسی قسم کی تنخواہ مقرر نہیں کرتے بلکہ یہ رسم ہے کہ لوگ اس امام کو زکوٰۃ دیتے ہیں، پہلے سے یہ طے نہیں ہوتا کہ میں امامت کروں گا تو مجھ کو زکوٰۃ دینا۔ اس لیے امام کو زکوٰۃ دینا بھی معلوم ہے کہ رسم کی وجہ سے ہے اور قوم کو بھی۔ کیا زکوٰۃ ہو جاتی ہے؟

جواب:۔ اگرچہ امام صاحب سے یہ بات طے نہیں ہوئی کہ ان کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دی جائے گی لیکن چوں کہ " المعروف کالمشروط" کے اصول کے مطابق کہ جو چیز پہلے سے ذہن میں طے شدہ ہے وہ ایسی ہے جیسے کہ اس کی شرط لگائی جائے۔

چناں چہ جب امام صاحب اور زکوٰۃ دینے والوں کے ذہنوں میں یہ بات پہلے سے ہے کہ اس امام کی تنخواہ مقرر نہیں کی جائے گی، اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جاتی رہے گی، لہٰذا زکوٰۃ کی رقم سے امام کو تنخواہ یا بالفاظ دیگر اس کی امامت کی اجرت دینا جائز نہیں ہے۔

البتہ اگر اس کو امامت کی اجرت الگ دی جاتی رہے، پھر غریب محتاج ہونے کی وجہ سے اس کو زکوٰۃ دے دی جائے تو صحیح ہے۔ (آپ کے مسائل ص۱۰۲ جلد۳)۔

زکوٰۃ کی رقم سے مبلّغین کو وظائف دینا؟

سوال:۔ زکوٰۃ سے مبلغین انجمن تبلیغ و طلباء کو وظائف دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ طلباء و مساکین کو وظیفہ دینا زکوٰۃ سے جائز ہے اور مبلغین کی تنخواہ دینے میں

حیلۂ تملیک ضروری ہے، بغیر حیلہ دینا درست نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے،
(فتاویٰ دارالعلوم ص۲۷۵ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۷۹ جلد۲ باب المصرف)۔

مسئلہ:۔ فی زمانہ جب کہ جہالت کا زور ہے، مبلغین کا تقرر زکوٰۃ کے روپے سے جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۴۴ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار باب المصرف ص۸۱ جلد۲)

تبلیغی جماعت کے افراد پر زکوٰۃ صَرف کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم تبلیغی جماعت کے افراد پر خرچ کر سکتے ہیں، اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو ان پر صرف کرنا درست ہے لیکن مصرفِ صحیح کو ان میں منحصر کرنا صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۵۱ جلد۳)۔

(یعنی تبلیغی افراد مستحقِ زکوٰۃ کو ہی مصرف سمجھنا غلط ہے۔ کیونکہ اور مصرف بھی تو ہیں۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسافر کو زکوٰۃ لینا اور دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ مسافر کو زکوٰۃ لینا درست ہے جب کہ اس کے پاس مال بقدرِ نصاب نہ ہو اگرچہ اس کے مکان پر ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۸۳ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۸۸ جلد۲ وکتاب الفقہ ص۱۰۱۹ جلد اول)۔

مسئلہ:۔ ایک شخص اپنے گھر کا بڑا مالدار ہے لیکن سفر میں ایسا اتفاق ہوا کہ اس کے پاس خرچ نہیں رہا، سارا مال چوری ہوگیا یا کوئی اور وجہ ایسی ہوئی کہ اب گھر تک پہونچنے کا بھی خرچ نہیں رہا، ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ کا دینا درست ہے۔ ایسے ہی اگر حاجی کے پاس راستہ کا خرچ ختم ہوگیا اور اس کے گھر میں مال و دولت ہے، اس کو بھی زکوٰۃ کا دینا درست ہے (امداد مسائلِ زکوٰۃ ص۴۳ وعالمگیری ص۱۸۶ جلد ہشتم)۔

مسافر کا قرض زکوٰۃ سے ادا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر وہ مسافر مالکِ نصاب نہیں ہے بلکہ مقروض ہے اور سید نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا اور اس قدر روپیہ زکوٰۃ کا دینا جس سے اس کا قرض اتر جائے درست ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ"،

(فتاویٰ دارالعلوم ص۲۸۱ جلد۶ بحوالہ ہدایہ باب من لایجوز دفع الصدقات الیہ ص۱۸۱ جلد اول وعلم الفقہ ص۴۴ جلد۴)۔

مسافر کو رقم کے بجائے ٹکٹ خرید کر دینا؟

سوال:۔ ایک سیٹھ صاحب زکوٰۃ کو اس طرح دیتے ہیں کہ جس جگہ مسافر کو جانا ہوتا ہے اپنے آدمی کو اس کے ہمراہ بھیج کر اسٹیشن سے ٹکٹ دلا دیتے ہیں، نقد پیسے اس کے ہاتھ میں نہیں دیتے۔ اگر مسافر کسی عذر کی وجہ سے نہ جائے اور ٹکٹ کینسل ہو جائے تو کیا ان سیٹھ صاحب کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ وہ آدمی سیٹھ صاحب کا جب کہ اس مسکین مسافر کی اجازت سے ٹکٹ خریدتا ہے تو وہ آدمی نائب اور وکیل اس مسکین کا قبض زکوٰۃ اور خرید ٹکٹ میں ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ آدمی وکیل اور نائب سیٹھ صاحب کا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ سیٹھ صاحب مذکور کی اس صورت میں ادا ہو جاتی ہے، پھر اگر وہ مسافر کسی عذر کی وجہ سے سفر میں نہ جائے اور ٹکٹ ردّی (کینسل) ہو جائے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو چکی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۷ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۴ جلد دوم)۔

اپنے خادم کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ یا فطرہ کی رقم اپنے خادم وخادمہ کھانا پکانے والی کو اگر غریب ہو، دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ اپنی خادمہ کھانا پکانے والی کو زکوٰۃ وفطرہ اس وجہ سے دینا کہ وہ محتاج و غریب ہے اور تنخواہ میں نہ دی جائے تو یہ درست ہے، البتہ تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ (اگر وہ غریب ہو تو الگ سے دے سکتے ہیں)۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۴۵ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار باب المصرف ص۸۹ جلد۲)

مسئلہ:۔ اپنے غلام و باندی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ جو لوگ شرعی باندی و غلام نہیں ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر خادم وخادمہ جو گھروں میں رہتے ہیں وہ باندی غلام نہیں ہیں، ان کو زکوٰۃ دینا جبکہ وہ محتاج ہوں درست ہے (لیکن تنخواہ میں نہ دی جائے

بلکہ الگ سے دیں)۔ (فتاویٰ ... العلوم ص۲۵۵ جلد۶ بحوالہ بحرالرائق ص۲۴۴ جلد۲ باب المصرف وعالمگیری ص۱۹۰ جلداول)۔

(نوٹ:۔ بعض افراد مال زکوٰۃ سے دنیوی اغراض نکالنا چاہتے ہیں جو کہ خلوص اور روح شریعت کے خلاف ہے، مثلاً اپنے نوکروں، خادموں کو جو کہ مستحق زکوٰۃ بھی ہیں غیر معاوضہ کے اس خیال سے زکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ بیں گے اور احسان مند ہونے کی وجہ سے خوب کام کریں گے، بلکہ بعض دفعہ جب کام میں کمی دیکھتے ہیں تو زبان سے جتلانے لگتے ہیں کہ "ہم تو تنخواہ کے علاوہ تیری مدد زکوٰۃ سے بھی کرتے ہیں مگر تو احسان فراموش ہے" وغیرہ وغیرہ۔ مسئلہ کی رُو سے زکوٰۃ تو اس کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے، مگر مقبولیت کے درجہ کو نہیں پہونچتی، کیوں کہ قرآن کریم میں ہے ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ الخ پارہ ۳ سورہ بقرہ، محمد رفعت قاسمی غفرلہ)۔

نوکر کے اضافہ تنخواہ کے مطالبہ پر زکوٰۃ سے دینا؟

سوال:۔ میرا ایک ملازم ہے جس نے تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا ہے تو میں نے زکوٰۃ کی نیت سے اضافہ کردیا، اب وہ یہ سمجھتا ہے کہ تنخواہ میں اضافہ ہوا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟۔

جواب:۔ ملازم کی تنخواہ تو اس کے کام کا معاوضہ ہے، اور جب آپ نے تنخواہ بڑھانے کے نام سے اضافہ کیا تو وہ بھی کام کے معاوضہ میں ہوا، اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ جو تنخواہ طے ہو وہ ادا کرنے کے علاوہ اگر اس کو ضرورت مند اور محتاج سمجھ کر زکوٰۃ دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۸۴ جلد۳)۔

خادم کو پیشگی رقم دے کر زکوٰۃ کی نیت کرنا؟

سوال:۔ میں نے اپنے ملازم کو کچھ رقم بطور ایڈوانس (پیشگی) واپسی کی شرط پر دی، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ یہ رقم ادا نہیں کرسکے گا، اگر میں زکوٰۃ کی

نیت کرلوں توکیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب :۔ زکوٰۃ کی نیت دیتے وقت کرنا ضروری ہے، بعد میں کی ہوئی نیت کافی نہیں اس لیے آپ اس رقم کو زکوٰۃ کی مد میں وضع نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ کر سکتے ہیں کہ زکوٰۃ کی نیت سے اس کو اتنی رقم دے کر پھر خواہ اسی وقت اپنا قرض وصول کریں (آپ کے مسائل ص۳۶۴ ج۳)

زکوٰۃ کی رقم سے خادمہ کو زیور دینا؟

سوال :۔ (۱) زید کے یہاں ایک یتیم لڑکی کو صرف روٹی کپڑا ملتا ہے تو زید زکوٰۃ کی رقم سے اس کے لیے کچھ زیور یا کپڑا وغیرہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟۔

(۲) اور جو عورت زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت کا سمجھے، اس کو دینا کیسا ہے؟

جواب :۔ (۱) یتیم لڑکی جس کی تنخواہ مقرر نہیں کی گئی ہے صرف روٹی کپڑا دینا مقرر کیا گیا ہے اس کو زیور زکوٰۃ کے روپے سے بنوا دینا درست ہے، یا اس کو نقد دیدے، یہ بھی درست ہے کہ کپڑا جو اس کا مقرر ہے وہ زکوٰۃ میں سے نہ بنائے (۲) اور اس دوسری عورت خادمہ کو دینا درست نہیں ہے جو اس کو اپنی خدمت کا معاوضہ سمجھے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۱ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۷۹ جلد۲)

(کسی بھی خدمت کے معاوضہ میں زکوٰۃ لینا اور دینا درست نہیں ہے، زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

غریب لڑکی کی شادی میں زکوٰۃ کی رقم دینا؟

مسئلہ :۔ لڑکی کے والدین جو کہ مستحق زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کا روپیہ ان کو دے دیا جائے کہ وہ اس لڑکی کے نکاح میں صرف کردیں، یہ درست ہے اور خود اس لڑکی کو اگر برتن، زیور وغیرہ خرید کر دیدیئے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ :۔ اگر شادی سے قبل یا بعد شادی کے اس لڑکی کو (جو کہ غریب، صاحب نصاب نہ ہو، کو نقد دیدیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۴۷ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۷۹ ج۲)۔

مسئلہ :۔ لیکن اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ نصاب سے زائد نہ ہو، ورنہ مکروہ ہو جائیگا نیز اگر کسی نے نصاب کے برابر دیدیا ہے، یا متعدد افراد کے تھوڑا تھوڑا دینے سے نصاب کے

برابر یا اس سے زائد ہو جائے تو پھر مستحق زکوٰۃ نہ رہنے کی وجہ سے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔ (ایضاح المسائل ص۱۱۷ بحوالہ در مختار (کراچی) ص۳۵۳ جلد ۲)

(اگر لڑکی کے والدین جو کہ مستحق زکوٰۃ ہیں اگر ان کے پاس زکوٰۃ کی آئی ہوئی رقم نصاب کے برابر یا زائد ہو جائے تو اگر یہ رقم ان کے گھر کے اور افراد پر تقسیم کر دی جائے تو ہر ایک کو نصاب کے بقدر نہ پہونچے تو پھر دینا جائز ہوگا۔ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص۴۱۶، کتاب الفقہ ص۱۰۱۳ ج۱، رفعت قاسمی)

زکوٰۃ کی رقم سے میّت کی تجہیز و تکفین کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ: زکوٰۃ کی رقم سے میت کی تجہیز و تکفین جائز نہیں، بوقتِ ضرورت یہ صورت ہو سکتی ہے کہ میّت کا ولی اگر زکوٰۃ کا مستحق ہو تو اس کو مدِ زکوٰۃ سے رقم دے دی جائے وہ اس سے تجہیز و تکفین وغیرہ کر دے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۳ جلد۴ بحوالہ ردالمحتار ص۶ جلد ۲ وفتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۶ جلد ۶ وفتاویٰ محمودیہ ص۲۴۴ ج۳ وکتاب الفقہ ص۱۰۱۴ جلد اول)

مسئلہ: میّت کے کفن وغیرہ میں جو کچھ صَرف کیا گیا وہ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا وہ صدقہ نفلی رہے گا کیونکہ زکوٰۃ میں زندہ فقیر کو مالک بنانا شرط ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۴ ج۶)

کیا میّت کے کفن کا ثواب زکوٰۃ دہندہ کو بھی ہوگا؟

مسئلہ: مستحق زکوٰۃ نے اپنی طرف سے تکفین میت و تعمیر مسجد وغیرہ کی تو ثواب دونوں کو حاصل ہوگا۔ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مطلب لکھا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ دینے کا ثواب حاصل ہوگا اور کفن ڈالنے کا ثواب اس فقیر (مستحق زکوٰۃ) کو ہوگا جس نے اپنی طرف سے کفن ڈالا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو تکفین کا بھی ثواب ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے "الدال علی الخیر کفاعلہ"۔ (ردالمحتار ص۱۶ جلد ۲)۔

جامع صغیر میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ "اگر صدقہ سو ہاتھوں پر گذرے تو ہر ایک کو ان میں سے ابتداءً دینے والے کی برابر ثواب ہوگا، بدون اس کے کہ ابتداء کرنے والے

کے ثواب میں کچھ کمی ہو (یعنی کوئی کمی نہ ہوگی)۔ اور سَو ہاتھوں پر گذرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے نے کسی کو صدقہ دیا، پھر اس نے دوسرے کو دے دیا اور اس نے تیسرے کو دیدیا، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۲۲۷ جلد ۶)۔

(بعض جگہ لاوارث مردہ کی تجہیز و تکفین کے لیے چندہ کرتے ہیں تو اس میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اگر وارث والا مردہ بھی ہو تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں ملکیت کی صلاحیت نہیں ہے، ہاں اگر روپیہ زکوٰۃ کی نیت سے اس کے غریب وارثوں کو دے دیا جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے مردہ پر خرچ کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

زکوٰۃ کی رقم سے مُردہ کا قرض ادا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر میّت کے ذمّہ قرض ہے تو اس قرض کو زکوٰۃ کی رقم سے براہِ راست ادا نہیں کیا جا سکتا، ہاں اگر اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جا سکتا ہے اور وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میّت کا قرض ادا کر سکتے ہیں۔ (معارف القرآن صـ۴۰۸ جـ۴)

مسئلہ:۔ مردہ کی طرف سے اس کا قرضہ ادا کر دینا درست نہیں ہے (فتاویٰ ہندیہ صـ۱۸۸ جـ۱ و فتاویٰ عالمگیری صـ۳۹ جلد ۴)۔

(کیونکہ میّت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں ہے جو اُدائے زکوٰۃ کی ولین شرط ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

زکوٰۃ کا روپیہ مُردہ کے ایصالِ ثواب کے لیے دینا؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا روپیہ مردہ کو دینا اس طور سے کہ اس کی طرف سے کھانا پکوا کر فقیروں کو کھلایا جائے یا کپڑا محتاجوں کو دیا جائے درست نہیں ہے۔ اپنی طرف سے ہی زکوٰۃ کی نیت سے دیا جائے، اس کا ثواب کسی میّت کو نہ پہونچایا جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۲۰۴ جلد ۶)

اپنے غریب شوہر کو زکوٰۃ دینا؟

سُوال:۔ (۱) عام طور پر بیوی کی کل کفالت

شوہر کے ذمہ ہے، اگر خدانہ کرے شوہر غریب ہو جائے اور بیوی مالدار ہو تو شرعًا بیوی پر کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ (۲) مذکورہ شوہر کو بیوی سے زکوٰۃ لے کر کھانا کیا درست ہے؟

جواب :- (۱) عورت پر شوہر کے لیے جو حقوق ہیں وہ شوہر کی غربت اور مالداری دونوں میں یکساں ہیں۔ شوہر کے غریب ہونے پر بیوی پر شرعًا یہ حق ہے کہ شوہر کی غربت کے پیش نظر صرف اس قدر نان ونفقہ (ضروری خرچ) کا مطالبہ کرے جس کا شوہر متحمل ہو سکے۔ البتہ اخلاقًا بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے مال سے شوہر کی امداد کرے یا اپنے مال سے شوہر کو کوئی کاروبار وغیرہ کرنے کی اجازت دے۔ (۲) چوں کہ شوہر اور بیوی کے منافع عادتًا مشترک ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے چیزوں سے عمومًا استفادہ کرتے رہتے ہیں اس لیے شوہر اور بیوی کا آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۵ جلد۳ وفتاویٰ دار العلوم ص۲۹۲ جلد بحوالہ شامی ص۸۶ جلد۳)۔

مالدار بیوی کے غریب شوہر کو زکوٰۃ دینا؟

سوال :- زید کی بیوی کے پاس چار ہزار روپے کا سونا چاندی ہے لیکن خود زید مقروض ہے، مال زید کی بیوی کے پاس ہے۔ کیا زید زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

جواب :- زید دوسروں سے زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ مگر اس کی بیوی اس کو یعنی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ بہرحال شوہر اگر غریب ہے تو وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ بیوی کے مالدار ہونے کی وجہ سے وہ مالدار نہیں کہلائے گا۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۵ جلد۳)۔

شادی شدہ عورت کو زکوٰۃ دینا؟

سوال :- ایک عورت جس کا شوہر زندہ ہے۔ غریب محنت مزدوری کرتے ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ وخیرات وصدقہ دینا جائز ہے؟

جواب :- اگر وہ غریب اور مستحق ہیں تو جائز ہے۔ (آپ کے مسائل ص۲۹۵ جلد۳)۔

مالدار اولاد والی بیوہ کو زکوٰۃ دینا؟

سوال :- ایک عورت جو کہ بیوہ ہے لیکن اس کے لڑکے برسر روزگار ہیں۔ اگر لڑکے ماں کی امداد نہیں کرتے یا تھوڑی بہت کرتے ہیں جو اس کے لیے ناکافی ہے تو کیا اس کو زکوٰۃ

دینا جائز ہے؟

جواب:۔ اس خاتون کے اخراجات اس کی اولاد کے ذمہ ہیں، لیکن اگر وہ عورت نادار ہے اور لڑکے اس کی امداد اتنی نہیں کرتے جو اس کی روزمرّہ ضروریات کے لیے کافی ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۶ جلد۳)۔

مفلوک الحال بیوہ کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ مفلوک الحال بیوہ کے بھائی کو اگر قدرت ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی بہن کے اخراجات برداشت کرے، اگر وہ نہیں کرتا یا استطاعت نہیں رکھتا اور اس بیوہ کے پاس بھی نصاب کی مقدار سونا چاندی یا روپیہ پیسہ نہیں ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ نادار بھی ہے اور بے سہارا بھی، اس صورت میں اس کو زکوٰۃ و صدقات دینا ضروری ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۷ جلد۳)۔

برسرِ روزگار بیوہ کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ اگر برسرِ روزگار بیوہ مقروض نہیں ہے، ملازم ہے تو زکوٰۃ نہیں لینی چاہیئے تاہم اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں تو اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (آپکے مسائل ص۳۹۷ ج۳)

بدکردار کی بیوی کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ ایسی عورت بچّوں والی جو اپنے خاوند کی عیاشانہ زندگی اور شراب خوری کی وجہ سے نہایت ہی عُسرت (تنگی) میں ہو، جبکہ وہ محتاج (ضرورت مند) ہے اور مالکِ نصاب بھی نہیں ہے، زکوٰۃ دینا درست ہے، بلکہ ایسی محتاج بچوں والی عورت کو زکوٰۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۳ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۸۰ جلد۲)

بے روزگار کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ کام کاج نہ کرنے والے آدمی کی کفالت مالِ زکوٰۃ سے کرنا جائز ہے، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۸ جلد۳)۔

معذور لڑکے کے باپ کو زکوٰۃ دینا؟

سُوال:۔ ایک سرکاری ملازم ہے اس کا لڑکا دماغی عارضہ میں مبتلا ہے، باپ اس

کی کفالت کرتا ہے، کیا اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ اگر اس لڑکے کا باپ نادار ہے تو زکوٰۃ کا مستحق ہے، بعض عیال دار ایسے ہوتے ہیں کہ وہ صاحب نصاب نہیں ہوتے اور ان کا روزگار بھی ان کے معارف کے لیے کافی نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل ص۴۰۱ جلد۳)

سفید پوش کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ ہمارے جاننے والوں میں ایک سفید پوش آدمی ہیں مگر مالی اعتبار سے بہت کمزور ہیں، ریڑھی لگاتے ہیں۔ کیا ہم ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ ذاتی مکان اور ریڑھی لگانے کے باوجود اگر وہ نادار اور ضرورت مند ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ان کو بتانا شرط نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے۔ تحفۃً ہدیہ کہہ کر دے دی جائے اور نیت زکوٰۃ کی کرلی جائے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (آپ کے مسائل ص۴۰۱ جلد۳)۔

زکوٰۃ کی رقم غریب لڑکیوں کی تعلیم میں دینا؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے یعنی کسی محتاج کو اس کا مالک بنا دینا چاہیئے۔ پس غریب لڑکیوں کو اگر نقد یا کپڑا کھانا زکوٰۃ سے دے دیا جائے تو درست ہے۔ لیکن پڑھانے والوں کی تنخواہ یا دیگر ملازمین کی تنخواہ دینی زکوٰۃ سے درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۰۵ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار باب المصرف ص۸۵ جلد۲)۔

کثیر العیال کو زکوٰۃ کی رقم دینا؟

سوال:۔ میں امام ہوں، مسجد کی تنخواہ سے گھر کا گذر چلانا مشکل ہے، کثیر العیال اور قرضدار بھی ہوں، ایک شخص مجھے زکوٰۃ کی بڑی رقم دینا چاہتے ہیں تو میں لے سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب:۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی اتنی رقم دی جائے جو نصاب سے کم ہوں، اتنا دینا کہ غریب صاحب نصاب اور مالدار ہو جائے مکروہ ہے، ہاں اگر وہ شخص قرضدار ہو یا کثیر العیال ہو (بچے زیادہ ہوں) تو اس کو اتنے پیسے دینا کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب نہ بچے یا اپنے اہل وعیال پر تقسیم کرے تو ہر ایک کو نصاب

کی مقدار سے کم پہونچے تو ایسے شخص کو نصاب سے زیادہ دینا بلا کراہت جائز ہے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح صـ۴۱۶ جلد وکتاب الفقہ صـ۱۰۱۳ جلد اول)۔

مسئلہ:۔ جس شخص کی ماہواری آمدنی معقول ہو لیکن سال بھر تک اس کے پاس قدرِ نصاب جمع نہیں رہتا اور وہ صاحبِ زکوٰۃ نہیں ہے، ایسے شخص کو مالِ زکوٰۃ یا صدقہ نافلہ دینا درست ہے اور اس کو لینا بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۲۳۳ جلد۶ بحوالہ عالمگیری باب المصارف صـ۱۸۹ جلد ۱)۔

مال دار ضرورت مند کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ ایک شخص نے اپنا روپیہ لوگوں کو قرض دے رکھا ہے جو کسی میعاد ہی پر وصول ہو سکتا ہے اور اسی دوران میں اس کو اخراجات کے لیے پیسے کی ضرورت ہو تو اس وقت یہ شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے، مگر اتنی جو اپنے قرض کی میعاد پوری ہونے تک اس کے اخراجات کو کافی ہو، اگر قرض غیر میعادی ہے اور جس کو اس نے قرض دیا ہے اور وہ محتاج ہے تو اصح قول کے مطابق زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ اس وقت مسافر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس کا قرضدار پیسے والا آدمی ہے اور اس کے قرض کو تسلیم کرتا ہے تو اب اس شخص (مالدار ضرورت مند) کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں، اگر وہ قرضدار قرض کو تسلیم نہ کرے اور قرضے کے گواہ عادل ہوں تو تب بھی یہی حکم ہے، ہاں گواہ غیر عادل ہوں تو اس وقت تک یہ شخص زکوٰۃ کا مال نہیں لے سکتا جب تک یہ شخص قاضی کے یہاں دعویٰ نہ پیش کرے، اور قاضی قرضدار سے اس کے انکار پر قسم نہ لے، قرضدار کے قسم کھانے کے بعد اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ (قاضی خان، فتاویٰ عالمگیری صـ۴۲ جلد ۴)۔

بے نمازی کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ بے نمازی محتاج کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نماز چھوڑنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا، البتہ نماز کا چھوڑنا فسق اور گناہ کبیرہ ہے مگر کفر نہیں ہے۔ لہٰذا تارک نماز کو جب کہ وہ محتاج ہو زکوٰۃ دینا درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے کہ تارک نماز کافر نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۲۰۹ ج۶)۔

بحوالہ مراقی الفلاح باب الوتر و فتاویٰ دار العلوم ص۳۰۵ جلد ۶ و ہدایہ ص۱۱۰ ج اول

نشہ کے عادی کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سُوال:- ایک شخص نہایت مفلس اور غریب ہے لیکن بھنگ وافیون وغیرہ کا از حد مرتکب ہے، اس کو زکوٰۃ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- یہ ظاہر ہے کہ صدقات وخیرات صلحاء کو دینا افضل ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے "ولیاکل طعامکم الابرار" یعنی تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں۔

لیکن فاسق و فاجر شراب خور جب کہ مفلس ہے اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اگرچہ بہتر یہ ہے کہ صلحاء فقراء کو دے۔ بہر حال ادائے زکوٰۃ میں کچھ تامل نہیں، بہتر ہونا اور نہ ہونا دوسری بات ہے۔ اور مفلس و محتاج اگرچہ فاسق ہو، اس کے دینے میں بھی ثواب ہے جیسا کہ آیا ہے کہ "ہر ایک ذی روح کے دینے میں اجر ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۳۵ ج۶ بحوالہ ردالمحتار ص۷۹ جلد ۲ باب المصرف)

(البتہ اگر یہ یقین کامل ہو کہ وہ شراب پینے پر یہ رقم صرف کرے گا تو اسے دینا درست نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے:- وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ پارہ ۶ سورۃ المائدہ۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

غیر مسلم فقیروں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سُوال:- زکوٰۃ کا کافروں کو دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:- زکوٰۃ کی تعریف در مختار وغیرہ میں یہ کی ہے کہ:- تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ شریعت میں اس کو کہتے ہیں کہ اپنے مال کا ایک حصہ معینہ جو کہ شارع علیہ السلام نے معین فرمایا ہے مثلاً چالیسواں حصہ مسلمان محتاج کو دیا جائے۔

پس معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے ادا کے لیے یہ شرط لازمی ہے کہ مسلمانوں کو ہی دی جائے جو کہ مصرفِ زکوٰۃ ہوں اور آیت کریمہ "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ" سورۂ توبہ رکوع ۸) آیت میں فقراء و مساکین سے مراد مسلمان فقراء و مساکین ہیں۔

باجماعِ اُمت۔ البتہ نفلی صدقہ ذمیوں، یعنی کافروں کو دیا جاسکتا ہے، ایسا ہی لکھا ہے درمختار میں بھی کہ زکوٰۃ وعشر وخراج کے علاوہ دوسرے صدقات کا فر کو دینا درست ہے (فتاویٰ دارالعلوم صـ۲۷۷ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۹۲ جلد۲ وکفایت المفتی صـ۲۶۳ جلد۴)۔

مسئلہ:۔ ہندو (غیر مسلم) فقیر محتاج کو اللہ کے واسطے دینا درست ہے لیکن زکوٰۃ کا روپیہ ہندو کو دینا درست نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۳۰۲ جلد۶ بحوالہ ہدایہ صـ۱۸۶ ج۱ وفقہ الزکوٰۃ صـ۲۰۵ جلد۲)۔

مسئلہ:۔ ہندو مفلس کے ذمہ کسی غریب مسلمان کا قرضہ ہو تو یہ قرضہ زکوٰۃ کی رقم سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ (فتاوی دارالعلوم صـ۲۴۲ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۹۱ ج۲ باب المصرف)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا مصرف صرف مسلمان ہیں کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اگر حکومت زکوٰۃ کی رقم غیر مسلموں کو دیتی ہے اور صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتی تو اہل زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ (آپ کے مسائل صـ۳۷۰ جلد۳ ومعارف القرآن صـ۳۹۷ جلد۴ و فتاویٰ محمودیہ صـ۲۵ جلد۷)۔

غیر مسلموں کی تعلیمگاہ میں زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ اس صورت میں (یعنی غیر مسلموں کے مدرسہ میں دینے سے) زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زکوٰۃ مسلمان محتاج کو دینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۲۴۵ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار صـ۹۲ جلد۲ باب المصرف)۔

بلا لحاظ مذہب زکوٰۃ دینا؟

سُوال:۔ زکوٰۃ کی رقم بلا لحاظ مذہب وملت عام محتاجوں ومعذوروں کو دینا کیسا ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ میں مسلمان محتاج (ضرورت مند) کو مالک بنانا زکوٰۃ کی رقم کا ضروری ہے، پس جس موقع میں شبہ ہو کہ مسلمانوں کو پہونچے گا یا غیر اہل اسلام بھی شریک ہوں گے اور کسی کی ملک نہیں کیا جائے گا تو ایسے مواقع میں حیلۂ تملیک کرالیا جائے اور پھر وہاں روپیہ زکوٰۃ کا دیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۲۶۲ جلد۶ وعالمگیری صـ۱۸۹ جلداول)۔

ملحد اور مرتد کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا اور نبوت کا

اور آخرت کا منکر ہو وہ بھی کافر محارب (دشمنِ اسلام) ہی کی طرح ہے، اسے بھی زکوٰۃ میں سے دینا، اس کی دین دشمنی میں تعاون کرنا ہے۔ اور جو شخص مرتد ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہو وہ تو اسلام کی نظر میں زندگی ہی کا مستحق نہیں ہے، چہ جائے کہ اس کی زکوٰۃ کی مد میں سے اعانت کی جائے۔ اس نے اس قدر بڑا جرم کیا ہے اور اسلام سے مسلمانوں سے اس قدر عظیم خیانت کی ہے کہ وہ معاشرے میں زندہ رہنے کا حق کھو بیٹھا ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوّت ہے کہ:۔"جو شخص (مسلمان) اپنا دین (اسلام) تبدیل کر دے اُسے قتل کر دو"۔ (فقہ الزکوٰۃ صـ۲۰۹ جلد ۲)۔

مسکین کس کو کہتے ہیں؟

مسئلہ:۔ جو شخص مالکِ نصاب نہ ہو اور وہ محتاج ہو، اس کو فقیر و مسکین کہتے ہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۱۹۴ جلد ۹ بحوالہ رد المحتار صـ۸۰ جلد ۲ و فقہ الزکوٰۃ صـ۱۵ جلد ۲)۔

(اصطلاح میں مسکین اسے کہا جاتا ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، بالکل بدحال ہو، اور جو صاحبِ نصاب نہ ہو مگر کھاتا پیتا ہو تو اصطلاح میں اس کو فقیر کہتے ہیں، اردو کے محاورہ میں مسکین اور فقیر ایک ہی معنیٰ میں بولا جاتا ہے یعنی جو زکوٰۃ کا مستحق ہو۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا مقدارِ نصاب سے کم ہو، اس کو اصطلاحِ شرع میں فقیر و مسکین کہتے ہیں وہ زکوٰۃ اور فطرہ کا مستحق ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ صـ۱۱۴ جلد ۱۳)۔

"فقیر" اور "مسکین" میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ "فقیر" کو سوال کرتے (مانگتے) ہیں عار نہیں ہوتا، لیکن "مسکین" کو اس کی خودداری اور عفتِ نفس، طلب و الحاح کی اجازت نہیں دیتی۔ صحیحین کی ایک حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "مسکین" کی یہ تعریف کی ہے:۔"الَّذِیْ لَا یجد غنی یغنیہ ولا یفطنون فیصدق علیہ ولا یقوم فیسال الناس" (۱) جسے ایسے وسائل میسّر نہیں کہ مالدار کر دیں۔ (۲) جس کا فقر ظاہر نہیں کہ لوگ خیرات دیں۔ (۳) جو خود سوال کے لیے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ (حقیقت الزکوٰۃ صـ۱۲ مولانا ابوالکلام آزادؒ و کتاب الفقہ علی المذاہب

الاربعہ صـ۱۰۱۲ جلد اول و فتاویٰ محمودیہ صـ۱۴۶ جلد ۱۱)۔

یقینی مساکین کون ہیں؟ قوم کے ایسے افراد جن پر وسائلِ معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور اگرچہ وہ خود پوری طرح ساعی ہیں، لیکن نہ تو نوکری (ملازمت) ہی ملتی ہے، نہ کوئی اور راہِ معیشت نکلتی ہے، یقیناً "مساکین" میں داخل ہیں اور اس مد کے اولین مستحق ہیں، لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہیے کہ ان کی خبرگیری بھی ہو جائے اور ساتھ ہی ان میں بے کاری کی عادت اور اپاہج پنا بھی پیدا نہ ہو۔ یہ بات نہ صرف اُن کی اعانت میں، بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہیے۔ (حقیقت الزکوٰۃ صـ۲۳ و علم الفقہ صـ۴۳ جلد ۴)۔

حکمی مساکین کون ہیں؟ ایسے افراد جو خوش حال تھے لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں، اگرچہ اپنی پچھلی حیثیت کی بنا پر معزز سمجھے جاتے ہوں، حکماً "مساکین" میں داخل ہیں اور ضروری ہے کہ اُس زکوٰۃ کی مد سے ان کی خبرگیری کی جائے۔ (حقیقت الزکوٰۃ صـ۲۳)

پیشہ ور فقیروں کو زکوٰۃ دینا؟ **سوال:۔** ایسے پیشہ ور فقیر کو جو محنت و مزدوری کر سکتا ہے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور فقیروں میں مستحق اور غیر مستحق کے درمیان کوئی امتیاز بھی نہیں ہوتا؟

جواب:۔ اگر وہ گداگر (غریب فقیر) صورتِ حال سے محتاج معلوم ہوتے ہیں تو ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگرچہ فی الحقیقت وہ مستحق نہ ہوں۔ دینے والے کو بہ قاعدہ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" کا ثواب حاصل ہوگا اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی (فتاویٰ دارالعلوم صـ۲۲۹ جلد ۶ بحوالہ ردالمحتار باب المصرف صـ۹۵ جلد ۲)۔

مسئلہ:۔ جس کو زکوٰۃ دی جائے اگر وہ صورت فقیرانہ و مفلسانہ رکھتا ہے یا فقیروں کے ساتھ مل کر آیا، یا اس نے سوال کیا اور اس پر زکوٰۃ دینے والے نے اس کو زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اگرچہ بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غنی (مالدار) تھا اور مصرفِ زکوٰۃ نہ تھا۔ (جب

بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی)۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۸ جلد۶ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۲ ج۱۱)۔

جو فقیر ناجائز کاموں میں خرچ کریں ان کو دینا؟

سوال: جن فقیروں کی نسبت غالب گمان ہو کہ وہ خیرات یا زکوٰۃ لے کر ناجائز کاموں میں صرف کرتے ہیں ان کو دینا کیسا ہے؟

جواب: گمان غالب اگر ایسا ہے تو بے شک ان کو زکوٰۃ و خیرات دینا ناجائز اور گناہ ہے، کیونکہ یہ اعانت علی المعصیۃ (گناہ پر مدد کرنا) ہے اور اعانت علی المعصیۃ حرام ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ سورۂ مائدہ پارہ ۶ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۹ ج۶)

مسئلہ: چور اور زانیہ کو بوجہ لاعلمی کے زکوٰۃ و صدقات دینے سے ثواب حاصل ہوگا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ باوجود علم کے دینا نہ چاہیے، اور اگر لاعلمی میں دیا جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۸ جلد۶ بحوالہ مشکوٰۃ ص۱۶۵ جلد اول)۔

مال دار فقیر کو زکوٰۃ دینا؟

سوال: ہمارے یہاں مساکین و فقراء ایسے نہیں جو صدقۂ فطر وغیرہ لینے کے قابل ہوں، کیونکہ وہ صاحب نصاب ہیں، ان پر زکوٰۃ واجب ہے، مالداروں سے بدرجہا بہتر ہیں، ایسے فقراء کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا مدارس اسلامیہ میں خرچ کرنا چاہیے؟

جواب: ایسے نام کے فقراء کو جو مالدار صاحب نصاب ہیں صدقۃ الفطر اور زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ نہ دینا چاہیے، بلکہ مدرسہ میں دے کر طلباء مساکین و غرباء پر صرف کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۸۶ جلد۶ بحوالہ رد المحتار ص۷۹ جلد۲ باب المصرف)۔

مسئلہ: ایسے فقیروں کو زکوٰۃ دینا جن کا پیشہ مانگنے کا ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ اکثر متمول ہوتے ہیں، دینا درست نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۰۴ جلد۶)۔

جو فقیر کمانے پر قادر ہو، اُس کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ: زکوٰۃ کے مستحق ہونے کا مدار حاجت پر ہے کہ کسی شخص کے پاس اس قدر مال ہو جس سے اس کی اور اس کے زیرِ کفالت افراد کی ضرورت

پوری ہوسکے۔ اس اصول کے مدِنظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حاجت مند تو ہو لیکن کام نہ کرتا ہو اور معاشرے پر بوجھ بن کر محض زکوٰۃ اور صدقات پر گذر کرنا چاہتا ہو، حالانکہ جسمانی لحاظ سے وہ محنت کرنے کے قابل ہو تو کیا ایسے شخص کو صدقات دی جاسکتی ہے؟

جمہور فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ کسب یعنی کمانے کے قابل فقیر کا زکوٰۃ لینا (اور دینا) جائز تو ہے لیکن جب تک اس کے پاس زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ موجود ہو اس کے لیے نہ لینا ہی زیادہ بہتر ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۲۸ جلد۲ بحوالہ مجمع الانہار ص۲۲)

مسئلہ:۔ جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے اگرچہ وہ صحیح اور کمانے کے قابل ہو، کیونکہ وہ فقیر ہے اور فقراء مصارفِ زکوٰۃ میں داخل ہیں، نیز یہ کہ حقیقی حاجت کا پتہ لگانا دشوار ہے، اس لیے نصابِ زکوٰۃ کے مالک نہ ہونے کو حاجت مند ہونے کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص۲۰۶ جلد۲)

یتیم خانہ میں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ نابالغوں کو زکوٰۃ دینا درست ہے، پس یتیم خانہ میں یتامیٰ کے خرچ کے لیے زکوٰۃ کا روپیہ دینا درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۵۷ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۷۹ جلد۲ باب المصرف)۔

مسئلہ:۔ یتیم نابالغ مفلس کے مصارف میں صرف کرنے کے لیے اس کے ولی یعنی سرپرست کو دینا درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۵۹ جلد۶ وفقہ الزکوٰۃ ص۱۴۴ ج۲ وفتاویٰ محمودیہ ص۹۰ ج۳)

مسئلہ:۔ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہو تو صرف اس خرچ کی حد تک زکوٰۃ کی رقم صرف ہوسکتی ہے۔ (معارف القرآن ص۴۰۹ جلد۴)۔

مسئلہ:۔ اگر وہ (یتیم لڑکا سمجھ دار ہے، روپیہ پر قبضہ کرسکتا ہے تو خود اس کو دینا جائز ہے (زکوٰۃ کی رقم) اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بطور امانت لے کر (سرپرست) رکھ سکتا ہے، اور اگر وہ ناسمجھ ہے کہ روپیہ کو کہیں پھینک دے گا یا کسی اور طرح ضائع کردیگا تو پھر اس کو دینا درست نہیں بلکہ وہ جس کی پرورش میں ہے اس کو لڑکے کے لیے دے دیا جائے اور اگر وہ قابلِ اعتماد نہ ہو تو پھر کوئی چچا (معتمد وغیرہ) اس روپیہ پر لڑکے کے پرورش

کرنے والے کا قبضہ کرا کے بطورِ امانت رکھ سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر ولی (سرپرست) نے لڑکے کی طرف سے زکوٰۃ کا روپیہ اپنے قبضہ میں لیا تو اس میں کوئی نقصان نہیں لیکن جو روپیہ ولی نے زکوٰۃ کا اپنی طرف سے نکالا ہے وہ جب تک بطور تملیک لڑکے کی ضرورت میں صرف نہ کردے گا، زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (فتاویٰ محمودیہ ص۹ ج۳)

زکوٰۃ کی رقم سے یتیم خانہ کی تعمیر کرنا؟

مسئلہ: زکوٰۃ کی رقم سے یتیم خانہ کی تعمیر نہیں ہوسکتی، اور ایسا سامان بھی نہیں خریدا جاسکتا جو بطور تملیک کے مستحقین کو نہ دیا جاتا ہو مثلاً یتیم خانہ کے پلنگ، فرش، فرنیچر، برتن وغیرہ اور زکوٰۃ کا روپیہ یتیم خانہ کے ملازمین کی تنخواہ کے طور پر خدماتِ مفوضہ کے عوض میں بھی نہیں دیا جاسکتا ہے۔ ہاں یتیم کے کھانے، خوراک ولباس میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا وظائف کی شکل میں نقد دیا جاسکتا ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۷۹ جلد۴)۔

رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں کو زکوٰۃ دینا؟

سوال: کن کن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کن کو ناجائز؟

جواب: زکوٰۃ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لیے حلال نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مراد ہیں آلِ علی رضؓ، آلِ عقیل رضؓ، آلِ جعفر رضؓ، آلِ عباس رضؓ، اور آلِ حارث بن عبدالمطلب۔ پس جو شخص ان پانچ بزرگوں کی نسل سے ہو اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اگر وہ غریب اور ضرورت مند ہو تو دوسرے فنڈ سے ان کی خدمت کرنی چاہیئے۔ (آپ کے مسائل ص۲۹ جلد۳ وعلم الفقہ ص۴۶ جلد۴)۔

سیّد اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: سید یا ہاشمی اگر انتہائی غربت کے عالم میں ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیا اہلِ محلہ میں اتنی مروت بھی نہیں کہ غیر زکوٰۃ سے ان کی حاجت پوری کردیں، اگر کسی کا والد انتہائی غربت کے عالم میں ہو تو کیا اس کو بھی مدِ زکوٰۃ ہی سے دے گا؟ (احسن الفتاویٰ ص۲۷۹ جلد۴ بحوالہ ردالمحتار ج۲ ص۶۷)

وکتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۱۰۱ جلد اول و فتاوی محمودیہ ص۵۴ جلد۳)۔

مسئلہ :۔ حنفیہ رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اور ظاہر الروایۃ کے مطابق سید کو کسی حال میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم ص۲۱۲ جلد۶)۔

مسئلہ :۔ مفتیٰ بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانہ میں بھی زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثل چرم قربانی وصدقہ فطر وغیرہ دینا حرام ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی۔ یہ قول صحیح نہیں ہے جو کسی نے کہا ہے کہ بعض حالات میں مباح ہے۔ (فتاوی دار العلوم ص۲۳۹ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۹ جلد۲ باب المصرف)۔

مسئلہ :۔ سید کو زکوٰۃ وعشر کا روپیہ وغلہ دینا درست نہیں ہے ہاں حیلہ کر کے دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر سیّد غریب کو یہ کہہ کر دے دیا جائے کہ فلاں سید کو دینا تھا مگر وہ سید ہے اس کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں، لہٰذا تم کو دیتے ہیں۔ اگر تم یہ تمام یا بعض اس کو بھی اپنی طرف سے دیدو تو بہتر ہے اور وہ لے کر دیدے تو سید کے لیے جائز ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۷۲ جلد۴)۔

مسئلہ :۔ اس زمانہ میں (بھی) بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینے پر احقر فتویٰ منع پر ہی دیتا ہے، اگر ضروری ہو تملیک کر کے بنی ہاشم کو دیدی جائے۔ (فتاوی دار العلوم ص۲۷۱ جلد۶)۔

جس کی ماں سیّد ہو، اُس کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ :۔ اگر کسی شخص کی صرف ماں سیّد ہو، باپ سیّد نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اس لیے کہ نسب والد کی طرف سے ہوتا ہے، جس کا والد سیّد نہ ہو وہ صرف والدہ کی طرف سے سیّد نہیں ہو سکتا۔ (احسن الفتاوی ص۲۷۹ جلد۴ بحوالہ ردالمحتار باب الکفارۃ ص۳۴۶ جلد۲)۔

جو شجرۂ نسب نہ رکھتا ہو، اُس کو زکوٰۃ دینا؟

سوال :۔ زید اپنے آباؤ اجداد سے یہی سنتا آیا ہے کہ ہمارا سلسلۂ نسب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، لیکن زید کے پاس کوئی مکمل شجرۂ نسب نہیں ہے، جس سے صحیح طور پر معلوم ہو سکے کہ ہم واقعی سیّد ہیں تو اس صورت میں

زید کو مالِ زکوٰۃ لینا (جب کہ مستحقِ زکوٰۃ بھی ہے) درست ہے یا نہیں؟

جواب :- ثبوتِ نسب کے لیے عام شہرت کافی ہے، شجرہ ہونا ضروری نہیں، لہٰذا زید کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۷۹ جلد ۴ و کفایت المفتی ص۲۵۵ ج۴)

جو سیّد مشہور ہو، اُس کو زکوٰۃ دینا؟

سُوال :- جو شخص سید کہلایا جاتا ہو مگر اس کے نسب کا کہیں پتہ نہیں بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ چوں کہ اس کے یہاں تعزیہ داری وغیرہ ہوتی ہے اس کے سبب سے سید کہلاتا ہے، اور ان کی قرابتیں بھی عام طور سے جو لوگ شیخ کہلاتے ہیں، ان میں ہوتی ہیں تو ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟۔

جواب :- صرف تسامع (سُنی سنائی بات) کافی ہے جبکہ مکذّب بیّن نہ ہو (یعنی اس کے خلاف جھٹلانے والا ظاہر نہ ہو۔ (امداد الفتاویٰ ص۲۸ جلد ۲)۔

سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی عقلی وجہ

مسئلہ :- زکوٰۃ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل (اولاد) کو اس سے مُلوّث کرنا مناسب نہ تھا، اگر وہ ضرورت مند ہوں تو پاک مال سے ان کی مدد کی جائے، نیز اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو زکوٰۃ دینے کا حکم ہوتا تو ایک ناواقف کو وسوسہ ہو سکتا تھا کہ یہ خوب صورت نظام اپنی اولاد ہی کے لیے (معاذ اللہ) جاری تو نہیں فرما گئے؟۔

نیز اس کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ کی آل کو زکوٰۃ دینا جائز ہوتا تو لوگ آپ کے رشتہ و قرابت کی بنا پر انہی کو ترجیح دیتے، غیر سید کو دینے پر ان کا دل مطمئن نہ ہوتا، اس سے دوسرے فقراء کو شکایت ہوتی۔ (آپ کے مسائل ص۲۹۱ جلد ۳ و فقہ الزکوٰۃ ص۲۴۲ جلد ۲)۔

مسئلہ :- سید کو زکوٰۃ نہ دینے میں ایک راز یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفسِ نفیس صدقہ لیتے اور اُسے رشتہ داروں اور ان لوگوں کے لیے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے تجویز فرماتے تو اس بات کا احتمال تھا کہ لوگ آپؐ سے بدگمان ہوتے اور آپؐ کے

حق ہیں وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکل بند کردیا اور اس بات کو ظاہر فرمایا کہ زکوٰۃ ان ہی کے مالداروں سے لے کر ان ہی کے فقراء کو واپس کردی جائے۔ (اسرارِ شریعت ص۳۰۵ جلد اول)۔

سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی نقلی وجوہات

مسئلہ:- زکوٰۃ اور فطرہ سیّد کو مجبوری میں بھی لینے اور دینے کی اجازت نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے، حدیث شریف میں اس کو "اوساخ الناس" کہا گیا ہے یعنی لوگوں کا میل کچیل۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمدؐ کے لیے حلال نہیں ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱ ج۱)۔

اس حدیث شریف میں سادات کے لیے حرمتِ زکوٰۃ کی علت اُوساخ الناس بیان فرمائی ہے۔ بیت المال سے ان کے لیے وظائف کا مقرر ہونا بیان نہیں فرمایا گیا اور یہ علت آج بھی قائم ہے، اس لیے ان کے لیے حُرمتِ زکوٰۃ کا حکم آج بھی باقی ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے اور ساداتِ کرام کا احترام بھی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بچپن کے زمانہ میں صدقہ کی ایک کھجور اپنے مونھ میں ڈال لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مونھ سے نکلوادی اور فرمایا کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ (مشکوٰۃ ص۱۶۱ جلد اول)

درمختار و شامی میں ہے کہ نہیں جائز ہے زکوٰۃ بنی ہاشم کو۔ پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا مطلقاً ممنوع ہے۔ خواہ بنی ہاشم، بنی ہاشم کو دے یا کوئی غیر دے اور ہر زمانہ میں ممنوع ہے۔ لہٰذا صاحبِ حیثیت اور اہلِ خیر حضرات کو لازم ہے کہ وہ سادات کی بقدر رقوم سے امداد کریں اور ان کو مصیبت و تکلیف سے نجات دلائیں کہ یہ بڑا اجر و ثواب کا کام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح محبت کی دلیل ہے ورنہ مؤاخذہ کا اندیشہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۸ جلد۵ و فتاویٰ محمودیہ ص۲۵۵ جلد۷)۔

سیّد کی زکوٰۃ سیّد کو؟

سوال:- کیا سیّد مالدار اپنے غریب مسکین سید رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب :- حامداً ومصلیاً! ناجائز ہے یہی صحیح اور صواب ہے۔ (فتاوی محمودیہ ص۳۳ جلد۳ بحوالہ شامی ص۹۶ جلد اول)۔

سید کی بیوی کو زکوٰۃ دینا؟

سوال :- ہمارے ایک عزیز جو کہ سید ہیں، جسمانی طور پر بالکل معذور ہیں، کمانے کے قابل نہیں، ان کی بیوی جو کہ غیر سید ہیں، گھر کا خرچ چلاتی ہیں، سوال یہ ہے کہ ان کی بیوی غیر سید ہیں اور گھر کی کفیل ہیں تو باوجود اس کے کہ شوہر اور بچے جو کہ سید ہیں ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا کیا حکم ہے؟

جواب :- بیوی اگر غیر سید ہے اور وہ زکوٰۃ کی مستحق ہے تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ اس زکوٰۃ کی مالک ہونے کے بعد وہ اگر چاہے تو اپنے بچوں اور شوہر پر خرچ کر سکتی ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۲ جلد۳)۔

مسئلہ :- شوہر کے سید ہونے کی وجہ سے عورت کو جو کہ خود مفلس ہے اور مالک نصاب نہیں ہے، زکوٰۃ دینا منع نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور رشتہ دار مفلس کو زکوٰۃ دینے میں ثواب زیادہ ہے۔ (فتاوی دار العلوم ص۲۲۳ جلد۶)۔

سیدہ عورت کی اولاد کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ :- سادات کی لڑکی کی شادی صدیقی سے ہو جائے تو بچے سید نہیں بلکہ صدیقی ہیں؛ اس لیے (بیوہ کے) ان بچوں کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے اور بیوہ اپنے ان بچوں کے لیے زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے، اپنے لیے نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۲ ج۳)

سید کا قرض مالِ زکوٰۃ سے ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سوال :- ایک سید کے ذمہ ایک مسلمان کا قرض ہے، کیا وہ قرضہ مد زکوٰۃ سے ادا کر سکتا ہے؟

جواب :- اس صورت میں زکوٰۃ کے روپیہ سے قرض ادا نہیں کیا جا سکتا ہے (فتاوی دار العلوم ص۲۴۲ جلد۶)۔

کیا سید کو اضطراری حالت میں زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

مسئلہ :- اگر سید کو

اضطراری حالت ہو، فاقہ پر فاقہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں زکوٰۃ جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ (پارہ ۶)

گو حدیث سے فتویٰ یہ ہی ہے کہ سید کو زکوٰۃ نہ دی جائے، اگر سید کو اور قسم کا رزق (مال) آتا ہو، اُسے زکوٰۃ لینے کی حاجت ہی کیا ہے؟ اگر اضطراری حالت ہو تو اور بات ہے۔ (اسرارِ شریعت ص۳۰۷ جلد اول)۔

اگر غلطی سے سید کو زکوٰۃ دیدی گئی تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ زید ہاشمی ہے، اس کو کسی نے زکوٰۃ دے دی تو اب زید کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر دینے والے نے غور و فکر کے بعد مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دیدی تھی تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ مگر زید کو اس چیز کے زکوٰۃ ہونے کا علم ہوگیا تو اس پر لازم ہے کہ جس نے زکوٰۃ دی تھی اس کو واپس کردے۔ (احسن الفتاوی ص۲۸۰ ج۴ بحوالہ رد المحتار ص۹۴ ج۲)

شیعہ اور قادیانی کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ شیعہ اور قادیانی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ شیعہ اور قادیانی کافر ہیں، بلکہ دوسرے کفار سے بھی بدتر ہیں، اور کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ شیعہ اور قادیانی کو زکوٰۃ دینا سخت گناہ ہے، اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، بلکہ اُن کو کسی قسم کا بھی صدقہ دینا جائز نہیں۔ (احسن الفتاوی ص۲۸۱ جلد۴ بحوالہ رد المحتار ص۲۳ جلد۲)۔

مستحق کی تصدیق کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ رشتہ دار و احباب و اقارب جو بظاہر مستحق زکوٰۃ نظر آتے ہیں یہ کس طرح تصدیق کی جائے کہ یہ صاحب نصاب ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ ظاہر کا اعتبار ہے، پس اگر ظاہر حال کے مطابق دل مانتا ہے کہ یہ شخص مستحق ہوگا، اس کو زکوٰۃ دے دی جائے۔ (آپ کے مسائل ص۲۹۳ جلد۳)۔

رشتہ دار مسکین کو زکوٰۃ دینا؟

سوال :۔ میرا ایک بھائی بہت نادار مفلس اور ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہے، اس کا خرچہ آمدنی کچھ بھی نہیں تو کیا میں پوری رقم زکوٰۃ اس کو دے سکتا ہوں؟

جواب :۔ اس کو دینا زیادہ ثواب ہے، **مگر یکمشت** اتنی رقم نہ دیں کہ وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے، کچھ رقم دیں، جب وہ خرچ ہو جائے تو مزید دے دیں۔ البتہ اگر وہ عیالدار بھی ہے تو بیک وقت اتنی رقم دے سکتے ہیں کہ کُل افراد پر تقسیم کی جائے تو کسی کے پاس بھی نصاب پورا نہ ہو۔ (احسن الفتاوی ص۲۹۲ جلد۴ بحوالہ رد المحتار ص۶۷ ج۲)۔

(زکوٰۃ وغیرہ حتی الامکان ایسے لوگوں کو دی جائے جو مانگتے نہیں، آبرو کے لیے گھر بیٹھے ہیں اور مستحق بھی ہیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

معمولی آمدنی والے کو زکوٰۃ دینا؟

سوال :۔ ایک عزیز معمولی حیثیت کا کام کر رہے ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب :۔ اگر وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں (صاحب نصاب نہیں) تو زکوٰۃ کی مد سے ان کی مدد ضرور کرنی چاہیئے۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۳ جلد۳)۔

بھائی کو زکوٰۃ دے کر باپ پر خرچ کروانا؟

مسئلہ :۔ بھائی کو زکوٰۃ دینا (جب کہ صاحب نصاب نہ ہو) صحیح ہے۔ مگر اس سے یہ فرمائش کرنا کہ وہ فلاں شخص (باپ) پر خرچ کرے، غلط ہے۔ جب اس نے بھائی کو زکوٰۃ دیدی تو وہ اس کی ملکیت ہوگی، اب وہ اس کا جو چاہے کرے، اور اگر بھائی کو زکوٰۃ دینا مقصود نہیں، بلکہ والد کو دینا مقصود ہے اور بھائی محض وکیل ہے تو بھائی کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۴ ج۳)

سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ :۔ سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جب کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ ہو یعنی صاحب نصاب اور سیدہ نہ ہو، درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ص۲۶۵ جلد۷)

اپنی ناجائز اولاد کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ :۔ زانی کا اپنے اس بیٹے کو زکوٰۃ دینا

درست نہیں ہے جو زنا سے پیدا ہوا ہو، اور اس طرح اس بیٹے کو دینا بھی جائز نہیں ہے جس کا وہ انکار کر چکا ہے، (خواہ وہ لڑکا اُمّ ولد سے ہو یا لعان کے ذریعہ اس کا انکار عمل میں آیا ہو) البتہ اس لڑکے کو دینا جائز ہے جو ایسی عورت کا لڑکا ہے، جس کے خاوند کو لوگ جانتے پہچانتے ہیں۔ (درمختار ص۱۰۷ جلد۲)

مسئلہ:۔ شادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچہ کی ولادت یعنی پیدائش ہو تو وہ شرعاً حرامی ہے، مگر جس کے نطفہ سے وہ بچہ ہے وہ شخص اس بچہ کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دے سکتا، اگر دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۴۲ جلد۲ بحوالہ شامی ص۹۴ ج۲) وعالمگیری ص۳۹ جلد۴)۔

جس کو دودھ پلایا اس کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ جس بچے کو (کسی غیر کے) تم نے دودھ پلایا ہے اس کو اور جس نے تم کو بچپن میں دودھ پلایا ہے اس کو بھی زکوٰۃ دینا درست ہے (امداد، مسائل الزکوٰۃ ص۴۷)

(رضاعت یعنی بچپن کے زمانہ میں دودھ پلانے سے رضاعت کا حقیقی والدین کا رشتہ شمار نہ ہوگا، اس لیے زکوٰۃ کا دینا اور لینا جائز ہے محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

زکوٰۃ کی رقم سے شفاخانہ قائم کرنا؟

سوال:۔ ہم لوگ ایک دواخانہ کھولنا چاہتے ہیں جس کا خرچ زکوٰۃ اور چرم قربانی کے پیسوں سے چلانا ہے اور اس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے گا، اس میں مریضوں سے کچھ پیسے بھی وصول کیے جائیں گے، اور وہ پیسے اُسی دواخانہ میں خرچ کریں گے، کیا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دواخانہ میں زکوٰۃ اور چرم قربانی کا مصرف صرف یہ ہے کہ اس رقم سے دوائیں خرید کر مساکین کو مفت دی جائیں، اس مد سے دواخانہ کے ڈاکٹروں و دوسرے کارکنوں کی تنخواہ، کرایہ مکان، تعمیر اور فرنیچر وغیرہ مصارف پر خرچ کرنا جائز نہیں، اس

سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، مساکین سے دوا کے پیسے لینا اور غیر مسکین کو دوا دینا جائز نہیں، بعض دوا خانوں میں مدِ زکوٰۃ سے مریضوں کو خون دیا جاتا ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۸۱ ج۴ بحوالہ رد المحتار ص۲۶۸ ج۲ و فتاویٰ دار العلوم ص۲۱۷ جلد۶ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۴۴ جلد۱۴)۔

مسئلہ:۔ اگر ہسپتالوں میں حاجت مند غریبوں کو مالکانہ حیثیت سے دوا دیدی جائے تو اس کی قیمت زکوٰۃ کی رقم میں محسوب ہو سکتی ہے۔ (معارف القرآن ص۴۰۹ جلد۴)

مسئلہ:۔ اگر کوئی نادار مستحق زکوٰۃ بیمار ہو جائے تو دوا (اور کھانے کے لیے پھل وغیرہ) خرید کر مستحق کو دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور ڈاکٹر کی فیس مستحق کے ہاتھ میں دیدی جائے تاکہ اس کا قبضہ ہو جائے پھر اس سے لے کر ڈاکٹر کو بنام فیس دے دے، یا مریض کے گھر والوں کو زکوٰۃ کی نیت سے دیدے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ص۲۸۱ جلد۴)۔

ادائے زکوٰۃ کی ایک صورت

سوال:۔ اگر زکوٰۃ کے پیسے گھر رکھے ہوں اور گھر کے باہر کوئی ضرورت مند مل جائے، تو کیا جیب کے پیسوں میں سے کچھ دیدیں اور گھر آکر زکوٰۃ کے پیسوں میں سے لے لیں تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۳۷۵ جلد۳)۔

سیلاب زدگان کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ سیلاب زدگان کو زکوٰۃ کی رقم سے کھانا پکا کر بھیجنا یا نقدی یا اور کچھ سامان بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر ظنِ غالب ہو کہ یہ لوگ مستحق زکوٰۃ ہیں، یعنی اُن کے پاس بقدرِ نصاب مانع زکوٰۃ نصاب نہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ ان اشیاء یا رقوم کا ان کو مالک بنا دیا جائے، اگر ان کی ملک میں نہیں دیا گیا بلکہ ویسے اُن پر خرچ کیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسی طرح اگر کھانا بٹھا کر کھلایا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی مسکین کی ملک میں دینا ضروری ہے (یعنی اس کھانے وغیرہ کا مالک بنا دیا جائے)۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۴ جلد۴)۔

(حوادث اور فساد زدہ علاقہ میں بعض لوگ مالکِ نصاب بھی ہوتے ہیں مثلاً کسی کی دوکان یا فیکٹری وغیرہ تباہ و برباد کردی گئی یا زلزلہ و سیلاب وغیرہ میں تباہ ہوگئی لیکن ان کا بینک بیلنس ہے یعنی روپیہ بینکوں میں جمع ہے، یا دوسری جگہ زمین جائداد وغیرہ اس کی ملکیت ہے جو بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے تو ایسے لوگ شرعاً زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں، اور زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔ نیز ایسے مواقع میں بسا اوقات اصل مستحق تک زکوٰۃ کی رقم نہیں پہونچتی اور غیر مستحق کو مل جاتی ہے۔ اس لیے ایسے مواقع میں احتیاط بہت ہی ضروری ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مدِّ زکوٰۃ سے قیدیوں کو کھانا کھلانا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ نفلی صدقات سے قیدیوں کو کھانا کھلانا جائز ہے، زکوٰۃ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قیدی صاحب نصاب نہ ہوں اور ان کو کھانے کا مالک بنا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اگر اباحۃً کھلایا مالک نہیں بنایا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس لیے کہ زکوٰۃ میں تملیکِ فقیر شرط ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۷ جلد۴ و آپ کے مسائل ص۴۰۲ جلد۳)

فوجی کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ جنگ میں جو مسلمان سپاہی (یا فوجی) مجروح ہوتے ہیں، ان کی ضروریات کا سامان مالِ زکوٰۃ سے خرید کر بھیجنا یا نقد روپیہ ان کی ضروریات کا بھیجنا، پس اگر مجروحین (زخمیوں) مسلمین کے پاس پہونچنا زکوٰۃ کا جو مالکِ نصاب نہ ہوں، یقین ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیکِ فقیر ضروری ہے یعنی مالک بنانا ایسے شخص کو جو مالکِ نصاب نہ ہو لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۳ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۸۵ جلد۲ و احسن الفتاویٰ ص۲۸۹ جلد۴)۔

پارسل کرایہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا؟

مسئلہ:۔ پارسل کے کرایہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے سے زکوٰۃ

ادا نہیں ہوتی، اس لیے کہ زکوٰۃ میں تملیکِ مستحق بلاعوض شرط ہے وہ یہاں (ڈاکخانہ میں) پایا نہیں جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صفحہ ۱۵۰ جلد ۵)۔

ان حضرات کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے

(۱) اپنے حقیقی، علاتی، اخیافی، رضاعی بھائی بہنوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۲) اپنے چچا، پھوپھی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۳) اپنے ماموں، خالہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے،

(۴) اپنے سوتیلے ماں باپ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۵) اپنے خسر اور ساس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۶) مالدار کے والدین جو مستحق زکوٰۃ ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۷) مالدار کی بالغ اولاد جو مستحق زکوٰۃ ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۸) مالدار کی بیوی جو مستحق زکوٰۃ ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۹) مالدار بیوی کا شوہر جو مستحق زکوٰۃ ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۱۰) اپنے داماد اور بہو کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۱۱) شاگرد کا استاذ کو اور استاذ کا شاگرد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (محض استاذ اور شاگرد کا تعلق مانع زکوٰۃ نہیں ہے)۔

(۱۲) شوہر کا اپنی بیوی کی ایسی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو اس کے پہلے شوہر سے ہو۔

(۱۳) بیوی کا اپنے شوہر کی ایسی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو اس کی پہلی بیوی سے ہو۔

(۱۴) مسافر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جبکہ سفر میں اس کے پاس مال نہ ہو، اگرچہ اس کے پاس گھر پر نصاب کے بقدر مال موجود ہو۔

(۱۵) نابالغ محتاج کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جب کہ اس کا باپ صاحب نصاب نہ ہو اگرچہ ماں صاحب نصاب ہو۔

(۱۶) عورت اپنے شوہر کی اولاد کو جو کہ اس کی دوسری بیوی سے ہو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

(۱۷) کسی شخص کی سو روپے کی آمدنی ہے اور اپنا گھر بھی ہے لیکن خرچ تین سو کا ہے وہ مصرفِ زکوٰۃ ہے۔

(۱۸) جس شخص کی آمدنی کافی ہے لیکن وہ مقروض ہو اور قرض ادا نہ کر سکے تو وہ بھی مصرفِ زکوٰۃ ہے۔

(۱۹) زکوٰۃ ہر اس شخص کو دی جا سکتی ہے جس کے پاس مقدارِ نصاب سے کم مال ہو، اگرچہ وہ شخص تندرست اور کمائی کرنے کے قابل ہو۔

(مندرجہ بالا حضرات اگر مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کی مدد زکوٰۃ کی مد سے کر سکتے ہیں اور ان کو یہ بھی بتلانا ضروری نہیں کہ "یہ زکوٰۃ ہے" بلکہ خود نیت کر لینا کافی ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

(نوٹ ۵) حقیقی بھائی بہن ان کو کہتے ہیں جن کے ماں باپ ایک ہوں۔ علاتی بھائی بہن ان کو کہتے ہیں کہ دونوں کا باپ ایک ہو اور ماں الگ الگ ہو، اخیافی بھائی بہن ان کو کہتے ہیں کہ دونوں کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ۔ رضاعی بھائی بہن ان کو کہتے ہیں جنہوں نے ایک عورت سے دودھ پیا ہو۔

مندرجہ بالا نمبر ایک ۱ سے نمبر ۱۹ تک مسائل درج ذیل کتابوں سے مستفاد ہیں:۔

امداد الفتاوی ص۱۲ جلد۳۔ فتاویٰ دار العلوم ص۲۳۷ جلد۶ و ص۲۳۸ جلد۶ و ص۱۹۶ جلد۶ و ص۲۴۵ جلد۶ و ص۲۴۶ جلد۶ و ص۲۹۲ جلد۶ و ص۲۹ جلد۶ و ص۲۷۹ جلد۶ و ص۲۸۹ جلد۶۔ و فتاویٰ محمودیہ ص۱۰۶ جلد۱۳ و ص۹۵ جلد۱۳ و احسن الفتاویٰ ص۱۶۹ جلد۴ و فتاوے عالمگیری ص۴۲ جلد۴ و ص۳۹ جلد۴ و کتاب الفقہ ص۱۰۱۴ جلد۱ و طحطاوی ص۴۱۹ جلد و ہدایہ ص۲۰۵ جلد اول و امداد مسائلِ زکوٰۃ ص۴۳ و آپ کے مسائل اور ان کا حل ص۳۹۴ جلد۳

ان حضرات کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

(۱) اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، پڑدادا، پڑدادی الخ کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

(۲) اپنی ماں، نانا، نانی، پڑنانا، پڑنانی الخ کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

(۳) اپنے حقیقی لڑکے، پوتے، پوتیاں، پڑپوتے، پڑپوتیاں آخر کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے
(۴) اپنی حقیقی لڑکی، نواسے، نواسی، پڑنواسے، پڑنواسی آخر کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۵) شوہر کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ دینا، اسی طرح بیوی کا اپنے شوہر کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۶) ایسی مطلقہ عورت جو عدت گذار رہی ہو، اس کے شوہر کا اس کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے
(۷) مالدار صاحب نصاب کی محتاج نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۸) جو عورت (بیوہ) مالک نصاب ہے اس کو اور اس کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۹) مدرس مدرسہ کو اور امام مسجد کو زکوٰۃ کا روپیہ تنخواہ میں دینا ناجائز ہے۔
(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔ اگر وہ غریب ہیں تو ان کی مدد زکوٰۃ کے علاوہ روپیہ سے کرنا چاہیئے۔
(۱۱) مالدار مالک نصاب کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۱۲) زکوٰۃ کا روپیہ مسجد کی، مدرسہ کی، خانقاہ کی مسافر خانہ کی، یتیم خانہ کی، اسکول کی شاہ راہ عام کی تعمیر میں، کنویں اور نہروں کی کھدوائی میں لگانا ناجائز ہے۔
(۱۳) زکوٰۃ کا روپیہ میت کے کفن میں صرف کرنا، اسی طرح زکوٰۃ کے روپے سے قبرستان کے لیے زمین خریدنا ناجائز ہے۔
(۱۴) وہ تمام صورتیں جن میں مالک بنانا نہیں پایا جاتا وہ زکوٰۃ کے مصارف نہیں ہیں۔
مندرجہ بالا مسائل ایک ۱ سے ۱۴ تک درج ذیل کتابوں سے مستفاد ہیں:۔
معارف القرآن ص۴۱۲ جلد۴ وفتاوی دارالعلوم ص۲۹۲ جلد۶ و ص۲۸۲ جلد۶ و ص۲۱۲ جلد۶ و ص۲۱۳ جلد۶ و ص۲۳۸ جلد۶ و ص۳۹ جلد۶ واحسن الفتاوی ص۴۶۹ جلد۴ و ص۳۶۹ جلد۴ وکتاب الفقہ ص۱۰۱۴ جلد اول وفتاوی محمودیہ ص۸۷ جلد۱۳ وآپ کے مسائل اور ان کا حل ص۵۰۴ جلد۳ و ص۳۹۰ جلد۳ وفتاوی عالمگیری ص۳۹ جلد۴ و درمختار ص۱۴۱ جلد اول وفقہ الزکوٰۃ ص۲۰۳ جلد۲ و امداد مسائل الزکوٰۃ ص۷۶ و ص۷۲۔

قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال :- ایک شخص جو زکوٰۃ

کا مستحق ہے اس کو زکوٰۃ دینے والا کسی مصلحت سے قرض کی رقم کہہ کر زکوٰۃ دے اور نیت بھی زکوٰۃ کی ہے نہ کہ رقم واپس لینے کی تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب: ۔صورتِ مسئولہ میں جب نیت زکوٰۃ کی ہے نہ کہ رقم واپس لینے کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کسی نے مسکین کو درہم دیئے بطورِ قرض اور ہبہ کے، اور نیت کرلی زکوٰۃ کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۱۲ جلد۳ بحوالہ عالمگیری ص۱۷۱ جلد اول)۔

مسئلہ: ۔زید نے بکر کو سو روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیئے اور زکوٰۃ کا نام معیوب سمجھنے کی وجہ سے نہیں لیا اور یہ کہا کہ تم اپنا کام کرلو، جب ہوں دے دینا، دو سال کے بعد بکر نے زید کے روپے واپس کیے تو زید کو واپس لینا جائز نہیں کیونکہ زکوٰۃ ادا ہوگئی تھی، بکر کو واپس دینا لازم ہے۔ اگر زکوٰۃ کا اظہار مناسب نہ ہو تو بکر پر یوں ظاہر کرے کہ میں نے قرض معاف کر دیا ہے، یا ہدیہ کے نام سے دیدے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۶۴ جلد۴ و فقہ الزکوٰۃ ص۳۶۹ جلد۲)

مسئلہ: ۔اگر کسی مسکین (مستحقِ زکوٰۃ) کو کچھ رقم بطورِ قرض یا بطورِ ہبہ کے دی، اور نیت اس میں زکوٰۃ کی کرلی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۴ جلد۴)۔

زکوٰۃ کی رقم کسی دوسرے عنوان سے دینا کیسا ہے؟

سوال: ۔مستحقِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ دیتے وقت یہ کہنا کہ یہ زکوٰۃ ہے، کیا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: ۔زکوٰۃ کے روپے دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے صرف نیتِ زکوٰۃ کافی ہے بلکہ مستحق کو یہ کہے کہ یہ عطیہ ہے یا قرض دیتا ہوں مگر دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۳ جلد۲ وعلم الفقہ ص۴۵ جلد۴)۔

مسئلہ: ۔بھائی غریب ہو، مالکِ نصاب نہ ہو یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مالک نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ (شامی ص۶۲ ج۲)

مسئلہ: ۔زکوٰۃ کی رقم بہ نیتِ زکوٰۃ، ہبہ، تحفہ، عیدی اور انعام کے نام سے بھائی

بھاوج اور بچوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۱۷۱ جلد اول و طحطاوی ص۴۱۵ جلد وفتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۳ جلد ۵)۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا مستحق وہ شخص ہے جس کے پاس حاجتِ اصلیہ ضروریہ سے زائد اتنا مال نہ ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے، ایسا شخص زکوٰۃ لینے پر مجبور ہو تو لے سکتا ہے (لینے والے پر) "زکوٰۃ کی رقم ہے" یہ ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا، خویش و اقارب کو خفت ہوگی اور برا مانیں گے، ایسے موقع پر ہدیہ و تحفہ کے نام سے بھی دیا جا سکتا ہے، البتہ جس شخص کے متعلق تحقیق نہ ہو کہ وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے تو اس سے تنہائی میں تحقیق کر لی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۲ جلد ۵)۔

مسئلہ:۔ مستحق کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے، اسے کسی بھی عنوان سے زکوٰۃ دیدی جائے اور نیت زکوٰۃ کی کر لی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ نیز ہدیہ، تحفہ، انعام وغیرہ کے عنوان سے زکوٰۃ ادا کی جائے اور ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ وہ مستحق ہو۔ (کتاب الفقہ ص۱۰۱۵ جلد اول)۔

مسئلہ:۔ اپنے رشتہ داروں اور ان کے بچوں کو یا کسی خوش خبری سنانے والے مستحق زکوٰۃ کو بصورتِ انعام و بخشش کچھ دیا اور اس میں زکوٰۃ کی نیت کر لی تو درست ہے، اسی طرح عید، تہوار و خوشی کے موقع پر اپنے خادموں کو زکوٰۃ کی نیت سے کچھ دیدینے کا بھی یہی حکم ہے، یعنی اگر وہ مستحق ہے تو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لینے پر زکوٰۃ ادا ہو جائیگی (فتاویٰ عالمگیری ص۱۷۱ جلد ۴)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کو انعام کے نام سے کچھ دیا مگر دل میں یہی نیت ہے کہ میں زکوٰۃ دیتا ہوں تب بھی زکوٰۃ ادا ہوئی (بہشتی زیور ص۲۸ جلد ۳ بحوالہ شرح التنویر ص۱۴۲ جلد ۱ و در مختار ص۱۰ جلد ۲)۔

مسئلہ:۔ جس کو زکوٰۃ دی جائے اس پر زکوٰۃ کا ظاہر کر دینا ضروری نہیں ہے، البتہ وہ محل اور مصرفِ زکوٰۃ ہونا چاہیئے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۹ جلد ۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۲ ج۲)

مسئلہ:۔ اپنے عزیز غریب (مستحق) کو دینے میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو جتلا دبتلا کر

دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں، کسی تحفہ یا ھدیہ کے عنوان سے بھی (زکوٰۃ وصدقہ) دیا جا سکتا ہے۔ تاکہ لینے میں شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔ (معارف القرآن ص۴۱۲ جلد ۴ وآپ کے مسائل ص۳۹۵ جلد ۳)۔

مسئلہ:۔ غیر مستحق رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دو ثواب ملتے ہیں، ایک زکوٰۃ ادا کرنے کا اور دوسرا صلۂ رحمی کا ثواب۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۷۱ جلد اول۔ و فتاویٰ دار العلوم ص۲۳۶ جلد ۶ و درمختار ص۳۵۳ جلد ۲)۔

غریب کا امیر ہونے کے بعد زکوٰۃ میں ملی ہوئی چیز استعمال کرنا؟

سوال:۔ میرے پاس زکوٰۃ اور سود کے پیسے ہیں، میرا داماد غریب ہے اور مقروض ہے، کیا یہ پیسے اس کو دے سکتا ہوں یا نہیں؟۔

قرض کی ادائیگی کے بعد وہ بچے ہوئے پیسوں سے گھر کی مرمت کرنا چاہتا ہے تو وہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

اگر وہ اس کے بعد مالدار ہو جائے تو اس کے لیے زکوٰۃ کے پیسوں سے مرمت کیے ہوئے مکان میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ داماد غریب ہو تو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں، اور وہ ان پیسوں سے گھر کی مرمت بھی کر سکتا ہے اور وہ مستقبل (آئندہ) قریب یا بعید میں مالدار ہو جائے تو اس کے بعد وہ اس گھر کو استعمال کر سکتا ہے، اس لیے کہ فی الحال تو وہ غریب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۱ جلد ۵)۔

کیا فقیر کو زکوٰۃ میں ملی ہوئی چیز غنی کے لیے جائز ہے؟

سوال:۔ اگر کسی فقیر کو کوئی کتاب مثلاً زکوٰۃ سے ملی، تو غنی (مالدار) کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

فتاویٰ رشیدیہ کے مسئلہ ذیل سے اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے،

طلباء کا کھانا جو کسی جگہ مقرر ہوتا ہے اور وہ وہاں سے لاتے ہیں، صاحب

نصاب کو وہ کھانا بحسب رغبت طلبہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ طلبہ کا کھانا جو مقرر ہوتا ہے، اگر وہ واجب مثل کفارہ اور عشر اور نذر اور زکوٰۃ نہیں ہے تو طلبہ کے ساتھ اُن کی اجازت سے غنی (مالدار) بھی کھا سکتا ہے، اور اگر ان میں سے کسی ایک میں کھانا مقرر ہوا ہے تو جب وہ طالب علم کسی کو مالک بنادے اُس وقت غنی اس کھانے کو کھا سکتا ہے، صرف ساتھ کھلانے سے کھانا اس کا درست نہیں۔ فقط (فتاوی رشیدیہ ص۴۸۵ جلد

اس کے خلاف دیوبند، سہارنپور، مدرسہ امینیہ دہلی وغیرہ نے صورتِ مسئولہ کے خلاف جواز کا فتویٰ دیا ہے، اپنی تحقیق سے نوازیں؟۔

جواب:۔ فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ صحیح ہے، فقیر نے مالِ زکوٰۃ غنی کو اباحۃً یا عاریۃً دیا تو اس کے لیے حلال نہیں۔ البتہ تملیک کے بعد حلال ہوجائے گا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ حلت بوجہ تبدیلِ ملک بسبب ہدیہ ہوئی بصورتِ اباحت نہیں، عبارتِ مذکورہ کے علاوہ ہدایہ، عنایہ، فتح القدیر وغیرہ کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ بہت وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، مجوزین حضرات نے فتویٰ لکھتے وقت ان کتب کی طرف رجوع نہیں فرمایا (احسن الفتاویٰ ص۲۶ جلد۴)۔

جس کو زکوٰۃ دی گئی، اس کا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ: اگر قریب کا رشتہ دار مصرفِ زکوٰۃ ہے اور (صاحبِ نصاب) اس کو زکوٰۃ دیتا ہے پھر وہ کوئی شئے (چیز) ہدیۃً اس زکوٰۃ دینے والے کو دیتا ہے تو اس کا لینا درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ص۲۴۹ ج۴)

زکوٰۃ کی رقم اگر چوری ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے کے لیے ایک بٹوے میں علٰحدہ رکھی مگر ادائیگی سے قبل ضائع ہوگئی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی یا دوسری زکوٰۃ دینی ہوگی؟۔

جواب :۔صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ ساقط، دوبارہ زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۴۱ جلد۲ وفقہ الزکوٰۃ ص۲۷۴ جلد۲)۔

مسئلہ :۔زکوٰۃ کی نیت کیا ہوا روپیہ کھو جائے یا چوری ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، پھر ادا کرنی ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۰۱ جلد۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۵ ج۲)۔

مسئلہ :۔زکوٰۃ کا روپیہ نکال کر کسی قدر اس میں سے تقسیم کر دیا اور کچھ روپیہ رکھدیا کہ وقتاً فوقتاً دیتا رہوں گا، وہ چوری ہوگیا یا رکھ کر بھول گیا تو جس قدر باقی ہے اس قدر زکوٰۃ پھر ادا کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۹۶ جلد۶ وفتاویٰ محمودیہ ص۱۴۳ ج۱۱)۔

(یعنی جس قدر روپیہ چوری ہو گیا یا کھو گیا ہو اس قدر روپیہ پھر دینا چاہیئے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر و ڈرافٹ سے بھیجنا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔زکوٰۃ کی رقم بذریعہ منی آرڈر اور ڈرافٹ بھیجی جا سکتی ہے، کیونکہ مجبوری ہے، اس لیے کہ اس طرح کی تبدیلی سے زکوٰۃ کی ادائیگی پر اثر نہیں پڑے گا، منی آرڈر وغیرہ کی فیس میں زکوٰۃ وفطرہ کی رقم استعمال نہیں کی جاسکتی (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۴ جلد۵)۔

مسئلہ :۔مگر فیس منی آرڈر اپنے پاس سے الگ سے دینی چاہیئے (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۵ جلد۶)۔

مسئلہ :۔زکوٰۃ کی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں کچھ حرج نہیں ہے، مہتمم صاحب کو لکھدیں کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۰۱ جلد۶ وفتاویٰ محمودیہ ص۲۵۹ جلد۷)

(لیکن کسی اور ضرورت مند مستحق زکوٰۃ کو بھیجنا ہو تو نہ لکھیں کیونکہ لفظ "زکوٰۃ" سے مستحق کو شرمندگی ہوگی، صرف نیت کرلینا کافی ہے، لیکن مدارس اور مکاتب اور دیگر اداروں کو اطلاع دینا اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ زکوٰۃ کو صحیح مصرف میں لگائیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

رجسٹری یا منی آرڈر سے زکوٰۃ کی رقم نہ پہونچے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ: رجسٹری کے ذریعہ سے اگر زکوٰۃ نہ پہونچے تو اس صورت میں بھیجنے والے کے ذمہ سے زکوٰۃ وفطرہ ادا نہیں ہوا، کیونکہ ڈاک خانہ مرسل کا وکیل ہے، مرسل الیہ کا نہیں ہے (کفایت المفتی ص۲۷۹ ج۴)

مسئلہ:- رجسٹری وغیرہ کے نہ ملنے کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم پھر دینی چاہیئے، ضروری ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۸۹ جلد ۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۵ جلد ۲)۔

زکوٰۃ میں دی ہوئی اپنی چیز خریدنا؟

مسئلہ:- کتابوں کی زکوٰۃ میں اگر کتابیں ہی مساکین کو دی جائیں، اور ان مساکین سے تاجرانہ بھاؤ (ریٹ) سے بتراضی طرفین وہ کتب مزکی (جس نے زکوٰۃ میں دی تھیں) خرید لے تو صحت بیع (فروختگی) میں تو کوئی شبہ نہیں، باقی اگر قرائن سے یہ معلوم ہو کہ اس نے ہمارے لحاظ سے اتنی قیمت کو قبول کر لیا ہے تو اس صورت میں کراہت ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۷ جلد ۲)۔

مسئلہ:- جو چیز کسی کو زکوٰۃ میں دو اور وہ اس کو فروخت کرتا ہو تو بہتر ہے کہ تم اس کو اس سے مت خریدو، شاید وہ تمہاری رعایت کرے۔ (تعلیم الدین ص۴۵ وفتاوے محمودیہ ص۲۵۱ جلد ۷ بحوالہ ابوداؤد شریف ص۲۲۵ جلد اول)۔

غیر مستحق کو زکوٰۃ دیدی گئی تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:- اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرف زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دیدی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی کا غلام (شرعی) یا کافر تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینی چاہیئے، کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے، وہ اس کی ملک سے نکلا ہی نہیں، اس لیے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور کافر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مالدار یا سید یا ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے تو زکوٰۃ کے اعادہ (دوبارہ لوٹانے) کی ضرورت نہیں، کیونکہ زکوٰۃ کی رقم اس کی ملک سے نکل کر

محل ثواب میں پہونچ چکی ہے، اور تعیین مصرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہو گئی وہ معاف ہے۔ (درمختار ص۹۲ جلد۲ و معارف القرآن ص۴۱۳ جلد۴ وفتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۷ جلد۶ و فقہ الزکوٰۃ ص۲۶۱ جلد۲)۔

مسئلہ :۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اگر غالب گمان تھا کہ یہ شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص۲۹۸ جلد۳)۔

مسئلہ :۔ اگر کسی کو شبہ ہو جائے کہ جس شخص کو زکوٰۃ دے گا معلوم نہیں وہ مالدار ہے یا محتاج ہے تو جب تک تحقیق نہ ہو جائے اس کو زکوٰۃ دے۔ اگر بے تحقیق کے دیدیا تو دیکھو گمان زیادہ کہاں جاتا ہے، اگر دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ فقیر (مستحق) ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر دل یہ کہے کہ وہ مالدار ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، پھر سے دے۔ لیکن اگر دینے کے بعد معلوم ہو جائے کہ وہ غریب ہی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، پھر سے دینے کی ضرورت نہیں۔ (شامی، امداد مسائل زکوٰۃ ص۴۷)۔

(کتاب کا آغاز کرتے وقت دل خوشی سے لبریز تھا لیکن اس وقت غمگین اور آنکھیں اشک ریز ہیں کیونکہ مورخہ ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد پر غیر مسلم دشمنوں نے وحشیانہ حملہ کرکے مسجد کو مسمار کر دیا، نہ صرف یہ بلکہ سیکولرازم و آئین و عدالت و قانون کے پرخچے اڑا دیئے۔ مسجد کی شہادت پر مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا مجروح ہونا قدرتی بات تھی، چنانچہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پُرامن مظاہرے جمہوری آئین کے تحت کرنے پر شرپسند عناصر اور اسلام دشمن طاقتوں نے ملک گیر فسادات برپا کر دیئے اور دیوبند میں بھی پانچ مقامی مسلمانوں کو شہید کر دیا اور دارالعلوم دیوبند کے ایک طالب علم محمد یونس آسامی کو بھی شہید کر دیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور آٹھ روز تک کرفیو میں کوئی ڈھیل بھی نہیں دی گئی حتی کہ مسجدوں میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی اور نماز جمعہ کے بجائے نماز ظہر گھروں میں ادا کی گئی ——— نماز کے بعد نہایت ہی رنج و افسوس کے عالم میں کتاب پوری کر رہا ہوں۔ اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ——— محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۰/دسمبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ)۔

ماٰخذ ومراجع کتاب

نام کتاب	مصنف ومؤلف	مطبع
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب رح مفتی اعظم پاکستان	ربانی بک ڈپو دیوبند
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم	الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں لکھنؤ
فتاویٰ دارالعلوم	مفتی عزیز الرحمن صاحب رح سابق مفتی اعظم دیوبند	مکتبہ دارالعلوم دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	مولانا سید عبدالرحیم صاحب مدظلہم	مکتبہ نشی اسٹیٹ راندیر، سورت
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند	مکتبہ محمودیہ جامع مسجد شہر میرٹھ
فتاویٰ عالمگیری	علماء وقت عہد اورنگ زیب رح	شمس پبلشرز دیوبند
کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رح	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
علم الفقہ	مولانا عبدالشکور صاحب رح لکھنوی	" " " "
عزیز الفتاویٰ	مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رح	" " " "
امداد المفتین	مفتی محمد شفیع صاحب رح مفتی اعظم پاکستان	" " " "
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح	ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند
فتاویٰ رشیدیہ کامل	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	علامہ عبدالرحمن الجزری رح	اوقاف پنجاب لاہور پاکستان
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع صاحب رح مفتی اعظم پاکستان	عارف کمپنی دیوبند
دُرِّ مختار	علامہ ابن عابدین رح	پاکستانی
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح	مکتبہ تھانوی دیوبند
معارف مدنیہ	افادات مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح	مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ
الترغیب والترہیب	مولانا زکی الدین عبدالعظیم المنذری	ندوۃ المصنفین دہلی

نام کتاب	مصنف و مؤلف	مطبع
احسن الفتاویٰ	فقیہ العصر مفتی رشید احمد صاحب	سعید کمپنی کراچی (پاکستان)
فقہ الزکوٰۃ	علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی	البدر پبلیکیشنز لاہور پاکستان
جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ	تحقیقاتِ اسلامی حیدرآباد
مظاہر حق جدید	نواب قطب الدین خاں رح	ادارۂ اسلامیات دیوبند
آپ کے مسائل اور انکا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانوی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
حقیقت الزکوٰۃ	مولانا ابوالکلام	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی
امداد مسائل الزکوٰۃ	جناب اقبال قریشی صاحب	ادارۂ اسلامیات پاکستان
ایضاح المسائل	,, مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ	جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد
جدید مسائل کے شرعی احکام	,, مولانا محمد رفیع عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند
فنڈ پر زکوٰۃ و سود کا مسئلہ	,, ,, ,, ,, ,,	,, ,, ,,
ارکانِ اربعہ	مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ	مجلس تحقیقاتِ اسلامیہ لکھنؤ
مسئلہ زکوٰۃ	قاری عبدالسمیع رح	سرگودھا پاکستان
نوٹ کی حقیقت اور اسکے شرعی احکام	مفتی سعید مظاہر علوم سہارنپور	کتبخانہ سعیدیہ سہارنپور
زکوٰۃ الحلّی (زیورات کی زکوٰۃ)	علامہ سید سلیمان ندوی رح	انوار المطابع لکھنؤ
اسرارِ شریعت	مولانا محمد فضل خان رح	پنجاب پاکستان
اصلاحِ انقلابِ اُمت	حکیم الامت مولانا تھانوی رح	تاج کمپنی دہلی
بہشتی زیور	,, ,, ,,	مکتبہ تھانوی دیوبند
نشر الطیب	,, ,, ,,	نور رشید بک ڈپو دیوبند
کیمیائے سعادت	حجۃ الاسلام امام غزالی رح	ادبی دنیا دہلی
غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانی رح	مسلم اکیڈمی سہارنپور
ہدایہ	امام ابوالحسن رح	کتب خانہ رشیدیہ دہلی
صحاح ستہ		,, ,, ,,